www.freepdfpost.blogspot.com

تین عظیم ڈکٹیٹر

نپولین بوناپارٹ، ہرایڈولف ہٹلر، بینٹو مسولینی

مرتب : اسلم کھوکھر

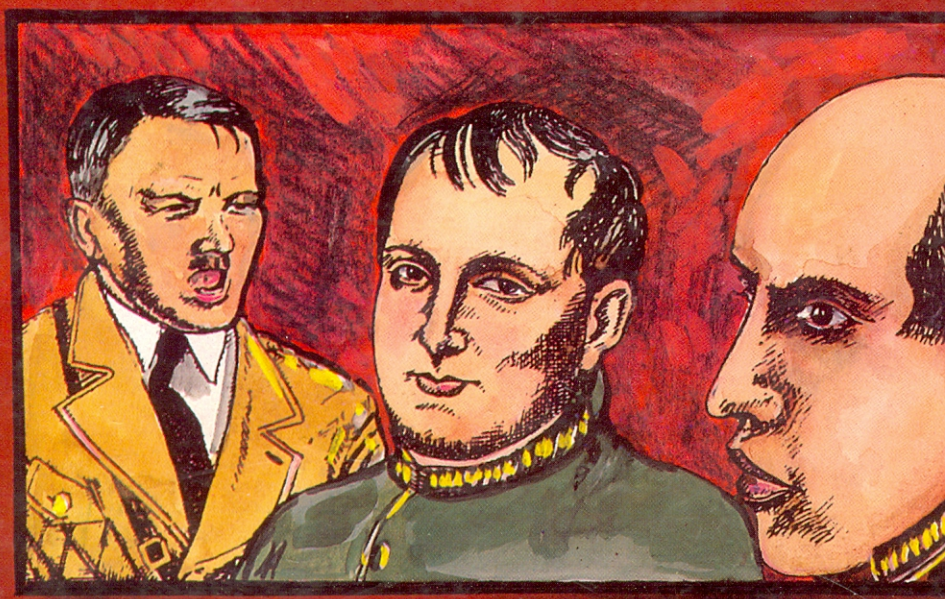

www.freepdfpost.blogspot.com

میری جدوجہد

آپ بیتی

ہر اڈولف ہٹلر

فکشن ہاؤس
۱۸۔ مزنگ روڈ، لاہور

www.freepdfpost.blogspot.com

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

نام کتاب	=	میری جدوجہد (آپ بیتی)
مترجم	=	نارائن
پبلشرز	=	فکشن ہاؤس 18 مزنگ روڈ لاہور
		فون: 7237430 , 7249218
پرنٹرز	=	زاہد بشیر پرنٹرز لاہور
سرورق	=	ریاظ
تاریخ اشاعت	=	1994ء
قیمت	=	150 روپے

www.freepdfpost.blogspot.com

فہرست

پہلا حصہ

تعارف	ڈاکٹر مبارک علی	5
چند ابتدائی الفاظ		11
مصنف کی تمہید		18
پیارا وطن		20
ویانا میں		25
ویانا میں سیاسی سرگرمیاں		46
میونخ میں		71
عالمگیر جنگ		83
پرچار		90
انقلاب		96
میری سیاسی زندگی کا آغاز		104
جرمن ورکر پارٹی		110
سابقہ حکومت کی تباہی کی وجوہات		112
قوم و نسل		135
جرمن ورکرز پارٹی کا عروج		147

www.freepdfpost.blogspot.com

دوسرا حصہ

عالمگیر قومی اصول اور ہماری پارٹی	161
حکومت اور اس کے فرائض	165
شہری رعایا	190
قومی ریاست کا تخیل اور شخصیت	192
عالمگیر اصول اور تنظیم	197
ابتدائی جدوجہد	202
سرخ تحریک سے جدوجہد	209
زبردست کا جوتا	220
سوشلسٹ ورکرز کا سنستھا مدعا و مقصد	224
فیڈرل ازم کی بیہودگی	240
پرچار اور تنظیم	251
ٹریڈ یونین کا سوال	257
صلح و جنگ کی جرمنی پالیسی	261
مشرقی پالیسی	273
ضرورت کے وقت مدافعت کا حق	284
تتمہ زراعت پیشہ آبادی کاشتکاری کے متعلق	
پارٹی کا پروگرام	292
پروگرام کے پچیس اہم نکات	300

www.freepdfpost.blogspot.com

تعارف

برصغیر ہندوستان میں ہٹلر کو مثبت انداز میں دیکھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں انگریزی اقتدار و تسلط رہا' اور اس وقت جب کہ تحریک آزادی زوروں پر تھی اور لوگوں میں انگریز دشمنی کے جذبات اپنے عروج پر تھے ایسے میں ہٹلر کا عروج ہوا' اور اس کے پھیلتے ہوئے سیاسی اقتدار نے ہندوستانیوں کے دلوں میں اس تاثر کو پیدا کیا کہ جرمن انگریزوں کو شکست دے کر ان کے زیر تسلط نو آبادیات کو آزاد کرادیں گے۔ اسی وجہ سے سبھاش چندر بوس' اور بہت سے سیاسی راہنما و کارکن جرمنی چلے گئے' اور وہاں انگریزوں کے خلاف پروپیگنڈے میں مصروف ہوگئے۔ جب دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو اس وقت جہاں ایک طرف ہندوستان سیاسی اتحادیوں کے لئے اپنا خون بہا رہے تھے وہاں کچھ سیاسی جماعتیں اور کارکن جرمنی کی ہمدردی میں سرگرم تھیں۔ اور آزاد ہندوستان فوج' جاپانیوں کی مدد سے منصوبہ بنا رہی تھی کہ جنگ کے نتیجہ میں ہندوستان کو آزاد کرایا جائے۔

اگرچہ جنگ عظیم دوم میں جرمنوں کو شکست ہوگئی۔ اتحادی جیت گئے۔ اور بعد میں سیاسی حالات اس تیزی کے ساتھ بدلے کہ انگریزوں کے لئے ہندوستان کو بطور نو آبادیات رکھنا ناممکن ہوگیا۔ اور ملک تقسیم ہونے کے نتیجے میں ایک نیا ملک بھی بن گیا۔' مگر دلچسپ چیز یہ ہے کہ اس تمام عرصہ میں ہٹلر اور جرمنوں کے بارے میں لوگوں کے خیالات کم ہی بدلے ہیں ۔ بلکہ اکثر پاکستان میں جب سیاسی ابتری زیادہ ہوتی ہے' تو لوگ اس بات کی خواہش کرتے ہیں کہ کاش ہمارے ہاں بھی کوئی ہٹلر پیدا ہوجائے'۔ ان کی اس خواہش کے پس منظر میں ہٹلر کی پوری تاریخ نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف وہ حصہ ہوتا ہے کہ جب اس نے طاقت میں آنے کے بعد جرمنی کی معاشی صورت حال کو بہتر بنایا تھا' مگر بعد میں اپنی جن پالیسیوں کی وجہ سے وہ جرمنی کو تباہی کی طرف لے گیا' اسے نظرانداز کردیا جاتا ہے' اور

www.freepdfpost.blogspot.com

اس کے نتائج پر غور نہیں کیا جاتا آمریت جہاں معاشرہ کو کچھ فائدے پہنچاتی ہے' وہاں اس سے زیادہ وہ معاشرہ کے لئے تباہ کن ہوتی ہے'

یوں تو تاریخ میں ایسی حکومتوں کا وجود رہا ہے کہ جن میں شخصی حکومتوں نے رعایا اور عوام کو اپنے زیر اقتدار جکڑ رکھا' اور ان کی آزادی کو دبائے رکھا' مگر یورپ میں پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمنی اور اٹلی میں جو آمرانہ اور شخصی حکومتیں قائم ہوئیں وہ اس لحاظ سے مختلف نہیں کہ ان میں ایک تو سیاسی طریقوں اور ہتھکنڈوں کے ذریعہ عوام کی مقبولیت حاصل کی گئی' اور دوسری جبر و تشدد کے ذریعہ مخالفین کو کچل کر رکھ دیا گیا' اور ان آمروں نے قوم' قومیت اور عوامی فلاح و بہبود' کے نام پر لوگوں کے جذبات کو ابھارا' اور اس قسم کے سیاسی اداروں کو قائم کیا کہ جن کے ذریعہ وہ اپنے سیاسی تسلط کو معاشرہ کے ہر طبقہ پر قائم رکھ سکیں۔

ہٹلر کو اپنی آمریت قائم کرنے میں جس چیز نے مدد دی وہ جرمنوں کا نسلی قومیت کا نظریہ ہے' اس کے تحت جرمن قوم نے خود کو ایک خول میں محفوظ کر لیا ہے' اور اپنی نسلی پاکیزگی کو برقرار رکھنے کے لئے وہ قطعی روادار نہیں کہ دوسری نسلوں اور اقوام کے لوگ ان میں شامل ہوں' کیونکہ اس صورت میں ان کی نسلی برتری متاثر ہوگی۔ اور ان کی قومی خصوصیات و عادات میں زوال آجائے گا۔ اس لئے اب تک جرمنی میں کوئی دوسری قوم کا شخص اگر وہاں پیدا ہوجائے تب بھی اس کا حق نہیں کہ وہ جرمنی شہریت حاصل کرسکے۔ نسلی برتری اور خون کی پاکیزگی کے جذبات جرمنوں میں بڑی شدت کے ساتھ تھے' اور اب بھی ہیں۔ اس لئے جب دوسری اقوام کو خود سے کم تر سمجھا جائے گا تو اس صورت میں انہیں غلام بنانا' ان پر حکومت کرنا' اور انہیں ذلیل کرنا جائز ہوجاتا ہے' اور یہی وہ جذبات ہوتے ہیں' جو فتوحات و جنگوں کی جانب لے جاتے ہیں۔

جرمنی میں خصوصیت سے اور یورپ میں عمومی طور پر یہودیوں کے خلاف جذبات کی جڑیں بھی بڑی گہری تھیں' یہاں تک کہ جرمنی کا مشہور فلسفی نیٹشے انہیں یورپ کے لئے ایک عذاب سمجھتا تھا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے مذہبی عقائد کے تحت انسان کی آزادی ختم کرکے اسے غلام بنادیا تھا' وہ یورپ کی فکری جڑیں یونان و روم میں دیکھتا ہے کہ جہاں انسان دیوتاؤں کے احکامات کا پابند نہیں' اور اپنی آزادی برقرار رکھے ہوئے ہے' مگر سامی مذاہب میں انسان خدا کے احکامات کا پابند اور آزادی سے محروم ہے'۔ اس لئے یہودیوں

www.freepdfpost.blogspot.com

کے خلاف اس فکری نفرت کے ساتھ ساتھ ان کے سیاسی و معاشی کردار کو بھی دخل ہے' اس لئے جب ہٹلر کو موقع ملا تو اس نے ان سوئے ہوئے جذبات کو ابھارا اور جرمنی کے بہت سے مسائل کا ذمہ دار انہیں ٹھہرا کے عوامی مقبولیت حاصل کرنے کی کوشش کی' آمرانہ طرز حکومت میں اقلیتیں ہمیشہ غیر محفوظ ہوتی ہیں ۔ کیونکہ وہ اپنے تحفظ کے لئے ایک طرف تو مالی وسائل کو جمع کرتی ہیں' دوسرے ان کی کوشش ہوتی ہے کہ معاشرہ میں رواداری اور قوت برداشت کے جذبات پیدا ہوں تاکہ ان کے وجود کو برداشت کیا جائے' اور یہی چیز آمروں کے لئے مخالفت کا باعث ہوتی ہے۔ اور ان کا پہلا شکار یہی ہوتے ہیں۔

ہٹلر نے خصوصیت سے کمیونسٹوں کے خلاف بھی محاذ بنایا' اس وقت جرمنی میں کمیونسٹ پارٹی انتہائی طاقت ور اور مضبوط تھی جو نہ صرف جرمنی کے سرمایہ دار بلکہ یورپی سرمایہ داروں کے لئے بھی خطرہ کا باعث تھی' اس لئے ہٹلر کے ابتدائی دور میں یورپی اور امریکی سرمایہ داروں نے اس کی زبردست حمایت کی اور اسے سرمایہ فراہم کیا' چرچل نے ۱۹۴۱ء میں انگلستان کے اخبار ٹائمز کو ایک خط میں لکھتے ہوئے کہا تھا کہ اگر انگلستان کی سیاسی و معاشی حالت ایسی ہوتی جیسی کہ جرمنی کی تھی' تو اپنے ملک میں ہٹلر جیسی شخصیت کو باعث رحمت سمجھتے۔ در حقیقت امریکہ و یورپی سرمایہ دار ممالک ہٹلر کی جرمنی کو اس وقت روس اور اشتراکی نظام کے خلاف استعمال کرنا چاہتے تھے' اور اسی لئے نازی ازم ان کے لئے اگر وہ روس کے خلاف ہو تو قابل قبول تھا۔

لیکن جرمنی کے اپنے تضادات جو فرانس و انگلینڈ سے تھے۔ انہوں نے اسے مجبور کیا کہ پہلے وہ ان کے خلاف اعلان جنگ کرے۔ یہ پہلی جنگ عظیم کی شکست اور معاہدہ و رسائی کی حقارت آمیز شرائط کا نتیجہ تھا' اور اسی لئے فرانس کو شکست دے کر اس نے جرمن قوم کے احساس شکست کو فتح و عظمت میں بدل دیا۔ اور جب ایک مرتبہ چکر شروع ہوگیا' تو اس نے جرمنی کے اندرونی حالات پر بھی اثر ڈالا' آمریت کی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ہر مخالف قوت کو ختم کر دیا جائے' اور تمام جماعتوں' پارٹیوں' اور گروپوں کو ختم کرکے انہیں صرف ایک پارٹی کے تحت لایا جائے۔ اس مقصد کے لئے جن طریقوں کو اختیار کیا گیا ان میں ایک طریقہ یہ تھا کہ ہر شہری کو کسی نہ کسی طریقے سے پارٹی سے منسلک کر دیا جائے۔ نوجوانوں' عورتوں' اور مردوں کو مختلف گروپ میں بانٹا گیا' یونیفارم' میٹنگیں' جھنڈے' اور ریلیز وہ طریقے تھے کہ جن کے ذریعہ ان میں اشتراک پیدا

www.freepdfpost.blogspot.com

کیا گیا۔ مخالفوں کو ختم کرنے کے لئے جاسوسی کا نظام اور "ایس' ایس" کے دستے منظم کئے گئے۔ جس کی وجہ سے تمام مخالف جماعتیں بکھر کر ختم ہوگئیں' اور پارٹی سے مخالفت ملک و قوم سے مخالفت سمجھی جانے لگی' جن لوگوں نے اس نظام کے خلاف مزاحمت کی وہ ملک دشمن' اور غیر ملکی ایجنٹ ٹھہرے اور معاشرے میں ان کے خلاف نفرت و حقارت پیدا ہوئی۔

لوگوں کو نفسیاتی طور پر متاثر کرنے کے لئے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر ہوئی' عظیم الشان مجسمے استادہ کئے گئے۔ جلسے و جلوسوں کی ابتداء ہوئی' جن میں جذبات سے بھرپور تقریریں کر کے لوگوں کو جوش دلایا جاتا تھا۔ اور جب جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا تو فتوحات نے لوگوں میں مزید فخرو عظمت کے جذبات کو پیدا کیا۔ اور جرمنی قوم کی نسلی برتری ثابت ہونے لگی۔

اس پورے عمل میں ثقافت و آرٹ سب نازی ازم کے نظریہ تلے آگئے۔ ان کا مقصد صرف یہ ٹھہرا کہ کس طرح اس نظریہ کو تقویت دی جائے۔ چناچہ اظہار رائے کی آزادی کے خاتمہ اور تخلیقی کاموں پر رکاوٹ کے سبب' بڑی تعداد میں جرمن دانشور و سائنس دانوں نے جرمنی چھوڑ کر جلا وطنی کی زندگی اختیار کرلی' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرمنی کی یونیورسٹیاں اور تحقیقی ادارے خالی ہوگئے' اور جو لوگ باقی رہ گئے تھے انہوں نے اپنی صلاحیتوں کو نازی ازم کے حوالے کردیا' جس کو انہوں نے جنگی ہتھیاروں کی تیاری' اور پروپیگنڈے کے لئے استعمال کیا۔

تاریخ کے مطالعہ کے بعد جو سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ جب کبھی بھی' اور جہاں بھی آمرانہ حکومتوں کا قیام ہوا' وہاں طاقت سمٹ کر چند ہاتھوں میں آگئی' اوور باقی لوگ محض اس طاقت کے آلہ کار بن کر رہ گئے' چناچہ ان حالات میں معاشرہ کے لئے ترقی کی تمام راہیں مسدود ہوگئیں' اور آخر میں نتیجہ تباہی کی شکل میں نکلا' ہٹلر کے عزائم نے جنگ کو پھیلایا اور آخر میں جرمنی خود اس جنگ میں جھلس کر رہ گیا۔ مسولینی نے اٹلی کو فاشزم کے شکنجہ میں جکڑا' اور اس کی ترقی کی راہوں کو بند کرکے اسے پس ماندہ بنادیا' فرانکو نے اسپین کو وقت کے محدود دائرے میں قید کردیا' اور یہی کچھ پرتگال کے ساتھ سالازار کے زمانہ میں ہوا۔ لہٰذا جن ملکوں میں آمریت آئی اس کی بھاری قیمت لوگوں اور ملک کو دینی پڑی۔

جنگ عظیم کے بعد جب ایشیاء وافریقہ کے ملک آزاد ہوئے تو ان ملکوں میں جمہوریت کے بجائے' فوجی حکومتیں' اور آمریتیں قائم ہونا شروع ہوئیں'۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب

www.freepdfpost.blogspot.com

تک تیسری دنیا کے ممالک پسماندگی کا شکار ہیں'۔ خود پاکستان نے فوجی حکومتوں اور آمروں کے ہاتھوں جو تکلیفیں اٹھائیں ہیں ' اس کے زخم ابھی تازہ ہیں اور اس کے نتیجہ میں جو سیاسی انتشار پھیلا ہے اس کا خاتمہ مشکل بنا ہوا ہے۔

ہمارے ملک کے جو حالات ہیں ' ان میں ہٹلر کی "میری جدو جہد" کا مطالعہ ہمارے تاریخی شعور میں اضافہ کرے گا' اس سے اندازہ ہوگا کہ کس طرح قوم اور ملک کے نام پر لوگوں کے جذبات کو بڑھکایا جاتا ہے اور ان کی ہمدردیاں آمرانہ حکومت کے لئے حاصل کی جاتی ہیں۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوگا کہ مذہبی و نسلی اقلیتوں کو کس طرح سارے مسائل کا ذمہ دار ٹھہرا کر ان سے نفرت کی جاتی ہے' اور ان کے خلاف تشدد کو بڑھکایا جاتا ہے' کس طرح سے سیاسی جماعتوں کو ملک دشمن ٹھہرا کر ان کے خلاف کاروائیاں کی جاتی ہیں۔ اور کس طرح اپنے مخالفوں کو غیر ملکی ایجنٹ ٹھہرا کر انہیں اذیتیں دی جاتی ہیں۔

اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ فوجی آمرانہ حکومتوں نے کسی نہ کسی نظریہ کا سہارا لے کر جابرانہ حکومتوں کو قائم کر کے لوگوں کو غلام بنا کر ان کی آزادی اور جذبوں کو ختم کیا ہے' اور نتیجہ میں خود بھی تباہ ہوئے ہیں' اور ملک و قوم کو بھی تباہ کر دیا ' اس لئے قوموں کی ترقی ایک ایسے نظام میں ممکن ہے' جو جمہوری و سیکولر ہو' اور جس میں قوت برداشت اور رواداری ہو'۔ اس لئے ہمیں اپنے حالات کو بہتر بنانے کے لئے کسی ہٹلر یا مسولینی کی ضرورت نہیں' بلکہ جمہوری نظام کی ضرورت ہے جو کہ عوام کی امنگوں کا آئینہ دار ہو۔

ڈاکٹر مبارک علی

۱۲ اکتوبر ۱۹۹۳ء

www.freepdfpost.blogspot.com

www.freepdfpost.blogspot.com

چند ابتدائی الفاظ

آج دنیا میں اگر کوئی شخص اپنی پر تشدد وحشیانہ قومی طاقت کے لحاظ سے سب سے زیادہ زبردست و طاقت ور کہا جاسکتا ہے تو بلاشبہ وہ ہرایڈولف ہٹلر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نپولین بھی اپنے زمانہ میں ایک عظیم الشان ہستی گذرا ہے۔ لیکن بلاخوف مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آج جو عظمت' ہیبت و شان ہٹلر کی ہے وہ اپنے وقت میں نپولین کو بھی حاصل نہیں ہوئی۔ اور جس رعب و داب سے ایک قطرہ خون بہائے بغیر ہی اس نے آسٹریا اور زیکوسلاویہ کے ان حصص پر قبضہ حاصل کرلیا ہے جو شاید ایک صدی سے بھی زیادہ عرصے سے آسٹریا کے قبضے میں تھے اور جنہیں تقریباً" بیس سال پہلے جنگ یوروپ کی فاتح اقوام نے اپنے زعم باطل میں جرمنی سے چھین کر پٹو زیکوسلاویہ کے حوالے کردیا تھا۔ اور اس طرح ایسے ایک گمنام چھوٹی سی ریاست کے درجہ سے بڑھ کر اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ بھی کمال فخر و تکبر کے ساتھ

ہم بھی ہیں پانچ شہ سواروں میں

کا مصداق بن بیٹھا تھا اس میں شک نہیں کہ آج زیکوسلاویہ کی حالت نہایت ہی قابل رحم ہے اور اس کے بدنصیب باشندے اس دن کو پچھتا رہے ہیں جبکہ انہوں نے جنگ عظیم کے فاتح انگلستان اور فرانس سے وفاداری اور خیرخواہی کے صلہ میں جرمنی اور آسٹریا کے علاقہ جات حاصل کرکے اپنی شان بڑھائی تھی جو آج انگلستان اور فرانس کے ارشادات کی تعمیل میں معہ سود در سود کے کمال بے کسی و بے بسی کے ساتھ جرمنوں کی محض ایک دھمکی میں ہی اس ناگفتہ بہ ذلت و خواری سے واپس کرنے پڑ رہے ہیں۔ اور حقیقتاً" آج اس برے وقت میں ان کے وہی دونوں حمایتی جنہوں نے کسی زمانے میں اس کی شان کو چار چاند لگائے تھے آج اسی شان کو خاک میں ملانے والے ثابت ہوئے ہیں۔ سچ ہے ۔

www.freepdfpost.blogspot.com

سیاہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے
کہ تاریکی میں تو سایہ بھی جدا ہوتا ہے انساں سے

مگر ہٹلر کے تکبر آمیز و خود پرستانہ رویہ اور فاشٹ خیالات سے خواہ کسی کو کتنی بھی نفرت و مخالفت کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر اس کے پہلو میں انصاف پسند دل ہے۔ اسے ہٹلر کی قوم پرستی' حب الوطنی' بلند خیالی' عالی دماغی' دور اندیشی اور معاملہ فہمی کی ضرور ہی داد دینی پڑے گی۔ بلاساختہ اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل جائیں گے کہ

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

جنگ عالمگیر کی فتح کے نشہ سے سرشار ہوکر سمجھئے یا بہادر جرمن قوم کی جانبازی اور سینہ سپری سے خوفزدہ ہوکر خیال کیجئے۔ یوروپ کی فاتح اقوام نے مفتوح جرمنوں کو ذلیل و کمزور کرنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی لیکن اس وقت یہ بات کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ گذری ہوگی کہ آج سے بیس سال کے اندر ہی اندر یہی پریشان حال جرمن جو آج کان دبائے ہماری ہر ایک سخت سے سخت شرط کو سرآنکھوں سے تسلیم کر رہے ہیں اتنے زبردست ہوجائیں گے کہ محض دھمکیاں دے کر دنیا کی بڑی قوم کو اس امر کے لئے مجبور کرسکیں گے کہ بلاکسی چون و چرا کے انہیں ان کی من مانی کرلینے دے۔ اور اپنے مخالفوں سے اپنا سب اگلا پچھلا قرضہ انتقام معہ سود در سود کے وصول کرنے میں کسی طرح رخنہ اندازی کرنے کی بجائے الٹی ان کی حمایت کرے۔ سچ ہے۔

از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جرمنی کو اس کی یہ موجودہ پرہیبت طاقت کسی شخص کی بدولت حاصل ہوئی ہے؟ تو ہر شخص خواہ وہ ہٹلر کا دوست ہو یا دشمن۔ مداح ہو یا بدگو اس سوال کے جواب میں ہٹلر کا نام ہی لینے کے لئے مجبور ہوگا گویا ایک طرح زبان سے قابل نہیں تو زبان حال سے ہی سہی وہ جرمنی اور جرمنوں کی ان موجودہ شان دار پیہم کامیابیوں کا سہرا ہٹلر کے سوا کسی کے بھی سر پر نہ باندھ سکے گا۔

اب دوسرا سوال جو ہر شخص کے دل میں پیدا ہوگا وہ یہی ہوسکتا ہے کہ دنیا بھر کی عظیم الشان فاتح سلطنتوں کی ایڑیوں میں ایسے بے رحمی و بیدردی سے پچھاڑے جرمنوں کو

www.freepdfpost.blogspot.com

جنہیں دنیا باوجود ان کی اس بہادری اور جرات کے جو انہوں نے گذشتہ عالمگیر جنگ میں ظاہر کی تھی۔ بالکل بے کس و بے بس اور کمزور و ناتواں سمجھ بیٹھی تھی ہٹلر نے بیس سال کے بُھس مختصر و محدود عرصے میں اتنا طاقتور و مضبوط کس طرح بنا دیا؟ کہ آج وہ دنیا بھر کے امن و امان کے لئے ایک نہایت زبردست خطرہ بن رہے ہیں اس سوال کا جواب ہٹلر نے خود ہی اس مشہور عالم تصنیف "میری جدوجہد" میں بلاکم و کاست دے دیا ہے جس کا دُنیا بھر کی مہذب زبانوں میں ترجمہ ہوکر گذشتہ جولائی سے پہلے پہلے تقریباً" ۲۶ لاکھ فروخت ہوچکا ہے اور دنیا کا شاید کوئی مدبر و سیاست دان ایسا ہوگا جس نے کہ اس کتاب کو کامل غور وخوض سے ایک کیا کئی کئی بار نہ پڑھا ہو۔ اور اس کے اوراق سے کچھ نہ کچھ سبق حاصل نہ کیا ہو۔ کیونکہ ہر ایک عقلمند اور دور اندیش شخص حضرت شیخ سعدی کی مندرجہ ذیل نصیحت پر عمل پیرا ہونا اپنا پہلا فرض سمجھتا ہے۔ ۔

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
گر نوشت است پندبر دیوار

یعنی ایک ہوشیار اور دانش مند آدمی کو ہر شخص اور ہر جگہ سے نصیحت حاصل کرنی چاہئے۔ خواہ وہ دیوار پر ہی کیوں نہ لکھی ہو۔ جرمنوں کی نظروں کے لئے تو اس کتاب کی عظمت انجیل مقدس سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ ان کے نقطہ نظر سے جو اہمیت و شان انہیں اس کتاب میں مندرج ہدایت پر عمل کرنے سے نصیب ہوئی ہے۔ وہ انجیل پر عمل کرنے سے شاید قیامت تک بھی حاصل نہ ہوسکتی۔

اس کتاب کے مطالعہ سے قارئین پر یہ روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے گا کہ ہٹلر نے ایک معمولی سے سرکاری ملازم کے فرزند کی حیثیت سے بڑھتے بڑھتے یہ بعید از قیاس ترقی کس طرح کی ہے۔ اس نے اپنی اس تصنیف میں اپنے والد بزرگوار کے عہدے کی طرف کوئی اشارہ تک بھی نہیں کیا۔ اور سوائے اس کے کچھ بھی نہیں لکھا کہ ان کی نظیر اس کے سامنے بار بار پیش کرکے اسے سرکاری ملازمت میں داخل ہونے کی ترغیب دی جایا کرتی تھی۔ لیکن اپنے عزیزوں کی خلاف توقع اس کا دل سرکاری ملازمت سے کچھ ایسا متنفر تھا۔ کہ ان کی کوئی بھی ترغیب اس پر کارگر نہ ہوئی کیونکہ اس کا آزادی پرست دل ملازمت کے نام سے کوسوں دور بھاگتا تھا۔ اور ملازمت بھی صرف بیٹھے بیٹھے قلم گھسانے یعنی محض کلرکی کی۔ جس کے متعلق اس نے خود اپنی نفرت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے

www.freepdfpost.blogspot.com

کہ مجھے اس خیال تک سے نفرت تھی اور یہ بہت ہی پریشان کن معلوم ہوتا تھا کہ دن بھر دفتر میں بندھے بیٹھے رہو۔ اور اپنے وقت کے آپ مالک ہونے کی بجائے صرف سرکاری فارموں کی خانہ پری کرنے میں ہی اپنی ساری عمر ضائع کردو۔

کون کہہ سکتا ہے کہ اگر ہٹلر کو کلرکی سے نفرت نہ ہوتی۔ اور وہ اپنے والد بزرگوار کی ترغیب میں آکر کہیں کلرک بن بیٹھتا۔ تو آج اس کی زندگی کیسی گمنامی میں بسر ہوتی اور آج جرمنی کی ذلت و تباہی کس درجے تک پہنچ چکی ہوتی۔ لیکن قدرت کی لامحدود طاقتوں اور ان کے کام کرنے کے طریقوں کو کوئی کس طرح سمجھ سکتا ہے؟

اس کتاب کے مطالعہ سے پہلی بات جو قارئین کے ذہن نشین ہوگی۔ وہ یہ ہے کہ زمانہ طفولیت سے ہی ہٹلر کا محب وطن اور قوم پرست دل ہمیشہ اس خیال سے بے تاب رہا کرتا تھا کہ میرے وطن عزیز یعنی جرمنی کا ایک حصہ آسٹریا والوں کے قبضہ اقتدار میں ہے اور ہم اپنے وطن کی سرحد کے اتنے قریب رہتے ہوئے بھی اس سے غیر بنے ہوئے غیروں کی سی زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور ہیں۔ اس خیال نے اس کے دل میں شروع سے اہل آسٹریا اور ان کے منظور نظر زیکوں کے خلاف ایک جذبہ انتقام پیدا کردیا تھا۔ جس نے اب یہ شکل اختیار کی کہ اس نے جرمنی کی تمام سیاسی و فوجی طاقتوں پر اقتدار حاصل کرتے ہی سب سے پہلا وار آسٹریا اور دوسرا وار زیکو سلاوکیہ پر کیا۔ اور جرمن نژاد لوگوں سے بسا ہوا جتنا بھی علاقہ کسی نہ کسی طرح ان کے قابو میں آگیا تھا۔ اسے ان سے واپس لے کر اور ایک مرتبہ پھر جرمنی میں شامل کرکے اپنے وطن عزیز کی عزت و عظمت اور شان و جلال کو چار چاند لگادیئے ہیں۔ جس کی بدولت آج جرمنی اتنا زبردست اور طاقت ور ہوگیا ہے۔ جتنا کہ شاید وہ اپنی قومی تاریخ میں پہلے کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔ گویا اس طرح آج ہٹلر نے جرمن قوم کے وہ خواب عملی طور پر پورے کر دکھائے ہیں جو شاید جرمن مدبر قیصر اور بسمارک کے عہد میں دیکھا کرتے تھے۔ اور جو عالمگیر جنگ میں شکست کھانے سے محض خواب ہائے پریشان ثابت ہوکر رہ گئے تھے۔

دوسری خاص بات جو انہیں اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگی وہ یہ ہے کہ یہودیوں کے خلاف ہٹلر کی نفرت و ناراضگی بھی کوئی نئی بات نہیں بلکہ بہت پرانی ہے اور اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ۔ کہ انہوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو جرمنی کی بجائے یہودی سمجھا ہے۔ اور جرمنی کی بہتری و بہبودی کے متعلق ہٹلر کی ابتدائی کوششوں

www.freepdfpost.blogspot.com

میں اس کے ساتھ جان و دل سے شریک ہونے کی بجائے یہودی ہمیشہ اپنی بین الاقوامیت کی دھن میں سرمست ہوکر ان کی طرف سے لاپرواہ رہے ہیں۔ یا ان کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ اور اس غلطی کا خمیازہ آج بھی وہ اس صورت میں بھگت رہے ہیں اور شاید اس وقت تک ہمیشہ بھگتتے رہیں گے جب تک وہ بین الاقوامیت کے خیال سے آزاد ہوکر پارسیوں کی مانند ان ممالک کی سرزمینوں کا بھی اپنے اوپر کچھ حق نہ سمجھیں گے۔ جو کہ عرصہ دراز سے اور آجکل ان کی پرورش کر رہی ہیں اور انہیں اپنے اپنے بچوں کی مانند گود میں لئے ہر طرح کے سکھ پہنچا رہی ہیں۔ کیونکہ احسان فراموشی اور ایک بے غرض محسن کی بد اندیشی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دوسرا گناہ نہیں اور یہ ایک ایسا گناہ ہے جس کو خدا بھی کبھی معاف نہیں کرتا۔ جس کا کفارہ سوائے اس کے کچھ بھی نہیں ہو سکتا کہ آئندہ کے لئے اس گناہ سے سچے دل سے توبہ کرکے مغرور انسان اپنی ہستی کو اپنی بے غرض محسن یعنی مادر وطن کی خدمت اور بہتری و بہبودی کے خیال میں مٹا دینے کا تہیہ کرلے اور وہاں کے اصلی باشندوں کو اپنے سے غیر نہ سمجھتا ہو۔ اپنے خون کا خون اور گوشت کا گوشت سمجھے نیز اپنے ہم وطنوں کے سوا کسی بھی غیر سے اپنا کوئی دنیاوی رشتہ قائم نہ رکھے۔ دین ہر ایک کا اس کی روح اور خدا کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ دنیا کے ساتھ نہیں۔ اسی لئے ہر مذہب و ملت میں ہمسایہ کا حق سگے بھائی سے بھی زیادہ مانا گیا ہے۔ کیونکہ ہر طرح کے سکھ دکھ میں جو امداد ایک نیک دل ہمسایہ سے مل سکتی ہے۔ وہ پردیس میں رہنے والے سگے بھائی سے بھی ملنی ناممکن ہے۔ اسی لئے ہندوستان کی کہاوت مشہور ہے۔

"سگا دور پڑوسی نیڑے"

اس سے قوم پرستی اور بین الاقوامیت کے سوال پر بھی یہ نمایاں روشنی پڑتی ہے کہ جو کمزور قومیں بین الاقوامیت کے طلسم میں پھنس کر اپنی قومی بہتری اور بہبودی کی طرف سے لاپرواہ اور غافل رہتی ہیں۔ وہ نہ تو قومی طور پر مضبوط اور طاقت ور ہوسکتی ہیں۔ اور نہ بین الاقوامی طور پر ہی انہیں کبھی کوئی عزت اور طاقت حاصل ہوسکتی ہے۔ زیکو سلاوکیہ کی نظیر زبان حال سے پکار پکار کو دنیا کو یہ سبق دے رہی ہے۔ کہ کبھی بین الاقوامیت کے بھروسے پر اپنی قوم کے دوسرے حصوں یا اپنے ہمسایوں سے دشمنی یا عناد کا خیال تک بھی اپنا دل میں نہ لاؤ! ورنہ تمہارا انجام بھی یہی ہوگا جو آج میرا (یعنی زیکوسلوکیہ) کا ہوا ہے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

انگریزوں اور فرانسیسیوں نے جن کے بل بوتے پر دوران جنگ میں اور اس کے بعد بھی کودتا اور اکڑتا رہا ہوں آج مجھے اپنی مصلحت ملکی پر قربان کرکے صاف الفاظ میں یہ کہہ دیا ہے۔ کہ اس چھوٹی سی قوم کے لئے اپنی ہستی کو خطرے میں ڈال کر مٹا ڈالنا کہاں کی دانائی ہے؟ اس لئے اس کو قربان کردینا ہی مناسب ہے۔ جب جرمنی نے اپنے جرمن لوگوں سے آباد حصے سب مجھ سے چھین لئے تو دوسرے ہمسایوں نے بھی

"موئے پر سو درے"

کے مصداق میری اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہر طرح جائز و مناسب خیال کرکے میرے ان علاقوں پر دستبرد شروع کردی جس میں ان کی ہم نسل لوگ آباد ہیں اور جن میں سے بعض شاید اس جنگ سے بھی بہت پہلے سے میرے قبضہ و اقتدار میں چلے آئے تھے۔

غرضیکہ آج زیکوسلاوکیہ کی حالت اس سے بھی کہیں بدتر ہے۔ جیسی کہ آغاز جنگ سے پہلے تھی اب نہ تو آسٹریا ہی اس کا سرپرست ہے۔ نہ انگلستان یا فرانس ہی۔ روس ' ہنگری' اور پولینڈ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اس لئے اسے بالاخر بین الاقوامیت کا سب نشہ اس طرح ہرن ہوجانے کے بعد اسی جرمنی کے قدموں میں جگہ تلاش کرنا پڑی جس نے کہ اسے بری طرح ٹھکرا کر دنیا بھر میں یوں ذلیل و خوار کیا ہے۔ آہ کتنا عبرت انگیز منظر ہے۔ بشرطیکہ کوئی آنکھ کھول کر دیکھے اور اس سے کچھ سبق حاصل کرنے کی کوشش کرے!

چونکہ اس مختصر دیباچے میں تمام کتاب سے حاصل ہونے والے بیشمار اسباق کا ذکر کرنے سے ایک اور ضخیم کتاب تیار ہوجانے کا اندیشہ ہے جسے شاید میرے مہربان پبلشرز برداشت نہ کرسکیں۔ کیونکہ انہیں اس کتاب کی طباعت کی بہت جلدی ہے۔ اس لئے میں اسے یہیں ختم کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ لیکن اشارتاً" اتنا ضرور عرض کردوں گا کہ اس کے دور اندیش اور دانشمند مصنف نے متذکرہ بالا امور کے علاوہ لازمی اور جبری قومی و فوجی تعلیم کی ضرورت مذہب و سیاسیات کی علیحدگی زراعت و کاشتکاری کی اہمیت وغیرہ وغیرہ مضامین پر جن مدبرانہ خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ بھی خاص طور پر قابل غور ہیں۔ اور زراعتی پالیسی کے متعلق تو اس نے جو پروگرام کتاب کے آخر میں دیا ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ ہر ایک قوم پرست حکومت اسے اپنے پیش نظر رکھے اور اپنے مقامی حالات کے

www.freepdfpost.blogspot.com

مطابق اس میں مناسب ترمیم و تنسیخ کرکے اس کی زیادہ سے زیادہ ممکن، حد تک پیروی کرنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
گر نوشت است پند بر دیوار

خیر اندیش

"نارائن"

دہلی ۔ مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۸ء

www.freepdfpost.blogspot.com

مصنف کی تمہید

۹ نومبر ۱۹۲۳ء کو یعنی پیدائش کے چوتھے سال رائخ یعنی حکومت جرمنی نے نیشنل سوشلسٹ جرمن ورکز پارٹی کو ممنوع قرار دے دیا۔ اسی لئے ہم نے اسے توڑ ڈالا۔

یکم اپریل ۱۹۲۴ء کو مجھے میونخ کی نیشنل کورٹ آف جسٹس یعنی قومی عدالت انصاف سے سزا ہوگئی۔ اور میں لینڈز برگ ایم لیچ کے قلعہ میں قید کردیا گیا۔

اس سے مجھے سالہا سال کی پیہم اور مسلسل محنت و مشقت سے پہلی مرتبہ اتنی فرصت ملی کہ میں اس کام کو شروع کرسکوں۔ جس کا کہ بہت سے احباب مطالبہ کر رہے تھے اور جسے میں خود بھی تحریک کے لئے بہت مفید خیال کرتا تھا۔ اس لئے میں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ میں ایک کتاب لکھ کر اپنی تحریک کے اغراض و مقاصد کی وضاحت کرتا ہوا اس کی نشوونما کی ایک تصویر دنیا کے سامنے پیش کروں۔ کیونکہ میری رائے میں اس سے بہ نسبت کسی خالص اصولی تصنیف کے زیادہ سبق حاصل کرلیا جاسکے گا۔

اس سے مجھے اپنے متعلق بھی کچھ لکھنے کا موقع مل گیا۔ لیکن صرف اسی حد تک جس حد تک کہ میں اس کتاب کو قابل فہم بنانے میں مدد حاصل کرسکا ہوں۔ اور ان بے بنیاد قیاسی افسانوں کی تردید میں کامیاب ہوسکا ہوں۔ جو یہودی پریس نے میرے متعلق دنیا میں پھیلا رکھے ہیں۔

اس کتاب میں اجنبی قارئین سے میرا خطاب نہیں بلکہ میں نے صرف ان اصحاب کو مخاطب کیا ہے۔ جو کہ تحریک کے پیرو ہیں۔ اور اپنے گوشہ دل میں اس سے تعلق رکھتے ہیں۔ نیز اس کے متعلق کچھ واقفیت اور روشنی حاصل کرنے کے خواہاں ہیں۔

میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ کسی تحریر کا اثر تقریر کی مانند نہیں ہوسکتا اور دنیا کی ہر ایک بڑی تحریک کی ترقی کا دارومدار مصنفوں اور محرروں کی نسبت تقاریر اور لیکچروں پر زیادہ

www.freepdfpost.blogspot.com

تر رہا ہے۔

لیکن پھر بھی کسی عقیدے کے اظہار میں یکسانیت اور اس کی حمایت میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کے لئے اس کے دائمی اصولوں کا قلمبند کیا جانا بھی لازمی و لابدی ہے۔ کاش کہ یہ کتاب اس عمارت کا بنیادی پتھر ثابت ہو۔ جس کے لئے ہم سب نے مل جل کر کام کیا ہے۔ اسی لئے میں اسے پیش کرتا ہوں۔

آج ہماری پارٹی سلطنت بھر میں فخر سے سر اونچا کئے کھڑی ہے۔ اور ہم پہلے ہر زمانے کی نسبت اپنے آپ کو زیادہ مضبوط بنیادوں پر قائم سمجھتے ہیں۔

ایڈولف ہٹلر

www.freepdfpost.blogspot.com

پیارا وطن

خوش قسمتی سے میرا جنم براؤن شائر کی سرائے میں ہوا۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ جو ان دونوں جرمن سلطنتوں یعنی جرمن اور آسٹریا کی درمیانی حد میں واقع تھا۔ جن کو ایک مرتبہ پھر ملا کر ایک ناقابل شکست رشتہ اتحاد میں جکڑ دینا ہم جرمنوں کا سب سے زیادہ دل پسند خواب نہیں! نہیں! بلکہ خواہش عظیم اور زندگی کا ایک واحد مقصد ہے۔ کیونکہ جرمنی اور آسٹریا کے اتحاد کی بنیاد کسی مالی یا اقتصادی نقطہ نظر پر نہیں۔ بلکہ خالص جرمن حب الوطنی اور قومی خدمت کی دلی خواہش پر ہے۔ جو ایک سنگین چٹان کی مانند مضبوط و قائم ہے۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ اس اتحاد و اشتراک کے سوال پر جب ہم کسی مالی نقطہ خیال سے غور کرتے ہیں اس کے بغیر ہونے والے نقصانات کی تصویر شرم سے ہماری گردن جھکا دیتی ہے۔ مگر پھر بھی ہمیں جرمنی اور آسٹریا کی یک رنگی و یک جہتی اٹل اور لابدی نظر آتی ہے۔ کیونکہ ہمارا خون ایک ہے۔ نسل ایک ہے اور ضروریات زمانہ کے مطابق ہمارے اغراض و مقاصد اور دلی منشا ومدعا بھی ایک ہی ہیں۔

میرا یہ عقیدہ ہے۔ کہ ہم اپنے ہم نسل اور ہم وطن بھائیوں کا اس طرح سنگھٹن مضبوط کرکے جرمن نسل کی ان دونوں حکومتوں کو اتحاد و اتفاق کی مضبوط بلکہ اٹوٹ زنجیروں میں ایک مرتبہ پھر جکڑے بغیر جرمن نو آبادیوں کے متعلق کسی پالیسی کے سوال پر زبان تک ہلانے کا بھی حق ہمیں کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حالات موجودہ میں جرمنی کس اخلاقی بنیاد پر یہ خواہش ظاہر کرسکتا ہے کہ وہ کسی نو آبادی کا قبضہ حاصل کرکے اس سے اپنی ضروریات کی تکمیل کرے؟ یہ اس وقت تک ہرگز ممکن نہیں جب تک کہ تمام جرمن قوم ایک نہ ہوجائے اور اس کے دلوں میں اتفاق و اتحاد کی آگ مشتعل ہوکر ایک برادری اور قومیت کے پاک جذبات اسے کسی ایک آدرش کی طرف قدم بڑھانے کا حکم نہ دیں۔ کیونکہ ہماری برادرانہ الفت و محبت کا یہ جوش اور یہ جذبہ ہی ہماری دولت و ثروت، عظمت و جلال اور ترقی و عروج کا ایک واحد نشان ہو سکتا ہے۔ اسی لئے جرمن آسٹرین سرحد کا یہ چھوٹا سا شہر مجھے، ایک عظیم الشان مقصد کی تکمیل کا علم بردار معلوم ہوتا ہے اور

www.freepdfpost.blogspot.com

یہی وجہ ہے کہ وہاں جنم لینے کو میں نے اپنی خوش قسمتی ظاہر کیا ہے۔

بچپن میں یہ سوال اکثر میرے دل کو ایک عجیب جوش اور جذبے سے بھرپور کردیا کرتا تھا۔ کہ کیا ہم بھی دوسرے جرمنوں کی طرح بھائی بھائی ہونے کا دعویٰ نہیں رکھتے۔ جب میں اس سوال پر غور کرتا تھا۔ تب ہی میرے دل میں ایک عجیب طرح کی بے چینی اور گھبراہٹ پیدا ہوجاتی تھی۔ اور بالاخر میں اسی نتیجہ پر پہنچتا تھا کہ درحقیقت سبھی جرمن اس وقت .سمارک کے خاندان کے لوگوں کی مانند خوش قسمت اور صاحب اقبال نہیں ہوسکتے۔ جب تک کہ وہ ناقابل تقسیم طور پر گتھ کر ایک نہ ہوجائیں۔

شروع سے ہی مجھے سرکاری نوکری کے نام سے نفرت تھی۔ اور میں اس خیال تک سے کوسوں دور بھاگا کرتا تھا۔ طرح طرح کی دلیل بازی بھی میری یہ نفرت دور کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہوسکی۔ میرے والد بزرگوار ہرچند میرے بچپن اور لڑکپن کے زمانے میں سرکاری ملازمت کی تعریف کے پل باندھ باندھ کر مجھے سبز باغ دکھلایا کرتے تھے۔ کیونکہ انہیں شاید اس میں ایک خاص لطف آتا تھا۔ اور وہ بہت ہی خوش و مطمئن ہوتے اگر میں کسی سرکاری دفتر میں کسی اعلیٰ عہدے پر ممتاز ہوجاتا۔ لیکن میرے خیالات اس سے بالکل برعکس و متضاد تھے اور میں نوکری کا خیال تک بھی کبھی اپنے دل میں لانا گوارہ نہ کرسکتا تھا۔ کیونکہ یہ خیال میرے دل میں ایک نہایت ہی گہری جگہ حاصل کر چکا تھا کہ " ایک مرتبہ ملازمت کی دلدل میں پھنستے ہی وقت کی پابندی کے ساتھ دفتر میں بیٹھے بیٹھے مختلف طرح کے فارم بھرتے بھرتے ہی میری زندگی فضول گذرجائے گی۔ اور میں کچھ بھی نہ کرسکوں گا۔"

اب بھی جب کبھی میں اپنے ان خیالات پر غور کرتا ہوں تو مجھے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے میں نے دو فائدے حاصل کئے ہیں ایک تو یہ کہ حب الوطنی اور قوم پرستی کے جذبات میرے دل میں پیدا ہوسکے اور دوسرے یہ کہ تاریخ کو صحیح صحیح طور پر پڑھنے اور سمجھنے نیز اس سے ٹھیک ٹھیک نتائج اخذ کرنے کی طاقت مجھ میں رونما ہوگئی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں نے آسٹریا کی ایک سیاسی تحریک میں کچھ حصہ لیا تھا۔ ان دنوں میں سکول میں ہی پڑھا کرتا تھا میری عمر ۱۴ سال کے قریب تھی۔ سکول میں ہم نے ایک انجمن نوجوانان قائم کر رکھی تھی جو اپنے خیالات کے لحاظ سے بہت بڑھی چڑھی مانی جاتی تھی۔ اس میں ہم لوگ فہمائشوں اور سزاؤں کی مخالفت و مذمت میں

www.freepdfpost.blogspot.com

ریزولیوشن پاس کیا کرتے تھے۔ اور نہایت جوش و جذبے سے یہ گایا کرتے تھے۔

جائز مطالبات ہمارے ہیں سربسر
حاصل کریں گے ان کو ہتھیلی پر رکھ کے سر

اس طرح زندگی کے ابتدائی ایام میں ہی ہم نوجوانوں کے لئے سیاسیات زندگی کا ایک دلچسپ مشغلہ بن گیا تھا۔ اور یہ ایک ایسا انقلاب تھا۔ جو اس زمانے میں نہایت غیر معمولی سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ اس میں ایک نئی زندگی کے شعلے بھڑکتے دکھائی دیتے تھے۔ حالانکہ ان دنوں ہمارے ہم عمر لڑکے اپنی مادری زبان کی کتابوں کے سوا اور کسی بھی قومی خیال یا ملکی سوال کی طرف کچھ رغبت نہ رکھتے تھے۔ مگر میرے خیالات میری عمر کی نسبت بہت کچھ بڑھے چڑھے تھے۔ اور اس طرح میں جلد ہی ایک سرگرم اور پرجوش جرمن محب وطن بن گیا۔ لیکن ایسا نہیں۔ جیسا کہ آج کل سمجھا جاتا ہوں۔

آہستہ آہستہ میرے خیالات نشوونما پاتے رہے اور پندرہ سال کی عمر میں ہی میں حب الوطنی کی اہمیت و عظمت اور ہر دلعزیز جذبات قومی کی پاکیزگی و برتری کو بہت اچھی طرح سمجھنے لگا۔ اس لئے جو سیاسی واقعات ان دنوں میں آئے دن ہماری نظروں کے سامنے رونما ہوتے تھے۔ انہوں نے ہیبسبرگ خاندان کے دور حکومت کے متعلق ہماری واقفیت اور خیالات کو اور بھی پختہ و مضبوط کردیا تھا۔ اور ہم یہ سمجھنے لگے کہ شمال و جنوب میں اغیار کا اثر ہماری قومی عظمت و اہمیت کو روز بروز کس طرح کم کر رہا ہے۔؟ اور کس طرح حکومت کی طرف ویانا جیسے شہر کو بھی ایک جرمن شہر کہنے میں اعتراض کیا جاتا ہے۔ اور مبالغہ آرائی سمجھا جاتا ہے۔ جہاں کے شاہی محلات میں پردیسیوں کا بول بالا ہے۔ انسانیت کے پردے میں جورو ظلم کو خدائی قہر کے طور پر نازل کیا جا رہا ہے۔ نیز ہر طرح کے جورو ستم کی حمایت سے جرمن قوم پرستی کے جذبات کچلنے اور ہماری غلامی کی زنجیریں مضبوط کرنے کے لئے جرمن قوم پرستوں کے سب سے بڑے دشمن آرچ ڈیوک فرڈی نینڈ کو اس کی حوصلہ افزائی کرکے آگے بڑھایا جا رہا ہے۔

یہ سب جبر و تشدد ہی آخر فرڈی نینڈ کے لئے ہلاک کن ثابت ہوا کیونکہ وہی اس نفرت انگیز تحریک کا سب سے بڑا محافظ اور حمایتی تھا۔ جو جرمن قوم پرستوں کے پاک دلوں میں غلامی کا بیج بونے اور اسے نشوونما دینے کے لئے ملک میں جاری کی گئی تھی۔ لیکن سچے دیش بھگتوں نے شروع سے ہی یہ گیت گا گا کر کہ

www.freepdfpost.blogspot.com

دنیا میں ہے پاپ غلامی

ہر خاص و عام کو اس قابل نفرت اور مذمت تحریک کے زہریلے اثرات سے آگاہ کردیا تھا۔ اس لئے اس وقت کے لوگ نوجوان جرمن حکومت اور بدنصیب آسٹریا کے بین الاقوامی تعلقات کو مدنظر رکھ کر مستقبل قریب میں ہی ایک عالمگیر جنگ کے خوف سے تھرتھر کانپ رہے تھے۔

اپنی اس آپ بیتی کے سلسلے میں آئندہ مجھے ان سب واقعات پر کچھ زیادہ روشنی ڈالنے کی ضرورت پڑے گی۔ اس لئے یہاں میں صرف اتنا ہی بیان کردینا مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ اپنی اس نوجوانی کی عمر میں ہی یہ حقیقت میرے شیشہ دل میں نقش ہوگئی تھی کہ جرمن قوم کی حفاظت کے لئے آسٹرین حکومت کا زوال لازمی و لابدی ہے۔ کیونکہ ہماری قوم پرستی اور حب الوطنی کے جذبات ہرگز ہرگز حکومت پرستی کے حامی اور فرمانبردار نہیں ہوسکتے۔ اور میں یہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ کہ ہیپسبرگ خاندان جو آسٹریا پر حکمراں ہے۔ اس کا منشاء و مدعا جرمن قوم کی ہستی و عظمت کو ملیا میٹ کرنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

اگرچہ یہ خیالات بچپن سے ہی میرے دماغ کو بہت پریشان اور مضطرب کر رہے تھے۔ لیکن جوانی کے ساتھ ہی ساتھ خوفناک جبر و تشدد اور ظلم و ستم کے جو لرزہ خیز مناظر میری نظروں کے سامنے آنے شروع ہوئے۔ وہ رفتہ رفتہ متذکرہ بالا خیالات کو عملی صورت اختیار کرنے کے لئے بھی مجبور کرتے گئے۔ اور اسی زمانے سے یہ خیال میری زندگی کا ایک واحد مقصد بن گیا کہ اپنی جرمن آسٹرین ماتری بھومی کی سیوا کرتے کرتے موجودہ آسٹرین حکومت کا جلد سے جلد خاتمہ کرنا چاہئے۔"

لیکن ہمارے خاندان کی مالی حالت بہت خراب تھی۔ اس لئے بدقسمتی سے پیٹ بھرنے اور کمانے کا سوال بھی نہایت بے وقت میرے سامنے آکھڑا ہوا۔ اگرچہ یہ خیال کبھی خواب میں بھی میرے دل میں نہ گذرا تھا کہ یہ بلائے ناگہانی اتنی جلدی میرے سر پر آنازل ہوگی۔ اور والد بزرگوار کا سایہ عاطفت تو پہلے ہی سر سے اٹھ چکا تھا۔ والدہ کو بھی جلد ہی فرشتہ اجل نے آگھیرے گا۔ اس طرح یتیم رہ جانے پر سرکار کی طرف سے جو پنشن ہمارے لئے منظور ہوئی۔ وہ چونکہ خاندان بھر کی باعزت پرورش اور گذر بسر کے لئے کافی نہ تھی۔ اس لئے یہ محض قدرتی تھا کہ میں حالات سے مجبور ہوکر تلاش روزگار میں وطن سے باہر نکلوں۔ چنانچہ بالآخر میں اپنے مستقبل کے متعلق گوناگوں حوصلہ افزا امیدوں کو پہلو میں لئے

www.freepdfpost.blogspot.com

اور طرح طرح کے دل پسند خواب دیکھتا ہوا مختلف قسم کے کپڑوں (کٹ پیس) کی ایک چھوٹی سی گٹھڑی اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے ویانا کی طرف روانہ ہوا۔ کیونکہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں بھی اپنے والد بزرگوار کی مانند اپنے کاروبار میں ہی سب سے پہلے اپنی قسمت آزمائی کروں۔ کیونکہ میں کچھ بننا چاہتا تھا اور میری خواہش دنیا میں کچھ کام کر دکھانے کی تھی۔ لیکن سرکاری ملازمت کے ذریعہ کسی حالت میں نہیں۔

www.freepdfpost.blogspot.com

ویانا میں

جب میں ویانا پہنچا تو وہاں کے جاہ پسند سرمایہ پرستوں اور ان کے جبر و تشدد کے شکار مفلس ونادار جفاکش و محنت پیشہ مزدوروں میں ایک زبردست کشمکش جاری تھی۔ شہر کا مرکزی حصہ جو ڈھائی کروڑ باشندگان ملک کی قسمتوں کا مالک و مختار ہونے کا دعویٰ دار تھا۔ اپنی پر رعب شان اور ہمت خیز جذبے و دبدبے کا اظہار کرتا ہوا کبھی نہ تھکتا تھا۔ مگر اس عالمگیر بیداری اور عام انقلاب کے زمانہ میں ان کی اس کوشش کو عام خاص طبقات میں ایک فضول اور بے سود کشیدگی و مغائرت پیدا کرنے والی لغو و بیہودہ باتوں کے سوا اور کچھ بھی نہ سمجھا جاتا تھا۔ اسی حصے میں نام نہاد عدالتیں واقع تھیں۔ جو اپنے عدل اور انصاف سے نہیں بلکہ محض اپنی سربفلک عمارتوں کی بے معنی نمائش میں مصروف نظر آتی تھیں اور حکمران خاندان ہیپسبرگ کی دو رنگی چالوں کی تائید و تصدیق سے عوام کو اس کی سرپرستی کا مداح و خیر اندیش بنانے و بے اثر کوششوں سے گھر پھونک کر تماشہ دیکھنے کی مشہور عالم ضرب المثل کا عملی نقشہ دنیا کے سامنے پیش کر رہی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ یہ تمام باتیں عوام پر ان کی تنظیم اور سنگھٹن کی زبردست ضرورت کو اور بھی نمایاں کرکے ان کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی اسی لئے پایہ تخت آسٹریا کے ایوان حکومت نیز اس کے افسروں اور ماتحت کارکنوں کے حلقوں میں اس سے ایک عجیب سراسیمگی و پریشانی سی پیدا ہو رہی تھی۔

ویانا ۔ اگر اپنی سیاسی اہمیت و عظمت کے لحاظ سے نہیں۔ تو حکومتی شان و شوکت اور دھوم دھام کے نقطہ خیال سے تو ضرور ہی ساحل ڈینیوب کی اس شاہی حکومت کا مرکزی مقام تھا۔ ساتھ ہی اس کے خاندان شاہی کے اور بے شمار اعلیٰ اور ماتحت افسران و کارکنان حکومت نیز جاہ پرست سرمایہ داروں ' فاضل اجل علماء اور ماہرین فن کے پہلو بہ پہلو افلاس تنگدستی اور فاقہ مستی کے لاتعداد شکار یعنی محنتی و جفاکش مزدوروں اور دیگر غریب و غربا کا مسکن بھی وہیں تھا۔ اس لئے ان ایام میں جبکہ میں ویانا پہنچا۔ وہاں کے سرمایہ داروں اور

www.freepdfpost.blogspot.com

مزدوروں کے درمیان ایک زبردست کشمکش اور جدوجہد جاری تھی۔ جس میں غریب و بیکس ظلم و جور کی چکی میں پسے جارہے تھے۔ اور سرمایہ پرست اور ان کے خیر اندیشوں کا بول بالا تھا۔

ہزاروں بے کار و بے روزگار طرح طرح کے الزامات لگا کر رنگرٹراسی کے شاہی محلات کے ارد گرد بے قصور پھانسی پر لٹکائے جاچکے تھے۔ اور ہزاروں خانہ بدوش بے گھر، بے در خاندان کال کوٹھری سے بھی زیادہ خوفناک اور بدتر مکانوں میں پراز مصیبت زندگی کے دن بسر کرنے پر مجبور تھے۔ روز بروز بے کاری بڑھتی جا رہی تھی اور آئے دن سینکڑوں بلکہ ہزاروں مرد عورت بے کار بے روزگار ہوتے جاتے تھے۔ ہزاروں گھروں میں صرف ایک ہی وقت کھانا پکتا تھا۔ اور سینکڑوں بدنصیبوں کو تو برابر تین تین دن تک فاقہ کشی کرتے رہنے کی نوبت آجاتی تھی۔ غرضیکہ اس طرح تمام شہر ہی نہیں بلکہ تمام ملک میں دور و نزدیک ایک بے چینی و اضطراب کی فضا پھیل رہی تھی اور اس کا مرکز ویانا بن رہا تھا۔

یہ شان تھی۔ اس وقت آسٹریا کے شاہی خاندان ہیپسبرگ کی حکومت کی۔ اور اس طرح اس کے ظلم و ستم، جورو تشدد کا ہر طرف ننگا ناچ ہورہا تھا۔ مگر نشہ حکومت سے سرشار حکمرانوں اور اس کے ماتحت افسروں اور کارکنوں کو اتنے پر بھی صبر نہ تھا۔ اور وہ اس جبر و تعدی کو بھی کافی نہ سمجھتے تھے۔ ان کا پتھر سے بھی زیادہ سخت اور بے رحم دل ابھی بے کس عوام کی حالت اس سے بھی کچھ بڑھ چڑھ کر بدرجہا بدتر وناگفتہ بہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اور نکتہ رس شاعر کی پر از صداقت نصیحت کو بالکل بھول بیٹھا تھا کہ ؎

بہ ترس از آہ مظلوماں کو ہنگام دعا کردن
اجابت از درحق بہر استقبال مے آید

جرمنی اور آسٹریا کی مجلسی حالت کا علم کسی اور شہر کی نسبت ویانا میں زیادہ اچھی طرح ہوسکتا تھا۔ کیونکہ کسی سانپ کے زہر کی تیزی کا علم صرف اسی وقت ہوسکتا ہے۔ جبکہ وہ کسی کو ڈنگ مار دے۔ اس سے پہلے کبھی نہیں اسی طرح مجھے بھی اسی مجلسی و انقلابی زہر کی تیزی کا علم جو کہ عوام کی رگ رگ اور نس نس میں سرایت کر چکا تھا اس وقت ہوا جب کہ ویانا میں پہنچ کر میدان عمل میں کام کرنے لگا۔ ممکن ہے کہ کسی اور کی نظر میں عوام کی وہ حالت کچھ زیادہ خراب نہ ہو۔ لیکن میں تو اسے خرابی سے خالی نہ سمجھتا تھا۔ وہ محض نمائشی ہونے کے باعث ایک غلط خیال واندازہ پیدا کرنے والی تھی۔اس لئے اسے زبانی

www.freepdfpost.blogspot.com

لپاپی اور بکواس کے سوا کچھ اور نہ کہا جاسکتا تھا کیونکہ نمائشی اصولوں سے عوام کے کسی بھی مطالبے کا پورا ہونا ممکن نہیں۔ خواہ وہ مطالبہ کتنا ہی اہم اور کیسا ہی زبردست کیوں نہ ہو۔ اسی طرح جھوٹے وہم سے پرخیالات بھی کبھی عوام کی حالت میں کوئی بہتری پیدا نہیں کرسکتے۔ خواہ ان کے اظہار میں کسی بھی فصاحت و بلاغ سے کیوں نہ کام لیا جائے۔

اس سلسلے میں ان سرمایہ پرستوں کا نقشہ میری نظروں کے سامنے کھینچ جاتا تھا۔ جو غریب فاقہ کش مزدوروں کے ساتھ اپنی نمائشی ہمدردی کے اظہار میں کبھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔ یہی حال فیشن ایبل عورتوں کا تھا۔ جو زبانی طور پر کہنے کے لئے اصلاح اور سدھار کا ہر طریق اور راستہ بتلانے اور دکھلانے کو ہمیشہ تیار رہتی ہیں۔ لیکن عملی طور پر کوئی کام کرنے کا وقت جب کبھی بھی سامنے آتا ہے تو ان کی نانی مرجاتی ہے۔ مگر ایسے سبھی لوگ کسی لاعلمی اور بھول سے ہی اس پوشیدہ گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ جان بوجھ کر اپنی جان اور کھال بچاتے ہوئے اس کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور دوسروں کو ہمیشہ یہی کہتے رہتے ہیں کہ۔

چڑھ جا بچہ سولی ۔ رب بھلی کریں گے!

یہی وجہ ہے کہ ان کی اس نام نہاد ملکی خدمت کا نتیجہ ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ عوام کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت و حقارت کا ایک نہایت زبردست جذبہ پیدا ہوجاتا ہے اور وہ خود بھی اپنی اس پرفریب قومی خدمت کا یہ انجام دیکھ کر حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنے کی بجائے وہ کمال ہٹ دھرمی اور ڈھیٹ پن سے عوام کو حق شناس اور احسان فراموش کہتے ہوئے کبھی نہیں شرماتے۔

ایسے برخود غلط حضرات ملکی و قومی خدمت کی اندرونی عظمت و اہمیت کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے میں ان پر یہ ظاہر کردینا چاہتا ہوں کہ کسی بھی قومی خدمت کو صرف شاباش و آفرین اور مرحبا و زندہ باد کے نعرے سننے یا کسی اور ذاتی فائدے کی خواہش سے کبھی سر انجام نہیں دینا چاہئے بلکہ محض اپنا انسانی اور قومی فرض خیال کرکے خالص بے غرضانہ طور پر پورا کرنا مناسب ہے۔ تاکہ بقول شخصے

ہارے جیتے آئے نہ لاج
بگڑے بھی سدھریں سب کاج

www.freepdfpost.blogspot.com

ہمیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ مجلسی و ملکی مطالبات کے لئے اپنی آواز بلند سے بلند درجے تک اٹھانا ہمارا پیدائشی حق ہے اور اس کیلئے ہمیں کبھی کسی سے عنایت و نوازش کی بھیک نہیں مانگنی چاہئے کیونکہ اس سے بڑھ کر ذلیل گراوٹ اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

ویانا میں آکر میں نے یہ محسوس کیا کہ حالات موجودہ میں عوام کو کسی ایسے موزوں و مناسب طریق عمل کی پیروی کرنی چاہئے جو ہر پہلو اور ہر منطقی دلیل سے مکمل و بے عیب ثابت ہو سکے اور یہ طریق عمل یہی ہوسکتا ہے کہ ہر شخص اپنی ذاتی و مجلسی ترقی کے لئے اپنے آپ کو تمام جماعتی و مجلسی رسوم و رواجوں میں مناسب تبدیلی و اصلاح کے لئے ذاتی طور پر ذمہ دار و جواب دہ خیال کرے اور ان تمام موجودہ مجلسی و جماعتی بیماریوں کو بیخ وبنیاد سے اکھاڑ پھینکنا ہی اپنا فرض اولین سمجھے جو قوم کو طرح طرح سے کمزور کر رہی ہیں کیونکہ جسطرح مادر قدرت ہمیشہ نئی دنیا پیدا کرنے سے پہلی یہ ضروری سمجھتی ہے کہ پہلی تمام خلقت کو تباہ و برباد کرکے اس کا نام و نشان تک مٹا دیا جائے۔ اسی طرح ہمیں بھی حیات انسانی کے ان ۹۹ فیصد عیوب و کمزوریوں کو بالکل ہی خاتمہ کردینا چاہئے جن کا علاج بادی النظر میں محال ہی نہیں رہا بلکہ ناممکن سا دکھائی دیتا ہے تبھی ہماری آئندہ ترقی اور نئی زندگی کے لئے نئے حیات افروز خیالات کی پیدائش و نشوونما ممکن ہے۔ ورنہ اس کی کوئی بھی امید نہیں ہوسکتی۔

ویانا میں اپنے اس قیام کے دوران میں ہی مجھے معلوم ہوگیا کہ حقیقی بے غرض اور سچے کارکنوں کی ملک میں کتنی کمی ہے۔ نیز ان کی صادقانہ اور بے لوث خدمات ہی ملک کی اقتصادی اور اخلاقی زندگی میں حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا کرسکتی ہیں۔ اسلئے میں جان و دل سے ایسے سچے اور بے غرض کارکنوں کی تلاش میں مصروف ہوگیا۔ اور ملک و قوم کو آئندہ خوفناک و تباہ کن غلطیوں اور مشکلات سے محفوظ رکھنے کے مختلف طریقے سوچنے لگا۔

آسٹریا کی حکمران جماعت اور اس وقت تمام مجلسی و جماعتی اصلاحات کے اصولوں کی طرف سے لاپروائی اور غفلت شعاری کا اظہار ہی اپنے لئے نہایت مفید اور ضروری خیال کر رہی تھی۔ لیکن بے زبان و بیکس فاقہ کش مزدوروں کی مالی خستہ حالی ان کی روحانی اور اخلاقی طاقتوں کا روز افزوں زوال اور اپنی موجودہ قومی مجلسی گراوٹ سے ان کی بے حسی بلکہ عملی موت کا یہ خوفناک منظر میرے بے قرار و مضطرب دل کو خوفزدہ کرنے اور ہلا دینے کے لئے بہت کافی تھا۔ کیونکہ جب غیروں کی جھوٹی ہڈیوں پر بھوکے کتے کی طرح لڑنے اور

www.freepdfpost.blogspot.com

جھگڑے والے یہ بے غیرت انسان اپنے آپ کو جرمن ظاہر کرتے ہوئے بھی خوف زدہ ہو کر تھر تھر کانپنے لگتے تھے۔ تو میرے دل کو ناقابل بیان صدمہ پہنچا تھا۔ اور میں یہ سوچا کرتا تھا کہ خدا جانے ان کی قومی غیرت کا احساس کہاں غائب ہو گیا ہے؟ کیا ان کے پیٹ کے کتوں کی غلامی سے ہم کچھ سبق نہیں سیکھ سکتے؟ کیا ان کی یہ مردوں سے بدتر حالت بھی ہماری قومی زندگی کے احساس کو بیدار کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکے گی؟

میرا خیال ہی نہیں بلکہ گہرا اور پختہ یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن مستقبل قریب میں ہی سب مذکورہ بالا قابل افسوس اور موجب شرم حالات ہمارے جذبات قوم پرستی اور حب الوطنی کو ایک نئی زندگی اور تازہ قوت حیات بخشنے والے ثابت ہوں گے۔ اور روز بروز اسے تیز سے تیز کرتے جائیں گے۔

ہم میں سے بہت سے اصحاب اوپر لکھے خیالات کی برائی بھلائی کی جانچ پڑتال کے چکر میں ہی اکثر پھنستے رہتے تھے۔ یہ تو وہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ ہماری مادر وطن کی اہمیت و عظمت ہمیشہ برحق و قابل فخر ہے۔ اور اپنی زندہ جاوید تہذیب و قدیم روایات پر ناز کرتے رہنے سے ہی ہمارا سر دنیا بھر میں اونچا رہ سکتا ہے۔ اور یہی ہماری سچی عزت و عظمت کا واحد نشان ہے لیکن کیا ہم اسے سمجھنے اور محسوس کرنے کے لئے بھی کبھی کوشش کرتے ہیں۔؟ میرا یہ تو ہمیشہ عقیدہ رہا ہے کہ جس دن بھی ہمیں اپنی اس قدیم عظمت و اہمیت کو یاد کرنے کا کچھ موقع ملے گا۔ اسی دن ہمارا دل قومی فخر و ناز سے بھر کر پھول اٹھے گا۔ اور اس کا صریح نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے خوابیدہ جذبات اور خفتہ خیالات ایک مرتبہ پھر بیدار ہوجائیں گے۔ اور ہمیں اپنا میدان عمل صاف طور پر سامنے پھیلا ہوا دکھائی دینے لگے گا۔

ایسے موقعوں پر ہمیشہ مجھے ایک نیا احساس ہوا کرتا تھا۔ وہ یہ کہ عوام کے دلوں میں آزادی حاصل کرنے کی خواہش پھونکنا ہی ان کی حقیقی تعلیم اور اس کی سچی ترقی ہے۔ اور اس کی افزائش و ایزدی ہی آزادی کی حفاظت اور برقراری کا ایک واحد ذریعہ ہے کیونکہ تعلیم و تربیت سے ہی ہر شخص اپنی سیاسی اہمیت تمدنی عظمت اور اپنی قدیم تہذیب اور تمدن کی شاہ و بزرگی کو پوری طرح سمجھ سکتا ہے۔ اور یہ علم ہی اس کے دل کو قومی غیرت و خودداری کے فخر و احساس سے بھرپور کرسکتا ہے۔ اور وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں اسی کی حمایت میں سینہ سپر اور سربکف ہوکر جنگ و جدل کرسکتا ہوں۔ جس سے کہ مجھے سچی محبت و الفت ہے۔ اور جس پر کہ میری سچی عقیدت اور شردھا ہے۔ مگر مجھے شردھا اور بھگتی

www.freepdfpost.blogspot.com

عقیدت و اعتماد بھی اسی پر ہوتا ہے جس کا مجھے حقیقی علم اور سچا گیان ہو۔ بغیر اس کے میری سب عقیدت، شردھا، وشواس، محبت، الفت جو کچھ بھی ہے اندھی جہالت و حماقت کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ اس لئے اس میں کبھی پائیداری پختگی اور مضبوطی پیدا نہیں ہوسکتی۔

اس لئے مجلسی معاملات کے متعلق میں اور بھی زیادہ محتاط ہوگیا۔ اور اب انہیں خوب سمجھ بوجھ کر ہی میں ان کے بارے میں کوئی آواز بلند کیا کرتا تھا۔ کیونکہ میں اچھی طرح جاننے لگا تھا کہ پبلک امور میں جلد باز اور نادانی سے کام لے کر سوائے بدنامی اور شرمندگی کے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

۱۰۔۱۹۰۹ء میں اپنی مالی حالت کو میں نے اتنا سدھار لیا کہ مجھے اپنے کام میں کسی سے بھی کسی طرح کی مدد حاصل کرنے کی ضرورت نہ رہی۔ اور میں کامل آزادی کے ساتھ مصوری کرنے لگا۔ رعایا کا ایک بہت بڑا اور زبردست حصہ اس زمانہ کی حکومتی خرابیوں کی سختی سے مخالفت کر رہا تھا۔ وہ اس کمزور اور بے اثر حکومت کے طریق کار سے غیر مطمئن تھے۔ جس طرح کوئی نوجوان عورت ایک مضبوط و تندرست اور خوش مزاج نوجوان کے مقابلے میں کسی کمزور و دبلے پتلے اور چڑچڑے مزاج والے شخص کو کبھی پسند نہیں کرسکتی۔ ویسے ہی رعایا بھی کسی نکمے، کمزور اور بے رعب حکمراں کو مخصوص اس لئے پسند نہیں کرسکتی تھی۔ کہ قسمت نے اسے تاج و تخت کا مالک بنا دیا ہے یا کسی ذمہ دار عہدے پر متمکن کردیا ہے۔ کیونکہ عوام کی دلی خواہش یہ تھی کہ ملک میں ایسی جمہوری حکومت قائم کی جائے جو اندرونی رقابت اور خانہ جنگیوں سے بالکل پاک و صاف رہے۔ اس میں شک نہیں کہ ابھی تک لوگوں کو اپنی آزادی اور حریت کے پاکیزہ جذبات کی توہین کا پورا پورا احساس بھی نہ تھا اور بالکل یہی حالت ان کی اخلاقی اور روحانی احساس کی تھی یعنی نہ تو ابھی انہیں اپنی عزت یا بے عزتی کا ہی کچھ خاص خیال تھا اور نہ وہ اس زمانے کی غلط اور پرفریب تعلیم کے نقصانات سے ہی آگاہ تھے اس لئے ایسے حالات میں بیداری اور احساس کا پیدا ہونا ہی انقلاب کا پیش خیمہ خیال کیا جاسکتا ہے اس لئے وہ بزدل اور بے رحم طاقتیں بھی جو عوام کے اس احساس کو کچل کر ان کی بیداری کو پھر خواب غفلت میں تبدیل نہیں کرسکتی تھی۔ خوف زدہ نگاہوں اور گھبرائے ہوئے دل سے ان سب تبدیلیوں کو چپ چاپ دیکھا کرتی تھیں۔ انہیں چوں تک کرنے کی بھی جرات نہیں ہوسکتی تھی آخرش عوام

www.freepdfpost.blogspot.com

کی خواہش کے سامنے سرجھکائے بغیر ان کے لئے اور کوئی چارہ بھی نہ رہ جاتا تھا اور اس طرح ان کی تمام بے جا و نازیبا مخالفتوں کے باوجود بھی قوم پرستی اور حب الوطنی کے سچے اصول آہستہ آہستہ فتح یاب ہوتے جا رہے تھے۔

جمہوری حکومت کے ان اصولوں کی اس صداقت اور خفیہ طاقت کا راز مجھے پہلے ہی سے اچھی طرح معلوم تھا۔ اور اسی لئے میں نے کامل بے خوفی اور سچی لگن کے ساتھ ان کا پرچار کیا کرتا تھا۔ اگرچہ اس تحریک آزادی کے دوسرے رہنما بھی ان مذکورہ بالا باتوں سے کافی طور پر واقف تھے۔ مگر پھر بھی انہیں حد درجہ محتاط رہنا پڑتا تھا اور اس زمانے کے طریق حکومت کی خرابیوں نے ملک میں کچھ ایسی فضا پیدا کردی تھی کہ ان کی تمام کوششوں کا انجام بالاخر نقصان دہ اور مضرت بخش ہی ہونا تھا۔ اور کم فہم و نادان عوام پر اس کا یہ اثر پڑتا تھا کہ وہ بھی اپنے رہنماؤں کی دلی کمزوریوں اور ان کی غلط کاریوں کے باعث ان کے خلاف ہوتے جاتے تھے اور ان کی خوشامد پسندی کا مذاق اڑایا کرتے تھے اسی طریق عمل سے ان کی ہر ایک تحریک کے علاوہ ان کی اپنی ہستی بھی ہمیشہ خطرہ میں رہتی تھی اور ان کے مخالف حکام ہمیشہ ان کے مقابلے میں چوکنے اور کمربستہ پائے جاتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ بظاہر ان کا یہ طریق کار پر امن اور عوام کی حفاظت کے لئے مفید معلوم ہوتا تھا لیکن پھر بھی اس کی بدولت آہستہ آہستہ حکومت کی طاقت بڑھتی جاتی تھی اور اس کے ہاتھ مضبوط ہوتے جا رہے تھے کیونکہ ہر طرح کے ظلم و ستم اور جبر و تشدد کی دو صورتیں ہوا کرتی ہیں ایک تو کھلم کھلا من مانی۔ ننگ دھڑنگ' بے پردہ بغیر کسی لاگ لپیٹ کے دوسرا بظاہر نرمی ' ہمدردی' مہربانی اور مروت کے نمائشی پردے میں پوشیدہ جس کے پس پردہ ہمیشہ چھری' کٹار' تیغ' تبر' پستول اور بندوق خفیہ طور پر استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ ضرب المثل مشہور ہے کہ

منہ میں رام رام بغل میں چھری

چنانچہ اس زمانہ میں بھی جب کا میں حال قلمبند کر رہا ہوں اس آخری طریقہ کار پر ہی عمل ہو رہا تھا۔ در حقیقت ایسا ہوتا بھی اس وقت ہے جبکہ عوام کی توجہ حصول آزادی کی جدوجہد کے علاوہ دوسری باتوں کی طرف ہوتی ہے۔ اور انہیں اپنی عزت و بے عزتی کا کچھ بھی خیال نہیں ہوتا۔ اس وقت حکام کی یہ سب چالیں عوام کی اپنی کمزوری کے باعث ان کی نظروں سے چھپی رہتی ہیں ورنہ ان سے بھی وہ بہت گہرا سبق حاصل کرکے اپنے

www.freepdfpost.blogspot.com

مخالفوں کی ترکی بہ ترکی بلکہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی طاقت بہ آسانی حاصل کرسکتے ہیں۔

غرضیکہ حکومت کی طرف سے دوکانوں' کارخانوں ' سبھاؤں' جلسوں اور عام جلوسوں میں "امن عامہ" کی حفاظت کے نام پر اپنی فوجی اور حیوانی طاقت کا برابر اظہار کیا جارہا تھا اور اس کی حقیقی وجہ یہ تھی کہ وہ عوام کی اس روز افزوں طاقت اور مخالفانہ تحریک سے خوف زدہ ہوتے جارہے تھے گو اس میں بھی شک نہیں کہ اپنے روحانی افلاح و کمزوری کے باعث بہت سے قومی کارکن بھی نام نہاد نمائشی جمہوری طریق حکومت کے جال میں پھنس کر اس کی حکمراں ملک کی مدد کے لئے نام نہاد ہوجاتے تھے۔ کیونکہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے۔ کہ ایسے حضرات صرف حکمرانوں کی زبان سے شاباش آفریں وغیرہ چند حوصلہ افزاء الفاظ سن کر بغیر کسی خاص فائدے یا امید کے عوام کے مبنی پر انصاف مطالبات کی تکمیل کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کرنے کا باعث بن جاتے ہیں۔ جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ بے وقوف اپنی حماقت اور کمزوری کی بدولت عوام کی نظروں سے گر جاتے ہیں اور ان کا اعتبار و اعتماد ہمیشہ کے لئے خاک میں مل جاتا ہے۔ بالکل ایسی حالت ہمارے بھی چند کارکنوں کی ہوئی جنہیں کہ آخر کار ہم نے اپنی ٹریڈ یونین کانگریس سے نکال دیا۔

میں بیس سال کی عمر میں ٹریڈ یونین کا ایک سرگرم کارکن مانا جانے لگا۔ اور یہ دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس زمانے میں ٹریڈ یونین ہی ایک سیاسی **سنستھا** تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ عوام کے قومی مطالبات کو پورا کرنے کے لئے ملک بھر میں اس کے **سنگٹھن** اور تنظیم کا بیج بویا جائے چنانچہ حکام بھی بہت ہی جلد اس **سنستھا** کی عظمت و اہمیت کو پہچان کر اس سے خوف کھانے لگے تھے۔ کیونکہ ہماری یہ مزدور تحریک اگرچہ بلا شک و شبہ ان کی من مانی حکومت کے لئے بربادی بخش تھی۔ لیکن وہ خوشامد پسندی جی حضوری حکومت کے پٹھو اس کی اہمیت و طاقت کو نہیں پہچان سکے۔ اور اسی لئے وہ اپنی تمام سیاسی طاقت و عزت کو ہمیشہ کے لئے کھو بیٹھے کیونکہ حقیقتاً" انہیں ایجی ٹیشن کی صداقت و طاقت میں کبھی بھی اعتماد نہ تھا نہ وہ اسے عوام کے لئے فائدہ بخش سمجھتے تھے اور سمجھتے بھی کیسے ؟ وہ تو نہ دل سے سرمایہ پرستی کے معتقد اور اسی کی پوجا کرنے والے تھے۔ مگر ان کا یہ خیال سراسر غلط تھا اور دور اندیشی و معاملہ فہمی کبھی ان کے پاس تک بھی نہ پھٹکنے پائی تھی اور ان کا یہ عقیدہ بھی بالکل باطل و بے بنیاد تھا کہ " ٹریڈ یونین کانگریس کے ذریعہ جو

www.freepdfpost.blogspot.com

سوشلزم کا پرچار ہو رہا ہے وہ مادر وطن جرمنی کے لئے نقصان دہ اور تباہی خیز ہوگا۔"

کیونکہ جب ٹریڈ یونین خود ملک و قوم کی پشت و پناہ۔ جفاکش مزدوری پیشہ جماعت کے مطالبات کی تکمیل کے لئے جدوجہد کر رہی تھی۔ تو اس سے ملک یا قوم کو کسی طرح کا بھی کوئی نقصان پہنچنے کا کیا اندیشہ ہوسکتا تھا؟ میری یہ سمجھ میں نہ آسکتا تھا کہ ہماری یہ کوششیں حب الوطنی اور قوم پرستی کے خلاف کس طرح کی جاسکتی تھیں؟ میری رائے میں تو عام قومی بیداری کا یہی ایک واحد ذریعہ تھا کیونکہ ماں بھی کبھی کسی بچے کو بغیر روئے یا مانگے دودھ نہیں پلاتی۔ پھر یہ تو جھگڑا ہی لوٹ کھسوٹ کرنے والے ظالموں جفاکاروں اور بے زبان لوٹے کھسوٹے جانے والے مظلوموں نیز کمال بے رحمی و بے دردی سے دوسروں کا خون چوسانے والوں کے درمیان تھا۔ ایسی حالت میں اگر کوئی کمزور شخص کسی طاقت ور اور زبردست کے جور و ظلم سے تنگ آکر اس کے مقابلے میں سر اٹھاتا ہے یا اس کے خلاف کچھ نالہ یا فریاد کرتا ہے تو اس میں بے جا ناروا ہی کیا ہے؟ کیونکہ اب وہ وقت آیا ہے جبکہ ہر ایک شخص کیا امیر کیا غریب کیا راجہ کیا پرجا۔ ہر ایک ہی اپنے حق کی حفاظت کے لئے لڑنے مرنے کو سربکف ہے اسی لئے ہماری یہ تحریک بھی اس زمانے میں ایک اہم و عظیم تحریک بن گئی تھی اور تمام قومی و ملکی مجلسی و جماعتی خرابیوں کی حقیقی اور اصلی صورت عوام کے سامنے ننگی دھڑنگی پیش کرکے اور انہیں بیخ و بنیاد سے اکھاڑ پھینکنے کے حق میں اپنی پرزور آواز بلند کرکے اس نے بلاشک و شبہ جرمن قوم کو بے حد و بے اندازہ فائدہ پہنچایا تھا۔

جہاں تک مالک و ملازم کے حقوق و فرائض کا تعلق ہے۔ اسے پیش نظر رکھ کر ہر ایک سرکاری افسر و ملازم کا یہ فرض منصبی ہی نہیں بلکہ پرماتما کی طرف سے قائم کردہ حق و ایمان ہے کہ وہ ہر ایک خدمت میں محض اپنے ذاتی مفاد و بہتری کو ہی مدنظر نہ رکھے بلکہ صرف قومی و ملکی بہتری و بہبودی کے خیال سے ہی اسے سرانجام دے اور کسی خاص ہستی کے خواہ وہ کتنی ہی سربلند و زبردست کیوں نہ ہو فوائد یا خوشنودی مزاج کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف عام باشندگان ملک کے مفاد کو ہی اپنے دھیان میں رکھے اور یہ خیال کبھی اپنے دل سے دور نہ ہونے دے کہ یہ خود غرض و مطلب پرست سرمایہ دارانہ کبھی کسی کے ہوئے ہیں اور نہ کبھی ہوں گے۔

اور عوام کی بہتری اور بہبودی کے خلاف نقصان دہ اور قابل مذمت خیالات کا پرچار

www.freepdfpost.blogspot.com

کبھی رعایا کے صبر و تحمل کا پیمانہ لبریز کرکے اس کے جذبات میں ایک طوفان پیدا کردیتا ہے اور افسران و کارکنان حکومت بے چینی اور اضطراب کی کچھ پرواہ نہ کرکے ہمیشہ اپنی من مانی کرنا چاہتے ہیں تو ایسی حالت میں ہمیشہ ہی زبردست اور غالب فریق کو فتح ہوا کرتی ہے ار کمزور ہی پیسا جاتا ہے ساتھ ہی اس کے یہ بھی صریح و صاف ہے کہ اگر ایسے موقعہ پر جو کوئی بھی محض اپنے پیسوں کے گھمنڈ میں محنت کش مزدوروں اور ان کی زبردست مجموعی طاقت کو نظر انداز کرتا ہے یا حقیر و ذلیل سمجھتا ہے۔ وہ ہمیشہ منہ کی کھاتا ہے اور آخرش اسے اپنے مغرور سر کو جھکائے بغیر اور کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ کیونکہ اتحاد و اتفاق میں ایک زبردست اور ناقابل مغلوب طاقت پوشیدہ ہے جس کے سامنے کسی بھی سرکش و جفاکار کی نہ کبھی کچھ چلی ہے اور نہ زمانہ مستقبل میں ہی کبھی کچھ چل سکے گی۔

اس لئے چند سالوں میں ہی اس نمائشی اور نام نہاد جمہوری حکومت کی غلط کاریوں اور خود پرستیوں کی بدولت ہماری ٹریڈ یونین تحریک آہستہ آہستہ چمک اٹھی کیونکہ ملک کی مالی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی تھی اور حکمرانوں کی لاکھ لاکھ کوششوں کے باوجود بھی کسی طرح سدھارے نہ سدھرتی تھی۔ ایسے حالات میں اکثر حکمران جماعت کی اقتصادی حالت بھی نازک ہوجایا کرتی ہے اور وہ گھبرا کر اپنا سیدھا اور سچا راستہ بھول جایا کرتی ہے جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ امیری اور غریبی کے درمیان رشوت ستانی کا بازار گرم ہوجاتا ہے۔ اور اپنے چند اعلیٰ لیڈروں اور رہنماؤں کی خود غرضیوں اور خود پرستیوں کا شکار ہوکر اچھی سے اچھی اور زبردست تحریک کمزور ہوجایا کرتی ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں ہماری ٹریڈ یونین کانگریس بھی اس خرابی سے محفوظ نہ رہ سکی اور اس کے چند لیڈر اپنی تحریک کے علاوہ تمام پاکیزہ و اعلیٰ اغراض و مقاصد کو بھول کر

"پیسہ! پیسہ! پیسے کی واہ واہ!"

کے گیت گانے لگے۔ آہستہ آہستہ پوری طرح سرمایہ پرستوں کے جال میں پھنس کر ان کی انگلیوں پر ناچنے والی بے جان کٹ پتلیاں بن گئے اور رفتہ رفتہ عوام کے دلوں پر سے اپنا تمام اثر و رسوخ کھو بیٹھے۔

دوسری طرف ان کے اس کے غلط طریق کی مخالفت کرنے کی بجائے درمیانی و ادنیٰ درجہ کے کارکنوں اور مزدوروں نے اپنے ڈھیلے پن اور ناتجربہ کاری کے باعث تحریک کو ہی ایک غلط راستے پر ڈال دیا اس سے کچھ عرصہ تک کے لئے اس کی ترقی رک گئی اور وہ بظاہر

www.freepdfpost.blogspot.com

ناکامیاب سی رہ گئی جس سے صورت حال اور بھی بدتر ہوگئی اور میدان سیاسیات میں ٹریڈ یونین تحریک عوام کی نظروں سے گر کر لوگوں کی عقیدت اس پر سے اٹھ گئی۔

حکمرانوں کی یہ چالبازی اور اس کی کامیابی ملکی قومی آزادی کے راستے میں ایک زبردست رکاوٹ ثابت ہوئی۔ اور کئی خود غرض و مطلب پرست لوگ اس سے ایک زبردست فائدہ اٹھانے کی امید میں دل پسند خواب دیکھنے لگے لیکن خوش قسمتی سے عین موقعہ پر عوام ہوشیار ہوگئے۔ اور ان کے دلوں میں جلد ہی قوم پرستی کے ہنگامہ خیز جذبات پھر ابھر آئے۔ اور انقلاب زندہ باد' غلامی برباد' سرمایہ پرست حکومت کا خاتمہ کردو۔ وغیرہ وغیرہ محشر انگیز نعروں سے زمین و آسماں گونج اٹھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا عوام کی تعداد کثیر ابھی تک حصول آزادی کے متعلق اپنے پہلے اور پرانے خیالات کو بھولی نہ تھی بلکہ صرف اپنے چند سربر آوردہ رہنماؤں کی ذاتی کمزوریوں اور خود غرضیوں کو دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گئی۔ ورنہ سب کے سب تہ دل سے آزادی و اخوت کے پجاری و پرستار تھے۔

اس صورت حال کو دیکھ کر میں پھولا نہ سماتا تھا۔ میرا حوصلہ ان اچانک تبدیلیوں سے کچھ پست ہونے کی بجائے اور بھی بڑھاتا چلا جارہا تھا اور مجھے اپنے طریق کار میں کسی بھی بدیلی کی کوئی گنجائش یا ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔ میں حکومت وقت کی نمایاں پالیسی کا جہ : بھی بغور مطالعہ کر رہا تھا۔ اتنی ہی میری خواہش اپنی سرگرمیوں کو بالکل اسی طرح جاری رکھنے اور بالاخر آہستہ آہستہ حکومتی پالیسی کے گہرے اندرونی رازوں کا پتہ لگانے کے لئے نہایت تیز ہوتی جاتی اور مجھے حکومت کے تمام دلائل اور اعلانات بالکل لغو و فضول معلوم دیتے تھے۔ ان کی کسی بات سے بھی میری آتما کو کوئی حقیقی تسکین نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ میں اس راز اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ یہ سب تھوتھی اور بے سروپا باتیں کیوں بنائی جاتی ہیں۔ ؟

اب میں نے کمال غور و خوص سے باشندگان جرمنی کی قومی عادات و خصلات کا مطالعہ شروع کیا۔ اور اس تباہ کن پالیسی کی جڑ بنیاد کی تلاش کی جس کی پیروی میں ان عادات و خصلات کو کمزور و برباد کیا جارہا تھا مجھے معلوم ہوا کہ یہودی اور ان کی طاقت سرمایہ داری ہی ان تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ تمام ٹریڈ یونینوں ' عام سنتھاؤں اور سرکاری ملازمتوں وغیرہ میں یہودیوں کا ہی بول بالا ہے۔ اور ان ہی کا زبردست ہاتھ سب جگہ کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان ہی کی وجہ سے ہر جگہ پر فریب و نمائشی جمہوری طریق حکومت کا زور بڑھتا جا

www.freepdfpost.blogspot.com

رہا ہے۔ اسی لئے آج میں پورے دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ "یہودی" لفظ کے حقیقی مطلب و مدعا کو سمجھتے ہی میرے خیالات میں ایک حیرت انگیز انقلاب شروع ہوگیا۔

مجھے یاد نہیں آتا۔ کہ اس سے پہلے بھی میں نے کبھی اپنے والد بزرگوار کی زبان مبارک سے "یہودی" کا لفظ سنا تھا۔ اگرچہ میرا خیال یہ ضرور تھا۔ کہ وہ شاید ضرور انہیں تہذیب و ترقی کا علمبردار سمجھا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے خیالات ایک وسیع الخیال آزادی پسند بین الاقوامی شخص کے سے تھے۔ آزادی و حریت پسند کا جذبہ قدرت کی طرف سے ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا تھا اور وہی آج مجھے بھی ان سے ورثے میں حاصل ہوا ہے۔

اس جماعت کے تعلق میں اگر میری آنکھوں کے سامنے سے تمام فریب آلود جھوٹے خیالات کا ایک پردہ سا اٹھ گیا۔ ان کی پارٹی کے تمام اغراض و مقاصد مجھے ان کی ننگی صورت میں نظر آنے لگے۔ اور میں یہ اچھی طرح سمجھ گیا کہ یہودی مارکس کے اصولوں کو محض اپنی خود غرضی سے کس طرح غلط و مناسب طور پر استعمال کررہے ہیں۔

تب مجھے یاد آیا کہ سکول میں بھی میرے ساتھ ایک یہودی لڑکا پڑھا کرتا تھا۔ ہم سب پہلے اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ لیکن بعد میں جب اس کی پرمتانت سنجیدگی اور خاموشی کا بھید ہم پر ظاہر ہوا تو ہم نے اس پر اعتماد کرنا چھوڑ دیا۔ شاید وہی زمانہ تھا جبکہ تقریباً" ۱۴ ' ۱۵ سال کی عمر میں سب سے پہلے میں نے "یہودی" لفظ سنا تھا۔ لیکن اس لفظ کو کوئی سیاسی اہمیت حاصل نہ تھی۔ اس کے چند روز بعد سے ہی میرے دل میں ان کی مخالفت کا خیال روز بروز بڑھتا چلا گیا۔ اور جب سے میں نے ان کے مذہب کے متعلق بحث و تکرار سنی۔ تب سے تو نہ معلوم کیوں؟ میرا دل ان کی طرف سے بہت ہی کھٹا ہوگیا۔ کیونکہ اس زمانے میں بھی مذہبی بحث و تمحیص کو کسی دل پسند رنگ میں دیکھنے کو تیار نہ تھا۔

لینز میں بہت ہی کم یہودی رہتے تھے۔ اور صدیوں سے وہاں رہنے کے باعث وہ بھی اور لوگوں کی مانند یورپین ہی سمجھے جاتے تھے۔ میں خود بھی انہیں جرمن ہی خیال کرتا تھا۔ لیکن اپنی اس غلط فہمی کے متعلق اس وقت تک کچھ بھی خیال پیدا نہ ہوا۔ جب تک کہ ان کے مذہبی اختلافات کی طرف میری توجہ نہیں گئی۔ جب میں یہ سوچتا تھا کہ لوگ ان کے پیچھے کیوں پڑے رہتے ہیں۔ تو مذہبی معاملات و تواہمات کی طرف میری نفرت اور بھی زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ کیونکہ اس وقت یہودیوں کی اس پوشیدہ وطن دشمنی کا مجھے کچھ بھی خیال نہ

www.freepdfpost.blogspot.com

تھا۔

اس کے بعد میں ویانا چلا آیا۔ صنعتی و کاروباری خیالات کی پریشانی اور اپنی تازہ بدقسمتی و تنگ حالی کے باعث کچھ مدت تک میں اس عظیم الشان شہر میں مختلف جماعتوں کے لوگوں سے ناواقف اور الگ تھلگ رہا۔ اگرچہ ویانا کی بیس لاکھ کے قریب آبادی میں سے یہودیوں کی تعداد تقریباً" دو لاکھ تھی۔ مگر پھر بھی ان کے اندرونی حالات سے کچھ زیادہ واقفیت حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اول تو میری آنکھیں اور میرا دماغ دونوں ہی کسی چیز کو اس کے اصلی رنگ و روپ میں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ مگر آہستہ آہستہ میری یہ حالت بدلتی گئی کچھ دنوں میں میرے خیالات زیادہ سنجیدہ اور گہرے ہوتے گئے۔ اور میں یہودیوں کے سوال پر مناسب غور و خوض کرنے کے قابل ہوگیا۔ لیکن میں نے اس سوال کے مذہبی پہلو پر غور کرتے ہوئے بھی اس کے قومی وطنی پہلو کو کبھی نظرانداز نہیں کیا۔ اور صرف ان کی مذہبی باتوں کو پیش نظر رکھ کر ان پر کبھی حملہ نہیں کیا حالانکہ مخالف یہودی پریس نے اس وقت بھی اہل جرمن کی قدیم تہذیب اور ان کی قومی روایات پر حملے شروع کردیئے تھے۔

ایک روز اچانک ہی زمانہ وسطی کے چند واقعات کا خیال کرکے میرا دل کانپ اٹھا۔ حالانکہ ان ہیبت ناک مناظر کو ایک مرتبہ پھر دیکھنے کے خیال سے مجھے کچھ زیادہ خوف معلوم نہ ہوتا تھا۔ ان واقعات کا ذکر کرتے ہوئے اخبارات جو رنگ آمیزیاں کیا کرتے تھے وہ بھی عوام کی نظروں میں کچھ پسندیدہ نہ تھیں۔ لیکن اس کی وجہ کیا تھی؟ یہ میں سمجھ نہیں سکتا تھا مگر پھر بھی یہ ضرور کہوں گا کہ ان اخبارات کا مقصد قوم و ملک میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی بجائے مغائیرت اور دشمنی کی آگ کو تیز سے تیز تر کرکے فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکانے کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ اور یہ شرارت کی ابتداء ہمیشہ ان بگڑے دماغ اخبار نویسوں کی طرف سے ہوا کرتی تھی۔ جو اپنی خود غرضی اور سنہری روپہلی مصلحتوں کے زیر اثر اناپ شناپ جو بھی چاہتے تھے لکھ مارتے تھے۔

جب میں نے ان اخبارات کی یہ مذموم روش دیکھی کہ اکثر قابل اعتراض باتوں کی سخت مخالفت کرنے کی بجائے یا تو وہ ان کے متعلق بالکل ہی خاموشی اختیار کرلیتے۔ یا محض چکنی چپڑی باتیں بنا کر انہیں ٹال دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو ان کے متعلق میرے خیالات اور بھی پختہ اور مضبوط ہوگئے۔ اور میں یہ سوچنے لگا کہ

www.freepdfpost.blogspot.com

چہ دلا دراست و زدے کہ بکف چراغ دارد

ایک تو چوری اور دوسرے سینہ زوری ایسے ہی نام نہاد "جرنلز" میں مختلف خبریں پڑھ کر اور نامناسب خوشامد اور حکومت پرستی سے پر اس کی حاشیہ آرائیوں پر غور کرکے میرا دل غم و غصہ اور نفرت و حقارت سے تڑپ اٹھتا تھا اور ہوف برگ کی جو بھی کاروائی ہوتی تھی۔ اس کا اصلی رنگ و روپ میری نگاہوں سے کبھی نہ چھپ سکتا تھا۔ کیونکہ ان کے پس پردہ حقیقت و اصلیت بہت کم ہوا کرتی تھی۔ اور جس خوشامد آمیز لب و لہجہ میں ان اخبارات کے کالموں میں ان کاروائیوں کا ذکر ہوتا تھا۔ اس سے بلامبالغہ یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ان کی ہستی کسی خاص شخص کی مطلب براری کے لئے ہے۔ اس لئے میں ان کی سرگرمیوں کو ملک و قوم کے لئے نہایت خطرناک اور نقصان دہ سمجھنے لگا۔

اس طرح مجھے کچھ عرصے تک ویانا میں کمشدگی اور خاموشی کی حالت میں رہنا پڑا۔ مگر میں اس اثناء میں برابر مختلف تہذیبوں اور تمدنوں کے ساتھ تعلق رکھنے والے سیاسی و مجلسی سوالات کا پورے پورے غور و خوض کے ساتھ نہایت گہرا مطالعہ کرتا رہا۔ اور اکثر کمال و تعجب کے ساتھ اصلی جمہوری حکومت کے عروج و نشوونما اور سلطنت پرست آسٹرین حکومت کے زوال و تباہی کا نقشہ عالم خیال میں اپنی نگاہوں کے سامنے کھینچتا رہا۔ اگرچہ کبھی کبھی پردیسی حکومت کی ٹیڑھی ترچھی پرفریب سیاسی چالوں کا خیال کرکے میرا دل بے چین ہوجاتا تھا۔ مگر پھر بھی اپنے پیارے وطن کی ناقابل برداشت غلامی و فرمانبرداری کی بے شمار و بے حساب تکلیفوں' مجبوریوں اور معذریوں سے پر زندگی کو محسوس کرکے میرا دم گھٹنے لگتا تھا اور میری حالت ناگفتہ بہ ہوجاتی تھی۔

اس وقت جرمنی میں قیصر ولیم ثانی کے خلاف جو تحریک جاری تھی۔ اس سے مجھے ذرہ بھر ہمدردی نہ تھی۔ کیونکہ میں اسے شہنشاہ جرمنی ہی نہیں بلکہ جرمنی کی نئی فوجی طاقت کا اصلی علمبردار سمجھتا تھا۔ جرمن پارلیمنٹ (ر۔شتاغ) نے جب شاہی تقریروں پر کچھ پابندیاں عائد کردیں تو میں ان سے بہت پریشان ہو اٹھا۔ کیونکہ میری رائے میں یہ حرکت ایسی خاص جماعت کی تھی۔ جسے تمام رعایا کی طرف سے ایسا کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہ تھا۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ ان نام نہاد پارلیمنٹری اختیارات رکھنے والے حکمرانوں نے اس کے بعد خود اتنی بک بک کی تھی کہ شاہی خاندان کے کسی کمزور سے کمزور حکمران نے بھی شاید کبھی ایسی بے سروپا باتیں نہ کہی ہوں۔

www.freepdfpost.blogspot.com

غرضیکہ ان خیالات و جذبات نے مجھے از خود رفتہ اور دیوانہ سا بنا ڈالنے میں کچھ کسر نہ اٹھا رکھی۔ کہ ملک میں ہر ایک بیوقوف شخص کو الٹی سیدھی من مانی دلیل بازی کرنے کا حق حاصل ہو رہا ہے۔ اور وہ ر۔شتاغ کی طرف سے عوام پر حکومت کرنے کے لئے قانوناً" مقرر کیا جاسکتا ہے۔ یا ایک تاج و تخت کے مالک کو بھی ایسا بے جا اور بے ہودہ طریق پر کسی خاص جماعت کی طرف سے یوں ڈانٹا اور پھٹکارا جاسکتا ہے۔

یہ دیکھ کر میرے دل میں اور بھی آگ لگ گئی کہ ویانا کے اخبارات جو اپنی حکومت کے ادنیٰ سے ادنیٰ آفسروں کے آگے سر تسلیم خم کئے بھیگی بلے بنے رہتے ہیں۔ جرمن شہنشاہ کے خلاف زہر اگلنے میں سب سے پہلے قدم مار رہے ہیں۔ اور بہانے کے طور پر جھوٹے ٹسوے بہا بہا کر یہ خیال ظاہر کر رہے ہیں کہ رائے عامہ کی حمایت و تائید ہی اخبارات کا سب سے افضل و برتر مقصد ہے۔ حالانکہ ان کی تحریر کا پوشیدہ منشاء و مقصد سوائے اس کے اور کچھ بھی نہیں کہ شہنشاہ جرمنی کی توہین و بدگوئی کی جائے۔

ساتھ ہی اس کے میں ایک دوسرے اخبار کے طریق عمل سے کسی قدر مطمئن بھی ہوا۔ کیونکہ قصر جرمنی کی طرف اس کا رویہ پر از احترام تھا۔ اگرچہ فرانس کے قابل نفرت رویہ پر اس نے بھی ایسے خوشامدانہ انداز سے حاشیہ آرائی کی تھی۔ کہ اس کی اس چاپلوسی آمیز روش پر ہر شخص کو ندامت سے سر جھکا لینا پڑتا تھا۔ میں تو اس طرح بار بار فرانس کی فضول خوشامد کرنے والے اخبارات سے سخت متنفر ہوگیا تھا۔ اس بارے میں "وولکس بلٹ" اخبار کی پالیسی مجھے بہت کچھ پسند تھی۔ اگرچہ وہ بھی اس پہلو میں اپنے خیالات اظہار نہایت مختصر الفاظ میں کیا کرتا تھا۔ مگر پھر بھی اچھی صاف گوئی سے کام لیتا تھا اور سچی سچی خبریں دیا کرتا تھا۔

جب میں ویانا آیا تو میرے خیالات ان دونوں ہی اخبارات یعنی ورلڈ جرنلز اور "وولکس بلٹ" کے خلاف تھے کیونکہ میری رائے میں ڈاکٹر لوگر اور کرسچین سوشلسٹ پارٹی دونوں کی ہی سرگرمیاں فرقہ پرستی اور فریق بندی کو تقویت دینے والی تھیں۔ مگر ایک روز شہر کے ایک گنجان آباد حصے میں گھوم رہا تھا۔ وہاں میں نے ایک شخص کو دیکھا۔ جو کہ ایک لمبا سا چوغہ پہنے ہوئے تھا۔ میرے دل میں یکایک یہ خیال پیدا ہوا کہ "کیا یہ یہودی ہے؟" میں اس کی نظر بچا کر ترچھی آنکھوں سے نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ "کیا یہ جرمن ہے؟"

www.freepdfpost.blogspot.com

اب میں نے اپنے شکوک دور کرنے کے لئے کتابوں کی شرن لی۔ جیسا کہ ایسے موقعوں پر ہمیشہ میرا رویہ رہا ہے۔ میری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جبکہ میں نے اپنی گانٹھ سے چند ہیلر (جرمن سکے) خرچ کرکے اپنے فریق مخالف کے چند پمفلٹ خریدے اور ان کا بغور مطالعہ کیا۔ ان کے پڑھنے سے مجھے معلوم ہوا کہ ان کے مصنف اور قارئین بھی یہودی سوال سے کم و بیش واقفیت ضرور رکھتے ہیں۔ ان تصنیفات کے خاتمہ پر مصنفین نے جیسا کہ ان کا طریقہ ہے بہت پھیر پھار اور داؤ پیچ سے ہر ایک بحث طلب نکتے کو گول مول باتیں بنا کر جوں کا توں غیر فیصلہ شدہ چھوڑ دیا تھا جس سے میرے دل میں اور بھی طرح طرح کے شکوک پیدا ہونے لگے۔ اور ان کی لچر و بیہودہ دلیلوں نے قدم قدم پر میری الجھیں بڑھا کر مجھے کسی خاص نتیجے پر پہنچنے میں ذرہ بھر بھی مدد نہیں ہوئی۔

اس طرح یہ سوال میرے لئے اور بھی پیچیدہ ہوگیا اور میں ڈرنے لگا کہ کہیں میں کسی غلطی میں پھنس کر کسی کے ساتھ کچھ بے انصافی نہ کر بیٹھوں کیونکہ میں اس وقت یہ سوچ سکتا تھا کہ یہ سوال کسی غیر مذہب کی پیرو جرمن جماعت کا نہیں۔ بلکہ ایک علیحدہ قوم کا ہے۔ جرمنوں سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتی یا رکھنا نہیں چاہتی۔ جب سے میری توجہ یہودیوں کی طرف مبذول ہوئی تھی۔ تبھی سے ویانا بھی مجھے کچھ اور ہی رنگ ڈھنگ کا معلوم ہونے لگا تھا میں جہاں کہیں بھی جاتا۔ مجھے یہودی ہی یہودی نظر آتے تھے۔ اور ان کے تمام طریق و اطوار نمایاں طور پر جرمنوں سے مختلف دکھائی دیتے تھے۔ شہر کا اندرونی حصہ اور خصوصاً" نہر ڈینیوب کا شمالی علاقہ سب کا سب ایسے لوگوں سے آباد تھا۔ جو کسی بات میں جرمنوں سے کچھ مشابہت نہ رکھتے تھے۔ اس لئے یہ شک و شبہ میرے دل سے دور نہ ہوسکا۔ اور میری توجہ ان کی فرقہ وارانہ کارگذاریوں کی طرف برابر لگی رہی۔

اسی اثناء میں یہودیوں میں ایک زبردست تحریک چھڑ گئی۔ ویانا ہی اس کا مرکز تھا۔ اور اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ بطور ایک مذہب یا ایک مشترک و متحدہ قومیت کے یہودیت یا جوڈازم کا پرچار کیا جائے۔ یقیناً" یہ میرا خیال تھا کہ ان یہودیوں کی ایک بہت بڑی بلکہ کثیر التعداد جماعت اس خیال کی کبھی حمایت اور تائید نہیں کرے گی۔ لیکن پھر بھی میں نے اس تحریک کا بڑے غور و خوض سے مطالعہ کرتا رہا۔ مگر طرح طرح کے مقبولوں اور بھانت بھانت کی بولیوں کے پردے میں چھپی ہوئی ہونے کے باعث مجھے اس کی اصلی صورت صاف صاف دکھائی نہ دی۔

www.freepdfpost.blogspot.com

اکثر لبرل یہودیوں نے اس تحریک کے حامیوں کے خیال کی اس لئے مخالفت نہیں کی کہ وہ غیر یہودی تھے بلکہ اس لئے کہ یہ خیالات یہودیت کے لئے بالآخر نقصان دہ ثابت ہوسکتے تھے۔ لیکن پھر بھی وہ اسے بہرحال ایک یہودی خیال ہی سمجھتے رہے اس لئے ان دونوں جماعتوں کے اندرونی مقاصد ظاہری رسم و رواج اور باہمی تعلقات میں مجھے کچھ بھی فرق نظر نہیں آتا تھا۔ اور میں ان کی کوئی بھی تمیز قائم نہ کرسکتا تھا۔

زایونسٹوں (جیسا کہ یہ نئی جماعت کہلاتی تھی) اور یہودیوں کے اس باہمی اختلاف سے کچھ عرصہ تک تو میں بہت پریشان رہا۔ مگر آخر مجھے ایک نمائشی فریب اور دھوکے کے سوا اس میں اور کچھ دکھائی نہ دیا اور میں اسے بھی نام نہاد پاک لیکن در حقیقت پر فریب اور مکار یہودی قوم کے اخلاق اور اس کی نشوونما پر ایک مکروہ جسے کے سوا اور کچھ نہ سمجھ سکا۔

میری رائے میں اس سے یہودیت کو بھی ایک بہت بڑا نقصان یہ پہنچا کہ اس کی نکتہ شناسی، علم و ادب، اداکاری (ڈرامہ) اور تصنیف و تالیف میں ایک گراوٹ پیدا ہوگئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے طریق تنقید میں ایسی تبدیلی آگئی جسے ان دنوں ہر شخص ان کے سینماؤں کے پوسٹر دیکھ دیکھ کر محسوس کرتا تھا۔ کیونکہ ان کے ذریعہ وہ اپنے قابل نفرت مقاصد کی تکمیل میں نمایاں طور پر مصروف نظر آتے تھے۔ غرضیکہ یہ ایک چھوت چھات کی بیماری تھی۔ جو ان میں آہستہ آہستہ پیدا ہونے لگی میری رائے میں موت اس سے ہزار درجہ اچھی تھی لیکن شائد اس جماعت کے ماتھے پر قدرت کی طرف سے کلنگ کا یہ ٹیکہ لگنا ہی تھا۔ اس لئے کون روک سکتا تھا۔

اب میں نہایت غور و توجہ سے ان ڈراماؤں اور فلموں کے مصنفوں اور تیار کرنے والوں (پروڈیوسروں) کے طریق عمل کا مطالعہ کرنے لگا اور اس کے ساتھ ہی یہودیوں کے متعلق میری واقفیت نیز ان کی عادات و خصلات اور مذموم طریق عمل سے میری نفرت و حقارت میں بھی روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ اگرچہ ان کی یہ سب کرتوت دیکھ کر میرے جذبات اکثر بھڑک اٹھتے تھے۔ مگر پھر بھی میں جوں توں انہیں دبا کر ہر ایک واقعہ کی اصلی حقیقت جاننے اور ٹھیک ٹھیک صورت دیکھنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ چنانچہ اسی نقطہ نظر سے میں نے ایک مرتبہ پھر اپنے سابق منظور نظر اخبار "ورلڈ پریس" کا مطالعہ شروع کیا۔ لیکن دیکھا یہ کہ

www.freepdfpost.blogspot.com

وہی رفتار بے ڈھنگی جو پہلے تھی وہ اب بھی ہے

مخالفین کے حملوں اور اعتراضات کا جواب دینے کا وہی خوشامد پسندانہ چکنا چپڑا رنگ ڈھنگ وہی بعض اہم اور نہایت ضروری سوالات پر شرمناک بلکہ مجرمانہ خاموشی نمایاں طور پر اس کی کمینہ خصلت کا ماتم کرتی ہوئی نظر آئی۔ تنقیدات اس میں شائع ہوتی تھی۔ ان میں اکثر یہودیوں کی لیاقت و قابلیت کی مدح سرائی تھی یا جرمنوں کی نکتہ چینی نیز ان کے اوصاف اور خوبیوں پر کیچڑ اور غلاظت کی بکھیر' قیصر جرمنی ولیم ثانی کی مخالفت میں تو کالم کے کالم اور صفحے کے صفحے رنگے رہتے تھے اب اس میں ہرزہ سرائی اخبار کی حقیقی قدر و قیمت خوب اچھی سمجھ گیا۔ اگرچہ میں یہ بھی کبھی نہ بھولا تھا۔ کہ یہ اخبار فرانسیسی تہذیب کی جھوٹی تعریفوں کے پل باندھتا رہتا ہے۔ اور کس طرح ہمیشہ ہی اس کی یہ پالیسی رہی ہے کہ ہر ممکن طریق پر جرمن جاتی کی مذمت کرتا رہے اور جیسے بھی ہوسکے اسے ہیچ و ناکارہ ثابت کیا کرے۔ غرضیکہ اس طرح جمہوریت اور آزاد خیالی کی ڈینگیں مارنے والے یہودی لیڈر میری نگاہوں میں بالکل ہی گر گئے۔ اور اس طرح ان کے متعلق میری تمام دماغی کاوش و کشمکش کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔

آہستہ آہستہ یہ راز بھی مجھ پر کھل گیا کہ تمام نام نہاد جمہور نواز اخبارات اور چھاپے خانوں کے مالک اور کرتا دھرتا یہودی ہی ہیں۔ مگر میں نے اسے کوئی خاص اہمیت دینا ضروری نہ سمجھا کیونکہ اس وقت کوئی ایک اخبار بھی ایسا نہیں تھا۔ جسے صحیح معنوں میں قومی یا ملکی کہا جاسکتا ہو۔ یا جس کا یہودیوں سے کچھ نہ کچھ تعلق نہ ہو۔ سوشلزم کے متعلق جو مضامین بھی شائع ہوتے تھے ان میں بھی اکثر ضروری نکتوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی تھی اور گول مول پر راز باتوں کی ان کے کاموں میں بھرمار رہا کرتی تھی۔ اس لئے میں نے انہیں بھی سخت نفرت سے دیکھنے لگا۔ اور انہیں پڑھنے کی مجھے مطلق خواہش نہ رہی۔

لیکن پھر بھی میں نے اپنی طبیعت پر بے حد جبر کرکے مارکس کے نام پر قائم کئے ہوئے ان اصولوں کا مطالعہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر جب بھی میں انہیں پڑھنے لگتا۔ میری دلی نفرت مجھے آدباتی۔ آخر میں نے یہ معلوم کرنے کی طرف توجہ دی۔ کہ یہ پرفریب فضا پیدا کرنے میں کن لوگوں کے ہاتھوں نے کام کیا ہے۔اور مجھے اس میں ذمہ دار ایڈیٹروں سے لے کر بہت بڑے چھوٹے یہودی ایسے دکھائی دیئے جو جرمن تہذیب کو بیخ و بن سے تباہ کرنے کے لئے ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ میں نے ان سبھی یہودی لیڈروں کے نام نوٹ

www.freepdfpost.blogspot.com

کرلئے۔ اور مجھے بہت سے مشہور عالم اشخاص بھی ان کے ہمرائے معلوم ہوئے۔

اس طرح میں نے تقریباً" سبھی ایسے ہمفلٹوں کو اپنے قابو میں کرلیا۔ جن میں جمہور نوازی کے نام سے یہ نئی قسم کی سوشلسٹ تعلیم دی گئی تھی۔ ان سب کے منصف تقریباً" وہی مذکورہ بالا مشہور لیڈر تھے۔ جن میں ریشتاغ کے ممبر ٹریڈ یونینوں کے سیکرٹری اور مختلف منظم انجمنوں کے صدر اور مبلغ وغیرہ مشہور مشہور یہودی شامل تھے۔ یہ سب ان ہی حضرات کے ہتھکنڈے تھے۔ ان میں سے آسٹرلٹز' ڈیوڈ' ایڈلر' ایل بوگین' وغیرہ حضرات کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس وقت ایک بات مجھے صریح طور پر نظر آئی وہ یہ کہ ان سب ٹریڈ یونیوں کی لیڈری جن کے ساتھ میں کئی مہینوں سے جدوجہد میں مصروف تھا۔ پردیسیوں کے قابو میں تھی۔ اپنے اطمینان کے لئے تو میں یہ فیصلہ کرچکا تھا کہ کوئی بھی یہودی درحقیقت جرمن نہیں۔ اور نہ کسی یہودی کو جرمن قوم کے حقوق کی کچھ پرواہ ہی ہے اور اس طرح مجھے اپنی جرمن قوم کی اس بہت بڑی غلطی کا احساس ہوگیا کہ وہ یہودیوں کو جرمن سمجھتی تھی۔

جوں جوں میں یہودیوں سے ملتا جلتا تھا۔ میں ان کے اداکارانہ انداز و نمائشی طور طریق سے واقف ہوتا جاتا تھا وہ اپنے مخالفوں کی لاعلمی سے فائدہ اٹھانا خوب جانتے۔ اگر کبھی ان کی کوئی چال کامیاب نہ بھی ہوسکتی تھی تو وہ اپنے بیوقوف بے عقل ہونے کے ڈھونگ بھی خوب صفائی سے رچا بیٹھے تھے۔ جب ان کی مخالفت کرکے ان کے کسی غلط خیال کی تردید کی جاتی تھی تو وہ اپنے مخالف کے ہر خیال کو ماننے کے لئے بظاہر تیار ہوجاتے تھے۔ لیکن کرتے وہی تھے جو ان کے دل میں ہوتا تھا۔ یعنی کہ

پنجوں کا کہنا سر ماتھے پر
لیکن پرنالہ یہیں رہے گا

غرضیکہ وہ ہر طرح اپنے مقصد و منشاء کی حفاظت کرتے ہوئے صداقت کی دہائی دیتے رہتے تھے۔ اور جب ان کی وعدہ خلافی پر اعتراض کیا جاتا تو اپنا بھولا پن ظاہر کرکے اپنی غلطی مان لیتے تھے۔ کیونکہ اس وقت ان کے پر از صداقت دلائل کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہ جاتا ہے۔ اور جھوٹی سچی باتیں بنانے میں انہیں ذرہ بھی شرم محسوس نہ ہوتی تھی۔ میں اکثر ان کی ایسی کمینہ خصلتوں پر حیران رہ جایا کرتا تھا اور یہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ کہ ان کی اس پرفریب اداکاری کی تعریف کی جائے۔ یا ان کے ڈھیٹ

www.freepdfpost.blogspot.com

پن یا بے غیرتی کی۔ اس طرح ان کے خلاف میرے دل میں روز بروز نفرت اور حقارت زیادہ سے زیادہ تر ہوتی گئی۔

مگر اس کا نتیجہ میرے لئے نہایت مفید ثابت ہوا۔ کیونکہ جس روپ میں یہ بناوٹی سوشلزم اور نقلی جمہوریت کے پرچارک میرے سامنے آئے تھے وہ در حقیقت ایک شرمناک دھوکے اور فریب کے سوا کچھ بھی ثابت نہ ہوا۔ اور اس سے میری حب الوطنی کی لگن اور بھی زیادہ تیز ہوگئی۔ ان روز افزوں تجربات نے ہی ایک دن مارکس ازم کی حقیقت مجھ پر ظاہر کردی۔ اور اس کی حقیقی تعلیم میری شخصیت کے لئے نہایت مددگار ثابت ہوئی۔ کیونکہ میں اس کامیابی سے لطف اندوز ہونے کے لئے بہت بے قرار تھا۔ اور اپنے ناچیز تخیل کی مدد سے میں اس کے انجام پر غور وخوص کیا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک دن از خود میرے دل میں یہ سوال اٹھ کھڑا ہوا کہ مارکس ازم کے یہ نام نہاد پرچارک اپنے ذاتی مقاصدوں کی تکمیل کے لئے جتنا ان اصولوں کا سہارا لیتے ہیں اتنا وہ دوسروں کی بہتری و بہبودی کا خیال بھی رکھتے ہیں یا نہیں؟ اور میں اس سوال کا جواب تلاش کرنے میں مصروف ہوگیا ایک عرصہ دراز تک میں اس سوال پر غور وخوص کرتا رہا پھر میں نے مارکس کے اصولوں اور ان کے اغراض و مقاصد کو بغور پڑھا اور آخر میرے دل اور میری آتما کے گیان نے مجھے یہ بتلا دیا کہ یہ اصول اور یہ تعلیم بنی نوع انسان کے لئے مفید و منفعت بخش تو ہے۔ مگر اس سے صرف اپنے ذاتی مقاصد کی تکمیل میں مدد لینا حقیقتاً" ان کے پرچار میں رکاوٹ ڈالنا اور رخنہ اندازی کرنا ہے۔ اب تو میرے دل میں مارکس ازم کے متعلق پوری پوری واقفیت حاصل کرنے کی زبردست خواہش پیدا ہوگئی۔ اور میں نے ان اصولوں کے بڑے بڑے عالموں اور پرچاکوں کے حالات زندگی کا بھی بطور مطالعہ کیا۔ اس سے میرا واحد مقصد تھا کہ میں ان اصولوں کے اندرونی راز و رموز کا اعلیٰ سے اعلیٰ علم حاصل کروں۔

اس طرح سوشلزم کی تحریک سے مجھے بے حد ہمدردی و عقیدت پیدا ہوگئی اور میں جلد ہی اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوگیا۔ جس کے لئے میں زیادہ تر مسئلہ یہود کا ممنون احسان ہوں۔ جس نے میری توجہ مارکس ازم کے اصلی اصولوں کی واقفیت حاصل کرنے کی طرف مائل کردیا۔ اور جس کے نتیجے کے طور پر میں یہ اچھی طرح سمجھ گیا کہ یہودی اپنے حقیقی اور دلی منشاء کو اتنا کیوں چھپاتے ہیں۔ اس سے ان کا اصلی مطلب کیا ہے۔ اور ان کے علم و ادب کی دورنگی پالیسی کی تہ میں کیا راز کام کرتا ہے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

مجھے اس بات کا پورا پورا فخر ہے کہ مجھے اس پہلو میں کافی واقفیت حاصل کرنے میں ہر طرح کامیابی حاصل ہوئی۔ اس لئے یہ زمانہ میرے خیالات میں ایک گہرا اور عظیم انقلاب پیدا کرنے والا کہا جاسکتا ہے۔ جسے میں اپنی زندگی میں ایک خاص اہمیت دیتا ہوں کیونکہ اسی کی بدولت میں ایک کمزور دنیا دار انسان کے درجے سے اٹھ کر ایک زبردست خیالی دنیا میں زندگی بسر کرنے والا تخیل پرست شخص بن گیا۔

اس طرح دنیا کی تاریخ میں یہودی قوم کے تاثرات کا مطالعہ کرتے ہوئے میرے سامنے ایک عجیب سوال آکھڑا ہوا۔ وہ یہ کہ کیا یہودی قوم کا ہمارے اوپر مکمل اقتدار جم گیا ہے؟ " لیکن یہودیت کے اصولوں کے گہرے مطالعہ نے خود بخود اس سوال کا جو جواب مجھے دیا وہ " نہیں " تھا کیونکہ یہودیوں کا مارکس ازم ذاتی شخصیت کے خلاف تھا۔ اس لئے اگر بے شمار قدرتی اصولوں کے بھی خلاف کہا جائے۔ تو شاید کچھ مبالغہ نہ ہوگا یہ یہودی مارکس ازم عوام کی نظروں میں ہر ایک خاص خاص ہستی کی عظمت و اہمیت کو مٹا کر قومیت اور وطنیت کی خصوصیت کو تباہ و برباد کردینا چاہتا تھا۔ اور اس طرح من مانے اصولوں سے انقلاب اور عالمگیر امن کے آغاز کو ایک سخت خطرے میں ڈال دینے والی حالت پیدا کرنے کا باعث بن رہا تھا۔ اس لئے جہاں کہیں بھی یہ یہودی مارکس ازم پھیلتا ہے۔ وہاں کے ہی عوام کی ہستی خود بخود بیخ و بنیاد سے تباہ و برباد ہوجاتی ہے۔

اس لئے اگر یہودی اپنے اس نام نہاد مارکس ازم سے دنیا کی تمام قوموں پر فتح حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے تو لازمی طور پر ان کی حکومت نوع انسان کے زوال اور تباہی کا باعث ثابت ہوگی۔ جیسا کہ آج سے ہزاروں سال پہلے بھی ہوچکا ہے۔ لیکن مادر قوت کی لامحدود طاقتیں اپنے خلاف کئے گئے اعمال و افعال کا انتقام لینے اور ان کا بدلہ دینے کے لئے ہمیشہ تیار رہتی ہیں۔ اس لئے اوراس طرح میں اپنے آپ کو قادر مطلق اور سرب شکتی مان پرماتما کا ایک انش (جزوی ظہور) مان کر میدان عمل میں آنے کی کوشش میں مصروف ہوگیا۔ اور یہودیوں کے خلاف اپنی تحریک کو میں نے ایک پرماتما کی طرف سے قائم شدہ فرض سمجھ لیا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

ویانا میں سیاسی سرگرمیاں

قدیم ڈینیوب کے شاہی خاندان کے دور حکومت میں جرمنی کی نسبت آسٹریا میں عام سیاسی معاملات پر خوب سرگرمی کے ساتھ بحث و تمحیص کا بازار گرم رہا کرتا تھا۔ پرشیا ' ہیسبرگ نیز جانب شمال کے ساحلی شہروں اور قصبوں میں چرچا اور بھی زیادہ تھا۔ چونکہ آسٹریا کی ہیسبرگ سلطنت میں جرمن نسل کے باشندوں کی آبادی بہت زیادہ تھی۔ اس لئے وہ اپنی تاریخی نوعیت و آبادی کے خیال سے ہی نہیں بلکہ اپنی سیاسی سرگرمیوں اور ہنگامہ خیزیوں کے لحاظ سے بھی سب کا رہنما و پیشرو سمجھا جاتا تھا۔ وہاں کی تمدنی زندگی اپنے ڈھنگ کی نرالی ہی تھی۔ اور اس طرح زمانہ کے ساتھ ہی ساتھ اس پہلو میں بھی سلطنت آسٹریا کا پایہ تخت برابر ترقی کرتا جارہا تھا۔

اس زمانے کے آسٹریا میں کئی قوموں اور نسلوں کے باشندے آباد تھے۔ اس کی سیاسی حالت بھی بہت کچھ قابل اطمینان اور خاصی اچھی تھی۔ ملکی نظام میں زیادہ تر جرمن عمل دخل تھا۔ لیکن ایک ایسی وسیع سلطنت جو پانچ کروڑ باشندوں پر مشتمل ہو۔ اور جن میں سے تقریبا ایک کروڑ باشندے مختلف النسل ہوں ۔ اس کا نظم و نسق بغیر مفید و منفعت بخش مضبوط اصولوں کی صحیح صحیح پیروی کئے ٹھیک ٹھیک طور پر چلتے رہنا نہایت مشکل ہے۔ لیکن پھر بھی ہر ایک جرمن آسٹرین اس وسیع سلطنت کے سایہ عاطفت میں پر امن طریق پر اپنی زندگی کے دن بسر کررہا تھا۔ اور ہر طرح سلطنت کی خدمت گزاری اپنا فرض سمجھتا تھا مگر جب اس کی توجہ اس سلطنت کے سرحدی علاقے کی طرف جاتی تھی۔ تو وہ اس کی طرف ایسے ہی دیکھتا تھا۔ جیسے کہ ایک سلطنت کا باشندہ دیکھ سکتا ہے۔ جس کی قسمت میں اپنے حقیقی وطن سے دور رہتے ہوئے بھی اپنے بزرگوں کی مانند ان کے وطن کی سچی محبت موجود ہو۔ اور جو اس کی حفاظت میں اپنی جان بھی [illegible] دینے کے آمادہ و کمربستہ ہو۔ اس طرح ان کے دلوں میں اپنی مادر وطن کے

www.freepdfpost.blogspot.com

لئے کبھی کوئی غیر ہمدردانہ خیالات جگہ نہ پاتے تھے اور آسٹریا میں رہتے ہوئے بھی ان کے تمام جذبات و احساسات قدیم جرمنوں کی مانند ہی قائم و برقرار تھے۔

غرضیکہ جرمن آسٹریوں کا نقطہ خیال سلطنت آسٹریا کے دوسرے باشندوں سے بہت زیادہ وسیع و فیاضانہ تھا۔ مگر پھر بھی آسٹرین حکومت ان ہی کے ہاتھوں میں تھی ۔ اور وہ ہی اس حکومت کے کرتا دھرتا سمجھے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے سلطنت آسٹریا کی تجارتی و صنعتی کاروبار کو بھی دنیا بھر میں اتنی وسعت دے رکھی تھی۔ جو یہودیوں کی بدولت اسے کبھی بھی نصیب نہیں ہو سکتی تھی ۔ اسی طرح ایک جرمن آسٹرین کی افواج شاہی میں بھرتی ہو سکتا تھا۔ لیکن وہ فوج "ہرزی گووینا" میں رکھی جاتی تھی اور وہیں اس کی چھاؤنی تھی ۔ اس کے ادنیٰ و اعلےٰ افسر بھی سب جرمن ہی تھے۔

اسی طرح ہر قسم کی صنعتی دستکاری اور علمی تحقیقات و مصنوعات کی تعلیم کا کام بھی جرمنوں کے ہی ہاتھوں میں تھا۔ موسیقی 'مصوری ' انجنیئری اور دیگر علوم وفنون کا مرکز ویانا تھا جو سلطنت بھر میں عروج و ترقی کے آسمان پر ایک روشن ترین ستارے کی مانند چمک دمک رہا تھا۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ غیر ممالک کے متعلق آسٹریا کی سرکاری پالیسی اور حکمت عملی کی باگ ڈور بھی زیادہ تر جرمنوں نے ہی سنبھال رکھی تھی۔ اور دفتر خارجہ میں کہیں کہیں کوئی ہنگری کا باشندہ نظر آتا تھا۔ اس لئے ایسی حالت میں اس زمانے کی وسیع آسٹرین سلطنت کا کاروبار حکومت جرمن آسٹریوں کے تعاون کے بغیر چلنا ایک طرح سے ناممکن تھا۔

مختلف النسل اقوام پر مشتمل ہونے کے باعث یہ نہایت ضروری تھا ۔ کہ خاص شخصیتوں اور جماعتوں یا قوموں کے ذاتی یا جماعتی اغراض و مقاصد کی طرف کبھی کچھ خاص توجہ نہ دے کر ایک ایسی "مرکزی حکومت قائم کی جاتی ۔ جس کا مقصد عام رعایا کے مفاد اور حقوق کی حفاظت ہوتا۔ بارہا شہنشاہ آسٹریا کی اس طرف توجہ بھی دلائی گئی۔ لیکن یا تو انہوں نے اس کی طرف کچھ دھیان ہی نہ دیا۔ یا اپنی دوسری گوناگوں مصروفیتوں میں اسے بھول جاتے رہے یا اس مقصد کی تکمیل میں انہیں ایسی رکاوٹیں محسوس ہوتی رہیں۔ جن پر عبور پانا وہ اپنی طاقت سے باہر خیال کرتے تھے۔

اس زمانہ میں جرمنی اگرچہ ایک چھوٹا سا ملک تھا ۔ لیکن پھر بھی اس کے تمام باشندے ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر آسٹریا کی یہ حالت نہ تھی۔ اگرچہ یہاں بھی ہنگری کے سوا بہت سے علاقوں میں زمانہ قدیم کی تمام تواریخی روایات فراموش ہو چکی تھیں ۔ لیکن

www.freepdfpost.blogspot.com

جمہوری آزادی کی لہر کا دور دورہ تمام یورپی ممالک میں شروع ہوگیا تھا۔ یعنی وہ زمانہ تھا۔ جبکہ قصر حکومت کی بنی بنائی بنیادوں پر شخصی خود مختاری اور مطلق العنان حکومتوں کی بجائے جمہور نواز آئینی حکومتوں کی بنیاد پڑنی شروع ہو چکی تھی ۔ اور مختلف ممالک میں آزاد قومیں یکے بعد دیگرے جنم لیتی جارہی تھیں۔ اس لئے اس صورت حال کا اثر آسٹریا پر پڑنا بھی لازمی اور لابدی تھا۔ اور جرمن آسٹریوں کے لئے تو اس میں ایک خاص کشش تھی۔

اب تک ویانا کو اس سلسلہ میں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی کیونکہ اس وقت بوڈاپسٹ اس کا مد مقابل سمجھا جاتا تھا اگرہ بوڈاپسٹ بھی ایک اچھا بارونق شہر تھا۔ مگر پھر بھی کئی خاص پر اسرار وجوہات کی بناء پر اس کی عظمت و اہمیت کے بارے میں ایک کشمکش پیدا ہوگئی تھی۔ جس کی مثال سے متاثر ہوکر بہت ہی جلد پر یگ' لیمبرگ' لے بلیچ شہر بھی اس میدان رقابت میں بوڈا پسٹ کی پیروی کرنے لگے۔ شہنشاہ جوزف ثانی کے زمانہ وفات سے اس پر اسرار کشاکش کی بنیاد پڑی تھی۔ اور اس کا باعث چند ایسے واقعات تھے جن کا تعلق آسٹریا کی نسبت غیر ممالک کے ساتھ بہت زیادہ تھا۔ لیکن اگرچہ یہاں ان کا ذکر سراسر فضول ہوگا۔ پھر بھی یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ اگر اس وقت سلطنت آسٹریا کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کی دانشمندانہ و دلیرانہ کوشش کی جاتی تو عین ممکن تھا۔ کہ مستقل اور پائیدار اصولوں کی بنیاد پر یہاں بھی ایک ہر دلعزیز مرکزی حکومت قائم ہو جاتی۔ اس لئے اس سے یہ نتیجہ خیز سیاسی سبق حاصل ہوتا ہے کہ ایک ٹھوس قومیت کی ابتدائی بنیاد قومی اور ملکی زبان کے اصول پر ہی پڑنی چاہئے ۔ اور ہر حکومتی نظام میں اس اصول پر نمایاں طور سے بطور ایک قومی علامت کے عمل ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس کے بغیر کوئی بھی منظم قومیت کبھی خاطر خواہ ترقی نہیں کر سکتی ۔"

ماسوا اس کے قومی اتحاد و اتفاق کی ترقی و نشوونما نیز پختگی و مضبوطی کا علم اگر کسی ذریعہ سے ہو سکتا ہے ۔ تو وہ سکولوں اور کالجوں کا ہی ذریعہ کہا جاسکتا ہے۔ مگر اس کے لئے دس بیس سال کی تو کون کہے۔ صدیوں کی مدت درکار ہے۔ یہاں مشکل یہ تھی ۔ کہ آسٹرین سلطنت کی تنظیم کسی ایک قوم سے نہیں ہونی تھی ۔ کیونکہ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں ۔ یہاں مختلف النسل قومیں آباد تھیں ۔ ان کی مطلب پرستیوں کا انجام یہ تھا۔ کہ نہ صرف ملکی و قومی رہنمائی اور رہبری میں ہی آپس کی جماعتی کشاکش سے کمزوری اور نکما پن پیدا ہوگیا تھا۔ بلکہ ذاتی اور جماعتی بنا پر نفس پرستی اور حیوانیت کا بھی غلبہ ہوتا جارہا تھا۔ مگر ہماری خوش قسمتی سے جلد ہی ایک ایسی صورت حال پیدا ہوگئی جس سے کہ اس نفس پرستی حیوانیت کی ترقی خود بخود رک گئی

www.freepdfpost.blogspot.com

اور اس سے وہ تباہ کاری پیدا نہ ہو سکی جو کہ بصورت دیگر پیدا ہونی ممکن تھی۔

اس صورت حل کو سمجھنے میں ہیپسبرگ کے شاہی خاندان نے جس کاہلی اور کوڑھ مغزی کا اظہار کیا۔ وہ اس کا سب سے زیادہ قابل مذامت اور لائق نفرت فعل کہلا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب کہ اس خاندان کا طوطی ملک میں بول رہا تھا اسی وقت سے اس کا زوال شروع ہوا جس کا انجام یہ ہوا کہ دنیا سے اس کا نام و نشان ہمیشہ کے لئے مٹ گیا۔

جرمنی کے رومن شہنشاہ جوزف دوئم نے اس راز کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ کس طرح اس کے بزرگوں نے اپنی ٹیڑھی ترچھی اور الٹی سیدھی حکمت عملیوں کو عملی صورت دینے سے پہلے ہی اہل بابل کے سے انقلابی بگولے میں پھنس کر اپنی ہستی کو تباہی کے بھنور میں ڈال دیا تھا۔ اس لئے اس دانشمند دور اندیش اور رعایا پرور بادشاہ نے اپنی غیر معمولی محنت و جفاکشی سے اپنے بزرگوں کی غلط کاریوں کی تلافی شرع کر دی اور صدیوں سے تساہل و غفلت میں پڑے ہوئے کام کو اس نے دس سال میں ہی پایہ تکمیل تک پہنچا دکھایا لیکن افسوس کہ اس کے جانشین اور وارث نالائق و نااہل ثابت ہوئے اور وہ اس نیک کام کو ویسی ہی خوبی و خوش اسلوبی سے جاری نہ رکھ سکے۔

۱۸۴۸ء کا انقلاب بھی دنیا بھر کی مختلف قوموں کے لئے ترقی و عروج کی جدو جہد کا ایک رہنما تھا۔ اس لئے جمہوری آزادی و حریت کی غرض سے باشندگان آسٹریا کی کشمکش کا آغاز بھی اسی زمانے سے ہوتا ہے۔ باشندگان جرمنی بھی اپنے مستقل کی کچھ پرواہ نہ کرکے اور اس انقلاب کی بنیادی وجوہات کو اچھی طرح سوچے سمجھے بغیر ہی اس انقلابی تحریک کے طوفان عظیم میں کود پڑے اور اپنی طرف سے عالمگیر جمہوریت کے جذبات کو پیدا کرنے میں بھی انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ لیکن بد قسمتی سے مجبور ہو کر وہ اپنی اس حالت اور ان اصولوں پر قائم نہ رہ سکے اور آخر انہیں ان سے روگرداں ہونا پڑا۔

یعنی ایک ہر دلعزیز قومی زبان پیدا کرنے کے بنیادی اصول کی کچھ پرواہ نہ کرکے انہوں نے اپنی نمائندہ حکومت کی جو بنیاد ڈالی وہی جرمن جاتی کے اثر و اقتدار کے لئے تباہ کن ثابت ہوگئی۔ اور اسی کی وجہ سے ان کی سلطنت کا زوال شروع ہوگیا لیکن پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بھی بذات خود ایک نئی اور شان دار سلطنت کی بتدریج نشونما کی تاریخ ہے۔ جس کا مطالعہ خالی اور دلچسپی نہ ہوگا۔ مگر فی الحال میرا یہ ارادہ نہ تھا۔ کہ میں اس تاریخ کو بہ تفصیل بیان کرنے کی زحمت میں گرفتار ہوں۔ کیونکہ اس کتاب کی تحریر سے میرا مقصد و مدعا کچھ اور ہی ہے

www.freepdfpost.blogspot.com

یہاں ان واقعات کا جو مختصر سا ذکر میں نے کیا ہے۔ اس سے صرف یہی مطلب ہے کہ قارئین کو اقوام عالم کے تنزل کی وجوہات اور زمانہ قدیم کے چند ضروی واقعات کا کچھ سرسری سا علم ہوجائے اور وہ سیاسی نقطہ خیال مختلف امور پر کچھ غورو فکر کرنا سیکھ جائیں اگر چہ اپنے متعلق بھی ابھی میں ظاہر نہیں کر سکتا کہ ان مذکورہ بالا واقعات کا میری زندگی پر کیا اثر پڑا ہے اور میں ان سیاسی اصولوں پر کہاں تک عمل کرنے میں کامیاب رہا ہوں۔

آسٹریا کی سیاسی سنستھانوں میں "رائخ ڈائٹ" کا درجہ سب سے افضل و برتر تھا اور وہ آسٹریائی پارلیمنٹ مانی جاتی تھی۔ اس میں عام رعایا کی سبھی جماعتوں کے نمائندے تھے اور اس زمانے میں اسی کا طوطی بول رہا تھا یہ بات بھی صاف ہی ظاہر ہے کہ اس کی بنیاد بھی انگلستان کی پارلیمنٹ کے نمونے پر ہی ڈالی گئی تھی اور اس کا صدر مقام ویانا ہی تھا۔ انگریزی پارلیمنٹ کی طرح اس کے بھی دو ایوان حکومت تھا۔ ایک "ایب جی یورڈ بین سس" اور دوسرا "ہیرے نس" لیکن ان میں ہاؤس آف لورڈ اور ہاؤس آف کامنس سے کچھ فرق بھی تھا اور یہ بالکل ہی ان کی نقل نہ تھے یعنی جس وقت لاڈ بیری نے پارلیمنٹ کے ان دونوں ایوانات کا خاکہ تیار کیا تو اس نے ان میں طاقچوں ستونوں اور مربع و مستطیل گوشوں کی شان و شوکت کا کچھ بھی خیال نہ کر کے ان کی عمارات کو کچھ ایسے طریق پر آراستہ و پیراستہ کیا تھا کہ وہ تاریخ برطانیہ میں بذات خود ایک عجیب چیز بن گئے اور تخیل و تصور کی جدت طرازی کے لحاظ سے ملک و قوم کے لئے باعث فخر مانے جانے لگے۔

لیکن آسٹریا میں سب سے پہلے اور سب سے بڑی مشکل یہ درپیش آئی کہ جب عوام کے نمائندوں کے اجلاسوں کے لئے ڈین نیس نین کی سربفلک اور خوبصورت عمارت سنگ مرمر سے بن کر تیار ہوئی اور اس کی چوٹی پر کلش چڑھایا گیا تو ارباب حکومت کی یہی خواہش تھی کہ اسے زمانہ قدیم کی نمائشی علامات سے آراستہ کیا جائے قدامت پرست یونانی عہدیداروں اور منطقی عالموں نے بھی اس خیال کی تائید کی اور اس طرح اسے قدیم تھیٹروں یا اوپیرہاؤسوں کی مانند سجا کر مغربی جمہوریت کی جدت پسندی کا من مانا مذاق اڑایا گیا صرف یہ ہی نہیں بلکہ ان حضرات نے اس کی فلک بوس چوٹی پر قدیم عالمگیر حکومتوں کے شاہی جھنڈے کو لہرا کر اپنی جماعتی اختلافات و تعصبات پسند خصلت کو پورا پورا اظہار کرنے میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی کہ محب وطن جمہور کے لئے یہ ایک ایسا طعن تھا جس میں اپنی دلی تنگ خیالی اور کمینہ پن کو اس کی آخری حد تک ظاہر کر دیا گیا تھا۔ اس لئے اسے اگر اصلاح پسند فدایان آزادی اور شیدایان

www.freepdfpost.blogspot.com

حریت عام باشندگان ملک کی صریح اور حد درجہ کی توہین بھی کہا جائے تو کچھ مبالغہ نہ ہوگا۔

اگر ان کے اس غیر ضروری بلکہ بیہودہ لغو فعل عمل سے آسٹریا کی شاہی تاریخ کی شان و شوکت میں ہی کچھ اضافہ ہوتا۔ تو شاید جمہوریت پرست محبان وطن اسے اپنی تحقیر سمجھ کر اور اس کے خلاف اپنے غم و غصہ کا اظہار کر کے ہی اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتے۔ مگر ایسا بھی تو نہیں ہوا۔ اور اس طرح ان کا سب غم و غصہ ان کے دل ہی دل میں جوش کھاتا رہا۔

آسٹرین حکومت کے جرمن عنصر کے نوشتہ تقدیر کا انحصار اس قوت و طاقت پر تھا جو رائخ ڈیٹ میں جرمن آسٹریوں کو حاصل تھی۔ جب تک عام رعایا کو خفیہ بیلٹ کے ذریعے رائے دینے کا حق حاصل نہیں ہوا تھا تب تک تو "رائخ ڈیٹ" میں جرمنوں نے اپنی اچھی کرت و طاقت بنائے رکھی مگر ارباب حکومت کو یہ پسند نہ تھا پھر اس وقت کی غیر ذمہ دار اور نام نہاد جمہوریت نواز حکومت اپنی جمہور نوازی کے پردے میں جو بھی کرتی تھوڑا تھا۔ چنانچہ اسی لئے یعنی "رائخ ڈیٹ" سے جرمنوں کی ٹھوس اور متحد طاقت کو ہمیشہ کے لئے مٹا دینے کی غرض سے ہی اس نے نئے قواعد اور انوکھے اصول بنائے جانے کا ڈھونگ رچا ڈالا اور اس عالمگیر حق رائے دہی کے طریق کا انجام یہ ہوا کہ اس کے جاری ہونے کے بعد جرمن پارٹی بے حد کمزور ہوگئی اور رائخ ڈیٹ میں اس کے ممبر حال حال ہی رہ گئے تھے۔ ساتھ ہی اس کے حکومت آسٹریا میں پھر جرمن آسٹرینوں کی جتھہ بندی اور تنظیم کا کوئی راستہ بھی کھلا نہیں رہا۔

عوام کی نمائندگی کے ذریعہ قوم پرستی کے خیالات کی حفاظت و پرچار کا جو ڈھونگ اس طرح رچایا گیا تھا۔ اس پر میرے دل میں کبھی بھی کوئی عقیدت یا اعتماد پیدا نہیں ہوا کیونکہ میں یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس طرح جرمنوں کو ان کے جائز حق نمائندگی سے ہمیشہ محروم رکھنے کی ایک صریح کوشش کی گئی ہے اور دیگر نقائص کی مانند یہ نقص بھی صرف اپنے فوری منشا و مدعا کی حد تک ہی محدود نہ تھا بلکہ اس کا تعلق ایک نہایت وسیع پیمانے پر تمام آسٹرین حکومت کے ساتھ تھا۔

شروع شروع میں تو اس مسئلہ کے متعلق میں یہی سوچا کرتا تھا۔ اگرچہ پہلے کی مانند جرمنوں کی کثرت رائے کو اب بھی قائم رکھا جاتا تھا تب بھی ان اصولوں میں کسی طرح سے کوئی تبدیلی کرنے کی ضرورت نہ پڑتی لیکن سوشلزم کے پردے میں حکومت پرستی کی ہوس کو پورا کرنے کی اس نفرت آمیز کاروائی کو دیکھ کر میں مضطرب ہوگیا۔ کیونکہ اس زمانے کے مغربی جمہوریت کے اصول مارکس کی حقیقی تعلیم کے آئندہ حشر کی علامات کو ظاہر کر رہے تھے اور یہ

www.freepdfpost.blogspot.com

تعلیم ہی اس عالمگیر وبائی مرض کا خاتمہ کرنے والی تھی جو کہ اس وقت چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ پارلیمنٹری طریق حکومت تو صرف اس کا ایک بیرونی اور نمائشی غلاف تھا۔ جس سے کہ اس ڈھونگ کی حقیقت کو چھپا کر اس کی آدھی طرح نمائش ہو سکتی تھی۔ گویا بمصداق ایک مشہور جرمن ضرب المثل کے یہ آگ اور کوڑے کا ایک ایسا میل تھا جس آگ کا خاتمہ بھی خاک یعنی کوڑے کی صورت میں ہی ہو جاتا ہے۔

آخر ویانا میں رہتے ہوئے ہی میں اپنے سلسلہ تحقیقات کے اس امتحان میں کامیاب ہو گیا اور اپنے دل ہی دل میں اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہونے لگا۔ کیونکہ میں یہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ کہ جرمنی میں رہ کر کسی حالت میں بھی مجھے اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں مل سکتا کیونکہ اگر سب سے پہلے میں جرمن پارلیمنٹ کی ہی لغویت سمجھ لیتا تو ممکن تھا کہ میرے خیالات اب کی نسبت کچھ مختلف ہوتے اور میں بھی ان لوگوں میں شامل ہو جاتا جو اپنے منہ پر آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اندھے بنے ہوتے ہیں اور قوم یا حکومت کی بہتری کے خیال سے استحکام سلطنت کے خواب دیکھتے ہوئے انسانیت کی ترقی اور رفتار زمانہ کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔

لیکن آسٹریا میں یہ کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ کیونکہ وہاں ایسی سہولیات کے ساتھ غلطی پر غلطی نہیں کی جاسکتی تھی۔ اگر آسٹریا کی پارلیمنٹ نا اہل و ناقابل تھی تو وہاں کا حکمراں شاہی خاندان ہیپسبرگ اس سے بھی بڑھ چڑھ کا نالائق و نا معقول تھا۔ لیکن جب پارلیمنٹ کوئی ایسا ہی خلاف انصاف کام کر بیٹھتی ہے۔ تو اس کی ذمہ داری کسی بھی خاص شخصیت پر عائد نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے کوئی بھی جواب دہ نہیں ہوتا۔

اب یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ کیا اس گورنمنٹ کو جو نظام حکومت کو کسی طرح کچھ نقصان پہنچا کر صرف استعفیٰ داخل کر کے ہی اپنی غلط کاریوں کے نتائج سے بچ جاتی ہے۔ اس نقصان کے لئے جواب دہ نہیں ٹھہرایا جاسکتا جو اس کی غلطیوں سے بھی اسی کے سر پر نہیں لا دی جا سکتی۔؟ اگر نہیں تو کیا اس سے اختلاف رائے رکھنے والے مخالف بھی گورنمنٹ کی غلط کاریوں کے لئے جواب دہ قرار دیئے جا سکتے ہیں کیا کوئی شخص بھی کسی خاص ہستی کو کسی ایسی گورنمنٹ کے کسی کام کے لئے ذمہ دار ٹھیر سکتا ہے۔ جس کی مشینری پر ان لوگوں کا قبضہ ہو۔ جو اس کے ہمراہ نہیں؟ یا کسی بھی سربراہ اور مدبر کا یہ فرض نہیں کہ وہ ایسے موقع پر خوب سوچ سمجھ کر کوئی معقول و مدلل روشن اختیار کرے۔ اور خرابی کو روکنے کے لئے موزوں و مناسب ذرائع کا سہارا لے؟ کیا عوام کو اپنی تجاویز کا حامی بنانے کی غرض سے طرح طرح کی الٹی سیدھی

www.freepdfpost.blogspot.com

دلیلیں دے دے کر ان کی آنکھوں میں دھول جھونکنے والے چاکی چالبازوں سے اس کے سوا کچھ اور بھی امید کی جاسکتی ہے بلا شبہ ایک ہوشیار اور معامل فہم مدبر کی پہچان صرف ہے۔ کہ وہ کسی مسئلہ کو کس طرح پیش یا حل کرتا ہے۔ اور پھر اسے کس طریق سے عملی جامہ پہنا کر پایہ تکمیل تک پہنچاتا ہے! میری رائے میں تو صرف وہی لوگ مدبر کہلانے کے مستحق ہیں جو عوام کے دلی خیالات کو خوب اچھی طرح سمجھتے ہوئے انہیں کسی نہ کسی طرح سمجھا بجھا کر سیدھے اور پسندیدہ راستے پر لے آنے کی طاقت رکھت ہیں۔

کیا ہم یہ یقین کر سکتے ہیں کہ کثیر التعداد عام لوگوں کی مشترکہ عقل سے ہی ترقی ہو سکتی ہے۔ کسی خاص طور پر قابل و لائق شخص کے علم و عقل سے نہیں؟ یا ہم اس بات کو کبھی خیال تک بھی اپنے دل میں لاسکتے ہیں کہ زمانہ مستقبل میں بھی نوع انسانی کی عقل سلیم ہمیشہ اسی نقصان اور تباہ کن طریق عمل کی پیروی کرتی رہے گی؟ اس کے علاوہ کیا یہ مسئلہ پہلے کی نسبت آج بدرجہا زیادہ ضروری اور پیچیدہ نہیں ہوگیا؟ اس لئے میر رائے میں تو آج کل کے انقلاب انگیز زمانے میں ایسے دقیانوسی خیالت ہمارے لئے ضروری نہیں کہ کسی خاص ہستی کی عظمت و اہمیت کو نا منظور کر کے اس کی بجائے کثیر التعداد جماعت کے فیصلوں کے سامنے ہی ہمیشہ سر جھکایا جائے اور پارلیمنٹری طریقے کے مطابق کثرت رائے سے ہی منتخب شدہ قابل اشخاص کی معرفت جو نظام حکومت قائم ہو اس کی مقرکردہ کسی قاعدے اور قانوں یا اصول کی مخالفت ہمیشہ ہی ایک گناہ کبیرہ خیال کی جانے چاہئے۔

کم از کم یہودی اخبارات کا باقاعدہ سر سری مطالعہ کرتے رہنے والے کسی شخص کے لئے بھی یہ تسلیم کرنا بہت ہی مشکل ہوگا کہ وہ جمہور نوازی کے اس سوانگ کا جھوٹا ڈھنڈورہ پیٹنے والی نام نہاد پارلیمنٹ کے عیب و ہنر کی متعلق کچھ بھی واقفیت حاصل کر سکا ہے" لیکن اگر وہ ساتھ ہی اسے خود بھی مختلف واقعات اور صورت حالات پر کچھ غور و غوض کر کے ان سے اپنے لئے آپ مناسب نتائج اخذ کرنے کی عادت و قابلیت رکھتا ہو تو عین ممکن ہے کہ وہ حقیقت حال سے کچھ واقف ہوجائے اور کبھی اصلی معاملات کی تہ تک پہنچ سکے۔ لیکن عوام میں کتنے آدمی ایسے نکلیں گے جن میں متذکرہ بالا اوصاف موجود ہوں در حقیقت اسی لئے ہماری سیاسی زندگی زیادہ تر فضول بک بک جھک جھک میں ہی گزر جاتی ہے اور ہم اندھ وشواس کی لہر میں بہ جاتے ہیں۔ مگر جو لوگ معاملہ فہم دور اندیش و دانشمند ہوتے ہیں وہ خود سرگرم سیاسیات کے میدان سے ہمیشہ دور بھاگتے ہیں۔ لیکن اس میدان میں داخل ہونے والوں کا مقصد تو سوائے اس کے

www.freepdfpost.blogspot.com

اور بھی نہیں ہوتا کہ حقیقی طور پر کوئی ٹھوس اور مفید کام کرنے کی بجائے صرف اپنی زمانہ شناسی کی بدولت ہوا کا رخ اور لوگوں کی طبیعت کو پہچانتے ہوئے مول تول کر کے اور سودا بھاؤ جانچ کر جیسے بھی ممکن ہو اپنا الو سیدھا کر لیا جائے اور عوام میں سستی ہر دلعزیزی بھی حاصل ہو جائے ایسی حالت میں اگر ملکی سیاسیات کے میدان میں تنگ خیالی' تنگ دلی مطلب پرستی خود غرضی' چالاکی اور چالبازی کا بال بالا رہتا ہے تو تعجب بھی کیا ہے؟

اس لئے ہمیں یہ ہرگز نہ بھولنا چاہئے کہ ایک قابل بے لوث اور بے غرض شخص کی جو عزت و عظمت ہو سکتی ہے وہ کثیر التعداد اشخاص کے حصے میں کبھی نہیں آسکتی خواہ ان کی تعداد کتنی بھی زیادہ کیوں نہ ہو جس طرح ایک سو کیا بلکہ ایک ہزار بے وقوف بھی مل کر کبھی ایک عقلمند شخص کی مانند کسی سوال کو حل نہیں کر سکتے ویسے سو بزدل اور ہزار ڈرپوک اشخاص کی بھیڑ بھاڑ سے کبھی ویسے بہادری ہمت اور جرات بھرے کام سرانجام کی امید نہیں کی جاسکتی جو صرف ایک بہادر اور سورما جرنیل ہی پایہ تکمیل پہنچا سکتا ہے۔

صرف اسی طرح قوموں اور ملکوں میں انقلاب رونما ہوتے ہیں اور ان کی قسمتوں کا پاسہ ہمیشہ پلٹ جاتا ہے۔ کوئی بھی ایسا کام جو بظاہر بنی نوع انسان کے لئے نقصان دہ معلوم ہوتا ہے جب سخت مشکلات وصعوبات کا مردانہ مقابلہ کرتے ہوئے درجہ کامیابی تک پہنچادیا جاتا ہے۔ تو عوام کو متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کی تکمیل سے ہی میدان عمل میں اک کھلبلی سی مچ جاتی ہے۔ اور کسی کو بھی کم از کم اس وقت اس کے خلاف کچھ چون و چرا کرنے کی جرات نہیں ہوتی۔

عام رائے کے متعلق میرا خیال ہے کہ ہم نہایت ہی معمولی سی کوشش اور سمجھ بوجھ سے یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ اس کا رجحان اور رخ کس طرف ہے یہ ہی نہیں بلکہ اسے جدھر چاہیں بدل بھی سکتے ہیں۔ اسی کو علم و روحانی طاقت کا اظہار کہتے ہیں۔ سیاسی نقطہ خیال سے تو رائے عامہ کا معلوم کرنا اپنی عقل اور روحانی طاقت کے آخری فیصلے پر بہت ہی زیادہ انحصار رکھتا ہے کیونکہ سیاسیات کے مختلف صیغوں میں صیغہ تعلیم کو جو اہمیت حاصل ہے اسی کی دوسری صورت "پرچار" ہے جو اخبار اشتہار ہینڈ بل تقریروں اور مباحثوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے یہ سبھی ذرائع عوام کے لئے سکوالوں اور کالجوں کا کام دیتے ہیں۔ حقیقتاً اسی کا نام اپنی روحانی طاقت و قوت کا اظہار ہے۔ یہ ذرائع کسی قوم و ملک کے سرکاری محکموں کے لئے ہی نہیں بلکہ ان سے کم طاقت و جرات نیز جدو جہد اور کشمکش کی ہمت رکھنے والی جماعتوں کے لئے بھی یکساں طور پر

www.freepdfpost.blogspot.com

کھلے ہیں۔ اور ویسے ہی ضروری ہیں۔

دیانا میں رہنے والے ایک پرجوش نوجوان کی حیثیت سے میں بھی تعلیم و تبلیغ کے ان ذرائع کی اہمیت و عظمت سے پوری طرح واقف تھا۔ شروع میں تو مجھے یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ سلطنت اور شاہی حکومت کے پٹھو عام رائے کو اپنے من مانے سانچے میں ڈھال کر اس کی طاقت کو نہایت ہی نامناسب اور برے طور پر استعمال کر رہے ہیں اور ان ہی کی رائے عوام کی آواز مانی جاتی ہے۔ لیکن در حقیقت جو کچھ بھی لکھایا کہا جاتا ہے۔ وہ عوام کی دلی خواہشات یا ان کی حقیقی نقطہ خیال کے بالکل خلاف ہوتا ہے اور اسے مکاری جعلسازی یا شیطانی شرارت کے سوا کچھ بھی نام نہیں دیا جا سکتا چند روز میں ہی مجھے یہ خلاف انصاف طریقے عمل ارباب حکومت کے خود غرضانہ اغراض و مقاصد کی تعمیل و تکمیل کا ایک صریحی ذریعہ محسوس ہونے لگا اور عین اسی وقت عوام کی توجہ چند ضروری مسائل کی طرف سے اس طرح ہٹتی ہوئی معلوم ہونے لگی گویا کہ انہیں بھلا کر ان کا دھیان اور طرف لگانے کی کوشش کی جارہی ہے اور چند ہفتوں کے اندر اندر عوام میں ان خوشامدیوں اور چاپلوسیوں کی تعریف ہر سمت ہوگئی۔ جنہیں پہلے گالیاں دی جایا کرتی تھیں اب ان کی جھوٹی اور فرضی خدمتوں کی ہر طرف واہ واہ ہونے لگی۔ اور ڈھنڈورہ پیٹا جانے لگا نیز ان کی ہر دلعزیزی کو بڑھا کر ان کی ذات سے ایسی ایسی امیدیں ظاہر کی گئیں جو کسی طرح بھی پوری نہ ہو سکتی تھیں اور جنہیں کوئی بھی ضمیر پرست محب وطن اپنے ساتھ ایک منٹ کے لئے بھی وابستہ نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے مقابلہ میں عوام کے قابل احترام اور واجب التعظیم راہنماؤں پر وہ کلنک لگائے گئے۔ اور ان کے نام نامی ایسے قابل نفرت طریق پر تحریر کئے جانے لگے جن کا ٹھنڈے دل سے برداشت کرنا بھی مشکل ہوگیا۔ گویا کہ حکومت پرستوں کی نظروں میں ان کی گراں بہا اور قابل قدر خدمات کا صلہ ان دشنام طرازیوں کے سوا کچھ ہو ہی نہ سکتا تھا۔ ان محترم ہستیوں کے ساتھ یہ شرمناک سلوک دیکھ کر مجھے جو صدمہ پہنچا وہ ناقابل بیان ہے۔ اور مجھے اس زمانے کے اس بڑے شرمناک یہودی اخلاق کا اسی طریق پر ترکی بہ ترکی جواب دینا نہایت ضروری محسوس ہونے لگا۔ کیونکہ آزادی مطالع کا اس سے بڑھ کر قابل مذمت اور افسوسناک مظاہرہ اور کوئی سمجھ میں آہی نہیں سکتا تھا اور اس طرح دوسرے الفاظ میں اخباری آزادی کے اس مجنونانہ استعمال سے عوام کو بھی اپنے ہر دلعزیز لیڈروں کی حمایت اور ان ک عزت کی حفاظت کے لئے وہی طرز تحریر اختیار کرنے کے لئے مجبور کیا جارہا تھا اور انہیں ہر طرح کھلی دھمکیاں دی جارہی

www.freepdfpost.blogspot.com

تھیں نیز ان واقعات سے یہ خوب اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا تھا کہ جاہل عوام کو کس طرح غلط سلط اور بے بنیاد باتوں کے سبز باغ دکھا کر گمراہ کیا جاسکتا ہے اور اس نام نہاد جمہور نواز پارلیمنٹری طریق حکومت کے مقابلے میں جرمن آسٹریئوں کی جمہوریت پرستی کے اصول کتنے اعلیٰ اور بے غرضیانہ تھے۔

سب سے زیادہ قابل غور بات تو یہ تھی کہ دو چار سو اشخاص کی ایک ہی جماعت ہر ایک مضمون پر بحث و تمحیص کر کے اس کے متعلق عملی طریق کار تجویز کیا کرتی تھی اور اسی کو گورنمنٹ یا حکومت ماننا پڑتا تھا کیونکہ جو وزارت بنائی جاتی تھی وہ بھی ان ہی محدود تعداد والے ممبروں میں سے منتخب کی جاتی تھی۔ اور اس متذکرہ بالا ایوان وزارت پر ہی ملک کی حکومت کا تمام دارو مدار ہوتا تھا اس لئے یہ با آسانی خیال کیا جاسکتا ہے۔ کہ اگر یہ محض ایک بہانہ ہی نہیں تو اور کیا تھا؟ اس قسم کی گورنمنٹ اس انجمن کی منظوری کے بغیر کوئی بھی کام نہ کر سکتی تھی۔ جس نے کہ اسے منتخب کیا تھا۔ اس لئے کسی کام کے متعلق گورنمنٹ پر بھی کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوتی تھی کیونکہ کسی سوال کے متعلق کوئی آخری فیصلہ کرنے کی اسے مجال ہی نہ ہوتی تھی اور وہ ہر طرح پارلیمنٹ کی کثرت رائے والی پارٹی کے فیصلے کی پابند تھی یعنی اس کا یہ بھی فرض تھا کہ وہ بہر صورت کثرت رائے کے حکم کی تعمیل کرتی رہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہماری موجودہ جمہور نوازی کا مقصد یہ نہیں کہ انسانی جماعتوں کی تنظیم کرکے ان کی مدد سے حکومت کا نظام ٹھیک کیا جائے کیونکہ کوئی خاص اہمیت عظمت اور قابلیت نہ رکھنے والے بزدل مزاج خوشامد پسند لوگوں کے دباؤں سے جن کی عقل ہمیشہ دبی رہتی ہے اور جو غیروں کے اشاروں پر ناچتے رہتے ہیں وہ کبھی بھی کسی ذمہ دارانہ حکومتی کام کو مناسب طریق پر سرانجام نہیں دے سکتے۔ ہاں جھوٹی جتھے بندی اور پارٹی بازی کا سوانگ ضرور رچا سکتے ہیں۔ لیکن ان کی اس تھوتھی قلعہ بندی سے اصلی کام کرنے والوں پر کسی طرح سے بھی کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور نہ ان کی بدنامی ہو سکتی ہے برخلاف اس کے وہ اصلی کرتا دھرتا ہر طرح من مانی کر کے بھی بھلے کے بھلے ہی بنے رہتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی ایسا قانون نافذ ہوجاتا ہے جو عوام کے لئے نقصان دہ ہے۔ تو ٹٹی کی اوٹ میں شکار کھیلنے والے ان بدمعاشوں کو اس کے لئے کسی صورت میں بھی ذمہ دار نہیں ٹھیرایا جا سکتا۔ حالانکہ جو کچھ ہوتا ہے ان ہی کی کرنی کرتوت سے اور ان کے ہی اشاروں سے ہوتا ہے مگر اس کے لئے بدنام ہوجاتے ہیں عوام کے کمزور دل اور نا اہل اور فرض ناشناس نمائندے جو ان چالوں کو اچھی طرح نہ سمجھتے ہوئے یا

www.freepdfpost.blogspot.com

سمجھتے ہوئے بھی ان کی پورے زور سے مخالفت کرنے کی ہمت و جرات ظاہر نہیں کر سکتے۔ اس لئے حالات موجودہ میں حکومت کی ہر ایک مناسب و نا مناسب کاروائی کی ذمہ داری اور جواب دہی اسی شخص پر عائد ہوتی ہے جو بظاہر عوام کا نمائندہ ہوتا ہے اور برئے نام ان کی رائے کے مطابق کام بھی کرتا ہے خواہ در حقیقت اس کٹ پتلی کو نچانے والا پس پردہ کوئی اور ہی کیوں نہ ہو۔ اسی لئے موجودہ پارلیمنٹری طریق حکومت جھوٹوں مکاروں اور بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے اور کام میں قدم مارنے والوں کے لئے ہی مفید اور مسرت بخش ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک دور اندیش دانش مند' معاملہ فہم اور اپنی ذمہ داریوں نیز جواب دہیوں کو اچھی طرح سمجھنے بوجھنے والا حقیقی مدبر اور کارکن تو ہمیشہ ایسی صورت حال کو نفرت کی و حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ موجودہ نام نہاد جمہور نواز طریق حکومت موروثی حق حکومت کے مکار اور خود غرض حمایتوں کی پردہ پوشی کا ایک بہت اچھا ذریعہ بنا ہوا ہے اور اس کا واحد منشا و مدعا سوائے اس کے اور کچھ بھی نہیں کہ عوام کے مستقبل کو کبھی روشن اور شاندار نہ ہونے دیا جائے اور جیسے بھی ممکن ہو اسے تاریک و مایوسی بخش ہی بنائے رکھے اسی لئے صرف ایک یہودی ہی ہے اسی نمائشی ڈھونگ کی عظمت و اہمیت کا قائل ہو کر اس کی حمایت کر سکتا ہے کیونکہ وہ خود بھی ویسا ہی مکار مطلب پرست خود غرض اور چالباز ہے جیسے کہ وہ لوگ جن کا آلہ کار وہ بنا ہوا ہے۔

بر خلاف اس کے جرمن جمہوریت پسندوں کا مقصد یہ ہے کہ زمانہ ماضی کی ان تمام جماعتوں سے قطع تعلق اختیار کیا جائے ۔ جو متضاد صفات و اوصاف کی ہیں ۔ اور اپنی حکمت عملی کو مد نظر رکھ کر بیک وقت انہیں برداشت کر سکتی ہے مگر یہ روایات یا اوصاف کیا ہیں ؟ ان کا فیصلہ بھی ان کا لیڈر خود ہی کرتا ہے اس لئے اس کی تمام ذمہ داری بھی اسی کے سر پر رہتی ہے۔ یہ لوگ کثرت رائے کے نمائشی ڈھونگ کی کچھ بھی پرواہ نہ کرکے اس قابل ترین ہستی کے حسب ایماء پر ہی سب کام کرتے ہیں جو اپنی زندگی اس مقصد کے لئے قربان کر بیٹھا ہے۔ اگر کوئی اس پر حملہ کرتا ہے اور اس حملے کا جواب دینے کی کچھ ضرورت محسوس کی جاتی ہے تو اسے یہی ایک جواب ملتا ہے کہ جرمن جمہوریت ان رجعت پسند اشخاص کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں کرتی جو ناقابل سیاسی نقطہ خیال سے گرے ہوئے ہیں اور نہ یہ ان کے بل بوتے پر ہی چل سکتی ہے کیونکہ کوئی بھی نا اہل بزدل اور کم ہمت شخص کبھی کسی عظیم الشان کام کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لینے میں کامیاب نہیں ہو سکتا اور اپنی ناقابلیت و کمزوری کے باعث حکومت کا

www.freepdfpost.blogspot.com

بارگراں سنبھالنا اس کے لئے محال ہو جاتا ہے۔

گزشتہ دور کے پارلیمنٹری طریق حکومت نے ہیپسبرگ کی شاہی حکومت کی بد عنوانیوں اور غلط کاریوں، کی رفتہ رفتہ اور بھی حوصلہ افزائی کی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ آسٹریا سے جرمن آسٹرینوں کی طاقت و عظمت کا بھی خاتمہ ہوگیا جس کا انجام یہ ہوا کہ حکومت میں اندرونی اختلافات روز بروز بڑھتے چلے گئے لیکن بایں ہم تمام ارباب حکومت کی واحد کوشش یہی رہی کہ جرمن اقتدار کسی طرح مظبوط نہ ہو بلکہ رہا سہا بھی ملیا میٹ ہوتا جائے۔ خصوصا سب سے آرچ ڈیوک فرانسس فرڈی ننڈ نے آسٹریا کی عنان حکومت سنبھالی۔ تب سے تو آسٹریا میں زیک لوگوں کا اثر و عروج آہستہ آہستہ بڑھائے جانے کی سرگرم کوششیں شروع ہوگئیں کیونکہ اس حکمراں نے اپنے دور حکومت کے آغاز سے پہلے ہی جرمن آسٹرینوں کی طاقت کو منتشر اور کمزور کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اور اختیارات ملنے پر تو اس کی کوششوں کو اور بھی چار چاند لگ گئے۔ اس کی ریشہ دوانیوں سے خالص جرمن دیہات میں بھی آہستہ آہستہ دوسری قوموں کی آبادی اور ان کا عمل دخل بڑھنے لگا اور ان لوگوں کے دلوں میں جرمنوں کے خلاف نفرت وعداوت کے پرچار کو روز بروز ترقی ہونے لگی جنوبی آسٹریا میں تو یہ تحریک اتنی بڑھی کی زیک لوگ ویانا کو اپنا سب سے بڑا شہر ماننے لگے۔

اب ہیپسبرگ خاندان کے با اختیار نمائندے یعنی ڈیوک فرڈی نینڈ کے سر پر یہ دھن سوار ہوئی کہ وسط یورپ میں کیتھولک عیسائیوں کی نا خرید غلام اقوام ایک مرکزی طاقت بنا دیا جائے تاکہ بولشویک روس کی دست درازیوں سے آسٹریا کی کچھ حفاظت ہو سکے۔ اس لئے اس کے خاندان اور مشیران کار میں آہستہ آہستہ زیک لوگوں کا اثر بڑھنے لگا۔ کیونکہ آرچ ڈیوک کی اپنی رفیقہ حیات بھی ایک زیک خاتون ہی تھی اور اس نے محض اس ایک مقصد کو پیش نظر رکھ کر آرچ ڈیوک سے شادی کی تھی۔ اس کا جنم جرمنوں کے مخالف خاندان میں ہوا تھا۔ اور اسی فضا میں اس نے پرورش پائی غرضیکہ اس طرح ہیپسبرگ خاندان کے طریق حکومت میں سیاسیات کے ساتھ ہی ساتھ مذہبی عنصر بھی آہستہ آہستہ داخل ہوتا گیا جو جرمن جمہوریت پسندوں کے نقطہ خیال سے اور بھی زیادہ ناپسندیدہ و ناقابل برداشت تھا اور اس کا انجام کسی طرح بھی تسلی بخش نہیں ہو سکتا تھا۔

مگر جلد ہی ان کی تمام امیدوں نے نا امیدی کی صورت اختیار کرلی۔ رعایا بے قرار و مضطرب ہو اٹھی۔ ظالم حکومت کو بھی اپنا خاتمہ دکھائی دینے لگا ہیپسبرگ خاندان کا تخت و تاج

www.freepdfpost.blogspot.com

چھن گیا اور پوپ روم کے جال سے ایک اور سونے کا انڈا دینے والی مرغی ہمیشہ کے آزاد ہو گئی کیونکہ سیاسیات میں مذہب کو زبردستی گھڑ کر ارباب حکومت نے رعایا کے خوابیدہ جذبہ آزادی کو ایک مرتبہ پھر بیدار کر دیا تھا۔ چناچہ آسٹریا کے قدیم حکمرانوں نے جرمن آسٹرینوں کی طاقت کا خاتمہ کرنے کے لئے جو کوشش کی اس کو جواب پین جرمن یعنی تمام جرمن النسل اقوام کے عالمگیر اتحاد کی تحریک سے دیا گیا۔ جو روز بروز مضبوط تر ہوتی گئی۔

۱۸۷۰ء کی جنگ کے بعد جبکہ ہیپرگ خاندان آسٹریا میں جرمنوں کی تباہی پر آمادہ ہو رہا تھا کیونکہ اس نے جس غلام قوم کی پیدائش کا بیج بویا تھا اس کے پھولنے پھلنے میں جرمن جمہور سخت رکاوٹ ثابت ہو رہے تھے۔ ادھر حکومت کی غلط کاریوں کی بدولت جرمنوں میں انقلاب کی آگ روز بروز تیز سے تیز تر ہوتی جارہی تھی اور وہ اس غیر انصافی و ستم زنی کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ کمربستہ ہو گئے تھے چناچہ انہوں ن نے جو ارادہ کیا تھا آخر اسے پایہ تکمیل تک پہنچا کر ایک دنیا کو دکھلادیا۔ اور قومی آزادی کی روشن شمع کے پروانوں نے حکومت آسٹریا کے خلاف کھلم کھلا علم بغاوت بلند کر دیا مگر ان کی یہ بغاوت آسٹرین قوم کے خلاف نہیں بلکہ ظالم و جفا کار حکومت وقت کے خلاف تھی جو ملک میں مذہبی اختلافات کے شعلے بھڑکا کر آزاد قومیت اور اس کی عظمت کے پاک خیال کو ہمیشہ کے لئے کچلنا چاہتی تھی۔

کچھ عرصہ سے قدیم جرمن تواریخ کی کتب میں معمولی حکومت پرستی اور اپنی مادر وطن کے لئے خالص و پاکیزہ جزبہ الفت کے اختلافات پر بحث جاری تھی۔ کیونکہ ہمیں یہ ہرگز نہ بھول جانا چاہئے کہ انسانی زندگی کا مقدس ترین مقصد کسی حکومت یا قوم کی حمایت یا استحکام نہں بلکہ اس کے قومی خیالات میں حریت و آزادی پسندی کے پاک اصولوں کے عین مطابق مناسب و ضروری تبدیلیاں پیدا کرنا ہے تاکہ وہ رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی جائے۔ کیونکہ عام انسانی حقوق ہر طرح کے قومی و ملکی حقوق پر کئی گنا زیادہ فوقیت رکھتے ہیں۔ اس لئے اگر نوع انسان کی پیدائشی حقوق کی حفاظت کے لئے مناسب جدو جہد کرنے میں کوئی بد قسمت قوم کسی طرح سے بھی پس و پیش کرتی ہے۔ تو یہ اس کی سب سے بڑی بد قسمتی ہے۔ کیونکہ دنیا بذات خود ایک میدان جنگ ہے اور یہاں ہر انسان کی زندگی کا یہ مقصد ہونا چاہئے کہ وہ ایک عام جدوجہد میں مصروف ہو کر اس میں کامیابی حاصل کرے ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اپنے انسانی حقوق کی حفاظت کے لئے جنگ و جدل ہی ہمارا سب سے پہلا فرض ہے اگر کوئی قوم اپنے اس جائز انسانی حق کی خاطر لڑنے اور کشمکش کرنے سے خود کھاتی ہے تو وہ اس عالمگیر طوفان جنگ

www.freepdfpost.blogspot.com

میں اپنی ہستی کو کس طرح برقرار رکھ سکتی ہے ہمیں یہ کبھی بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ دنیا ڈرپوک اور بزدل قوموں کے لئے نہیں ہے صرف بہادروں اور دلیروں کے لئے ۔ مصداق مثل کے کہ ہمت کا حامی خدا ہے"

یا بقول شاعر۔

ہمت بلند وزر کہ پیش خدا وحق
باشد بقدر ہمت تو اعتوار تو

اس طرح ایک طرف تو پیں جرمن تحریک سے تعلق رکھنے والا ہر ایک مسئلہ تھا اور دوسری طرف کر پچین سوشلسٹ پارٹی کی خوفناک ترقی یہ دونوں ہی تحریکیں بطور ایک فرض کے میرے لئے قابل مطالعہ ہیں اور لائق غور و غوض تھیں کیونکہ ان میں سے پہلی تحریک سے مجھے سچی حب الوطنی کا سبق ملتا تھا۔ اور دوسری سے ٹیڑھی ترچھی سیاسی چالوں کا اس لئے میں نے اپنی سیاسی تعلیم کا مرکز ان ہی دو مختلف ہستیوں کو بنایا جو ان تحریکوں کی روح رواں تھا یعنی ایک تو جارج وان سکونر پین جرمن تحریک کے لیڈر کو اور دوسرے کال لوزر کر پچین سوشلسٹ کے رہنما کو۔

انسانیت اور پارلیمنٹری نقطہ خیال سے ان دونوں کی ہی ہستی یکساں اہمیت رکھتی تھی۔ دنیاوی سیاسیات کی ناپاک دلدل سے دونوں ہی کوسوں دور تھے ۔ میری عقیدت و ہمدردی قدرتاً" سب سے پہلے سکونرز کی طرف مائی ہوئی ۔ لیکن کر پچین سوشلسٹ رہنما کے اوصاف کی عزت کئے بغیر بھی نہیں رہ سکا ۔ جب میں نے ان دونوں کا مقابلہ کیا۔ تو سکونرز مجھے زمانہ حال کے اہم دنیاوی سوالات پر کسی قدر زیادہ سنجیدگی اور دور اندیشی سے بحث کرنے والا معلوم ہوا۔ اس نے ہی دوسروں کی نسبت سلطنت آسٹریا کی آنے والی تباہی و بربادی کی وجوہات کو زیادہ صاف و صریح صورت میں دیکھا تھا۔ اور مجھے یقین کامل ہے کہ اس نے ہیپسبرگ حکومت کو اس کی غلط کاریوں کے متعلق جو بروقت فرمائش کی تھیں اگر انہیں حقارت کے ساتھ نظرانداز کر دیا جاتا تو شاید تمام یورپ کے خلاف جرمنی کو جنگ آزما ہونے کی ضرورت نہ پڑتی۔ اور آج کل جرمنی کی حالت کچھ اور ہی ہوتی ۔ لیکن میری رائے میں اگرچہ سکونرر آسٹریا کے ان لاحل مسائل کی تہ تک پہنچ گیا تھا لیکن انسانی طبائع و خصائل کے پہچاننے اور سمجھنے میں اس نے بھی سخت غلطی کھائی۔

برخلاف اس کے ڈاکٹر لوزر میں یہی ایک بہت بڑی خصوصیت اور صفت تھی کہ اسے

www.freepdfpost.blogspot.com

انسانی طبیعت کے آثار چڑھاؤ کا غیر معمولی علم حاصل تھا اور عام انسانوں کو ان کی حقیقی ہستی و حیثیت برتر و بالا تر نگاہ سے دیکھنے کی کمزوری اس میں نہ تھی ہر ایک چیز کو اس کے رنگ روپ میں دیکھ لینا ہی اس کا سب سے بڑا اور قابل تقلید وصف تھا۔ اور اس طرح وہ لوگوں کی طاقتوں کا صحیح صحیح اندازہ لگا کر ان کی کامیابی و ناکامی کے امکان کو ٹھیک طور پر سمجھ سکتا ہے۔

لیکن سکونرر اس علم کا اتنا ماہر نہ تھا۔ اس لئے پین جرمن تحریک کے سب اصول اصولی طور پر تو بے عیب تھے۔ لیکن اپنی دلی و دماغی طاقت و قوت کو عام لوگوں کے دلوں پھونکنے اور پیدا کرنے کی طاقت ان میں نہیں تھی۔ کیونکہ کسی کے دل و دماغ پر اپنی باتوں کا سکہ جمادینا بھی کوئی آسام کام نہیں۔ خصوصاً" سکونرر کے لئے تو یہ ناممکن سا تھا۔ کیونکہ اس کے خیالات نہایت محدود تھے گو اس کی عقل ایک روشن اور درو اندیش انسان کی مانند آنے ولے واقعات کو نہایت صفائی کے ساتھ دیکھ سکتی تھی۔ لیکن وہ اپنے دعوونکی صداقت کسی دل و دماغ پر نقش نہیں کرسکتی تھی۔ سب سے بڑی بد قسمتی یہ تھی کہ آسٹرین جرمن جماعت متوسط طبقے کے لوگوں کو کبھی کوئی اہم کام نہیں کرنے دیتی چنانچہ وہ بھی اس کو اپنے میدان عمل میں آگے بڑھنے کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتا تھا۔ اگرچہ میری رائے میں اس کا یہ خیال ٹھیک نہ تھا۔ کیونکہ درمیانی طبقے کی عظمت کی تہ تک نہ پہنچنا ہی مجلسی مسائل کے متعلق اس کے خیالات کی بے اثری کا ایک واحد باعث تھا۔

ان سب امور میں ڈاکٹر لوزر کی رائے سکونرر سے بالکل متضاد تھی۔ اس نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ کہ رعایا کے اعلےٰ و اوسط طبقات کی موجودہ طاقت نہایت کمزور ہے۔ اس لئے ان میں کسی نئی تحریک کا کامیابی حاصل کرنا بھی ناممکن ہے چنانچہ وہ اپنی تمام حاصل شدہ طاقتوں کے حتی الوسع استعمال کے لئے ہمیشہ آمادہ رہا۔ اور اس میں یہ طاقت بھی نہ تھی کہ وہ ان انجمنوں اور سنستھانوں کو اپنے اصولوں کی طرف کشش کر سکے جو کہ اس وقت ملک میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس طرح وہ تمام قدیم اور موجودہ ذرائع کی مدد سے ہی اپنے نئے خیالات کے پرچار میں ہر طرح کامیاب ہوگیا حالانکہ اس نے بھی اپنے پیروؤں کی اس نئی جماعت کی بنیاد اسی درمیانی طبقے کے لوگوں میں رکھی تھی۔ جو مالی نقصانات کے خیال سے ہمیشہ خوفزدہ رہتے تھے مگر اس نے آہستہ آہستہ اپنے لئے ایسے پیرو پیدا کر لئے جو کمال بے خوفی و ایثار نفسی کے سات اس کے اصولوں کی حمایت میں ہمیشہ سر بکف رہتے تھے۔ اور اس نے اپنی غیر معمولی دور اندیشی و معاملہ فہمی سے رومن کیتھولک چرچ سے بھی اپنے تعلقات قائم کرکے اس کے سب نوجوان

www.freepdfpost.blogspot.com

پادریوں کو اپنی مٹھی میں کر لیا۔ اور کیتھولک مشن کے افسروں نے انہیں اس تحریک سے الگ ہونے کے لئے مجبور کیا تو وہ اپنی غلامی کی تمام زنجیریں توڑ کر کھلم کھلا اس نئی تحریک کے پرچار کوں میں آشامل ہوئے۔

ڈاکٹر لوزر کے کام کی صرف اسی خصوصیت کا ذکر کرنا میرے لے ایک سخت ناانصافی ہوگا۔ کیونکہ وہ صرف ایک ماہر ہوشیار اور چالاک شخص ہی نہیں تھا بلکہ ایک بلند پایہ ریفارمر اور سدھارک بھی تھا۔ اور اپنی قابلیت نیز زمانے کے مطابق حاصل شدہ سہولتوں سے پورا فائدہ اٹھانے کی طاقت کے علاوہ وہ اپنی خواہشات پر بھی پورا قابو رکھتا تھا۔

اس مشہور راستی پسند شخص نے جو مقاصد اپنے سامنے رکھے وہ کسی بھی حالت میں کچھ کم پر شوکت دو دوراز حقیقت نہ تھے۔ اس کی دلی منشا اگر دیانا پر اقتدار حاصل کرنا تھی کیونکہ وہ اس شہر کو ایک ایسی حکومت کو گہوارہ سمجھ رہا تھا جو نہایت ہی کمزور ہو کر گوناگوں امراض کا شکار ہو چکی تھی۔ اور یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جب تک دل کسی قدر تندرست و مضبوط رہتا ہے تب تک دوسرے اعضا کے بھی پھر طاقت حاصل کر کے نئی زندگی پالینے کی امید کی جاسکتی ہے۔"

لیکن اب اس اصول پر عملی طور سے عمل کرنے کے لئے بہت ہی محدود سی مہلت باقی رہ گئی تھی مگر پھر بھی شہر کے ایک اعلیٰ ترین افسر کے طور پر اس نے اپنے عہد حکومت میں جو شان دار کارنامے سرانجام دیئے ایک عرصہ دراز تک ان کی یاد باقی رہ جائے گی۔ مگر پھر بھی وہ اس رولبرگ سلطنت کو اس کی یقینی موت سے کسی طرح نہیں بچا سکا۔ کیونکہ اب اس کا موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

ڈاکٹر لوزر کے رقیب اور ہم عصر سکونرر نے اس صورت حال کو صاف اور غیر مبہم طریق پر پرکھا کہ ڈاکٹر مذکور نے جس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے اس میں اگرچہ اسے خلاف توقع کامیابی حاصل ہوئی ہے لیکن پھر بھی اس کا وہ انجام کسی طرح بھی ممکن نہیں جو ڈاکٹر لوزر کو مد نظر ہے مگر ساتھ ہی اس کے سکونر بھی اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کو پورا نہ کر سکا کیونکہ اس کی کمزوروں پر خوف طبیعت نے اسے بر موقع آگر بڑھنے کی اجازت نہیں دی اور اس طرح یہ دونوں ہی اپنے اپنے ارادوں میں ناکام رہے۔ یعنی نہ تو ڈاکٹر لوزر ہی آسٹریا کو بچا سکا اور نہ سکونرر ہی وہ بزدل جرمن قوم کی مناسب طور حفاظت کر کے اسے عروج و عظمت کے راستے پر ڈال سکا۔

ان دونوں کی ناکامیابی کا مطالعہ ہمارے لئے بہت کچھ سبق آموز ہو سکتا ہے۔ کیونکہ آج

www.freepdfpost.blogspot.com

کل بھی اکثر حالات بالکل ویسے ہی ہیں اور ان پر غور کرنے پر دو غلطیاں صاف طور پر ہماری نظروں کے سامنے برہنہ ہو کر آسکتی ہیں جنہوں نے سکونرر کی پین جرمن تحریک کو اور لوزر کی آسٹریا کو بچانے کے متعلق کوششوں کا کامیاب نہیں ہونے دیا۔

ان میں سے پین جرمن تحریک تو شروع سے ہی عوام کو اپنے معراج خیال کی طرف کشش نہیں کر سکی ۔ اس لئے اس کے پیروؤں اور حمایتیوں کی تعداد بہت کم رہی اور یہی اس کی بیوقت موت کا باعث تھا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ تحریک ہر طرح قابل عزت تھی ۔ اور درمیانے طبقے کے ساتھ اس کا نہایت گہرا تعلق تھا۔ اور ساتھ ہی اس کے یہ اندرونی طور پر نہایت پر شکوہ و پر جلال بھی تھی۔ لیکن اس تحریک کے آغاز سے پہلے جرمن آسٹرینوں کی حالت بہت خطرناک ہو چکی تھی اور ان کی مزید تباہی و بربادی کے لئے ہر سال پارلیمنٹ کی پالیسی سخت سے سخت تر ہوتی جارہی تھی۔ اس لئے جرمن قوم کے بچاؤ کا آخری ذریعہ اگر کوئی تھا تو صرف یہ کہ کسی نہ کسی طرح آسٹرین پارلیمنٹ کا جلد سے جلد خاتمہ کیا جائے ۔ مگر اس کی بھی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی پھر بھی پین جرمن تحریک کے چند ایک حامی پارلیمنٹ میں گھس گئے۔ لیکن ان کے کرتے دھرتے سے کچھ نہ بنا اور آخر انہیں اپنا سا منہ لے کر وہاں سے نکلنا پڑا بلکہ جس طرح انہوں نے اپنے مطالبات کو وہاں پیش کیا اس سے ان کی عظمت و عزت کچھ بڑھنے کی بجائے اور بھی کم ہو گئی۔ کیونکہ نقارخانے میں طوطی کی آواز کیا اثر کر سکتی ہے؟ اور نہ ان کے پاس کوئی کثیر الاشاعت اخبارات ہی تھے۔ جن کی مدد سے وہ اپنی آواز کو پارلیمنٹ سے باہر اور اس کے اردگرد رہنے والی اخبار بین پبلک تک پہونچا سکتے تھے۔

میری رائے میں ان کے لئے میں اپنے مطالبات پیش کرنے کی غرض سے پارلیمنٹ کچھ موزوں مقام بھی نہ تھا بلکہ اس کا سیدھا اور آسان طریقہ یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے عام رائے کو اپنے حق میں کرنے کے لئے پبلک جلسوں میں اپنی آواز بلند کرتے جاتے جہاں کہ ہزاروں خیال اور معقول پسند عوام مقرروں کی تقریریں سننے اور ان خیالات پر غور و غوض کرنے کے لئے ہی جمع ہوتے ہیں۔ لیکن پارلیمنٹ میں ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہاں کی حاضری صرف چند سو تک ہی محدود رہتی ہے اور ان میں بھی زیادہ تر مطلب پرست اور خود پرست ہوتے ہیں ۔ اور جدھر اپنا فائدہ دیکھتے ہیں بغیر سوچے سمجھے ادھر ہی لڑھک جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر اصول پرست لوگوں کو پارلیمنٹ میں شکست ہی کھانی پڑتی ہے اس لئے ایسے لوگوں کے سامنے کچھ کہنا سننا بھینس کے آگے بین بجانے کی نسبت کچھ زیادہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

اسی لئے پین جرمن تحریک کے نمائندے بھی آخر پارلیمنٹ میں بولتے بولتے تھک گئے۔ لیکن ان کے ہاتھ پلے کچھ نہ پڑا ۔ اخبارات کا سلوک ان بیچاروں کے ساتھ اس سے بھی بڑھ کر شرمناک تھا اول تو وہ ان تقریروں کی رپورٹ چھاپتے ہی نہ تھے اگر شائع بھی کرتے تھے تو بہت توڑ مڑور کر بے رابطہ اور بے جوڑ فقروں کی شکل میں جن کا مطلب مدعا سبھی مارا جاتا تھا۔ اور سر پیر کچھ بھی نہ بنتا تھا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اس تحریک کے مقاصد کی طرف سے عوام کی رغبت پھر گئی۔ اور اس طرح یہ اپنی موت آپ ہی مر گئی۔

مگر پھر بھی میرا خیال ہے کہ پین جرمن تحریک کامیاب ثابت ہو سکتی تھی بشرطیکہ لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آجاتی کہ یہ تحریک کوئی نئی پارٹی قائم کرنے کے لئے نہیں بلکہ ملک میں ایک نئی زندگی پیدا کرنے کے لئے جاری کی گئی ہے اس کے آخر تک اپنا جنگ جاری رکھنے کے لئے صرف یہی ایک واحد طریقہ ہو سکتا تھا اور اس زبردست کشمکش میں ہی تمام اندرونی طاقتوں کو اسی طرح مصروف رکھا جا سکتا تھا کہ وہ روز بروز طاقتور ہوتی جاتیں لیکن افسوس کہ اس کا بہادر اور عقلمند رہنما اپنی تھوڑی سی ناسمجھی کے باعث اپنے اس پاک مقصد کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکا ۔ کیونکہ اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر جنگ و جدل کرنے وال ایک سورما بھی اگر کسی خاص اصول کی خاطر جنگ نہ لڑے تو اس کے لئے بھی کچھ عرصہ بعد اپنے مقصد کی خاطر اپنی جان خوشی سے قربان کر دینا ناممکن ہو جاتا ہے ۔ لیکن جب کوئی شخص محض اپنی خود غرضی کے لئے جنگ کرتا ہے تو عوام کی پوری پوری ہمدردی بھی کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔

بالمقابل اس کے گرجا گھروں میں زیک پادریوں کے عمل دخل کو ترقی دے کر حکومت نے آسٹرین رعایا کو اپنی غلامی کی زنجیروں میں اور بھی اچھی طرح جکڑ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ سب سے پہلے جرمن گرجا گھروں میں ہی انہیں داخل کیا گیا ۔ اور وہاں گھستے ہی نہیں انہوں نے آہستہ آہستہ زیک قوم کا اثر عوام پر بڑھانا شروع کر دیا۔ اس طرح حکومت نے زیک مقاصد کی تکمیل اور جرمن قوم کے انتشار و کمزوری کی یہ ایک دوسری صورت پیدا کر دی جس سے بیچارے جرمن پادری حکومت کی اس قابل مذمت کمینہ پالیسی کی بدولت بھی بیدست و پا ہو گئے۔ اب ان کے لئے اوروں کے خلاف جنگ کرنا تو درکنار اپنی حفاظت بھی مشکل ہو گئی ۔ اور ان پر بھی طرح طرح کے مظالم ہونے لگے اس طرح جرمن قوم آئے دن کی ان چھوٹی چھوٹی مشکلات کا مقابلہ کرنے کی جھنجھٹوں میں پھنس کر ایک طرف تو مذہبی میدان میں اور دوسری طرف سیاسی اکھاڑے میں اپنے سب داؤ پیچ بھول گئی۔ اور ترقی و عروج کا راستہ چھوڑ کر تنزل کی

www.freepdfpost.blogspot.com

تاریک غار کی طرف آہستہ آہستہ دھکیلی جانے لگی۔

مگر جارج سکونرر بھی ان لوگوں میں نہ تھا جو مشکلات سے گھبرا جاتے ہیں یا کسی کام کو نامکمل طور پر شروع کرتے ہیں چنانچہ اس نے مذہبی میدان میں بھی مخالفوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ اسے یہ پورا یقین تھا کہ وہ تنہا ہی جرمن قوم کی ہر پہلو سے حفاظت کرنے میں کامیاب ہو سکے گا۔ لیکن اگرچہ شروع شروع میں تو اسے اپنی یہ مذہبی تحریک بڑی مضبوط اور زبردست معلوم ہوئی' کیونکہ اس کے حملے کا طریقہ نہایت پر زور اور سخت تھا۔ مگر بعد میں یہ بھی جلد ٹھنڈی پڑ گئی اور میرے خیال میں یہ بھی اچھا ہی ہوا کیونکہ اگر کہیں یہ تحریک کامیاب ہو جاتی تو اس کا نتیجہ اور بھی زیادہ خراب بلکہ بے حد افسوسناک ہوتا۔ یعنی جرمنی ہمیشہ کے لئے تباہ کن مذہبی اختلافات میں پھنس جاتا اس میں شک نہیں کہ جرمن پادریوں کے اختیارات زیک پادریوں کی نسبت بہت محدود تھے۔ ماسوائے اس کے زیک پادریوں کا برتاؤ اپنے عوام کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ اس لئے چرچ کے افسر بھی ان کی کارگزاری سے خوش تھے برعکس اس کے جرمن پادری صرف چرچ کی ہی خدمت جی جان سے کیا کرتے تھے اور عوام کے ساتھ ان کا سلوک روکھا پھیکا تھا اس لئے چرچ کے افسر بھی ان سے مطمئن نہ رہتے تھے۔

اس سلسلہ میں شاید اس طریق عمل پر بھی کچھ غور کرنا نامناسب نہ ہوگا جو عوام کے قومی جذبات کو بیدار کرنے والی کسی تحریک کے خلاف اختیار کئے جاتے ہیں یہ سلوک آسٹرین حکومت کی طرف سے ہی کچھ مخصوص نہ تھا اور نہ اس پر کچھ تعجب ہی ہونا چاہئے کیونکہ تقریباً ہر جگہ کم و بیش ایسا ہی ہوتا ہے اور پانچ سال پہلے بھی ایسا ہی ہوتا تھا اگرچہ یہ ٹھیک طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ ایسا کیوں کر ہوا یعنی یہ کوئی قدرتی عمل تھا یا کسی خاص معرکہ خیز دماغ کی کوئی جدت!

اس کے ساتھ ہی یہ سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا موجودہ زمانے میں جرمن اور آسٹرین دونوں قوموں کا رخ یہودی کی طرف یکساں تھا؟ جس کا نہ مذہب سے ہی کچھ تعلق تھا اور نہ قومی یا سیاسی مفادات سے ہی اگر آپ کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے تو اس سے یہ اندازہ بھی بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے کہ ابھی تک آپ کو یہودی لابی (یہودی گرجا) کے متعلق کوئی خاص علم نہیں اور آپ یہ نہیں جانتے کہ یہودی گرجا کے خیالات کسی قوم کے قومی مفادات کے متعلق کیسے ہیچ اور پوچ ہیں؟ اور نہ آپ ان کا مقابلہ اس سلوک کے ساتھ ہی کر سکتے ہیں جو متذکرہ بالا دونوں عیسائی جماعتوں کی طرف سے جرمن پادریوں کے ساتھ روا رکھا گیا تھا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں ہم لوگوں کے ساتھ تو ہمیشہ سے ہی ایسا سلوک ہوتا آیا ہے۔ اسی لئے ہمارے خیالات آہستہ آہستہ پختہ اور یقینی ہوگئے ہیں شاہی اختیارات جمہوریت' مسئلہ امن عالم' مسئلہ بین الاقوامیت' مسئلہ سوشلسٹ' مساوات وغیرہ وغیرہ

سبھی مسائل آہستہ آہستہ اپنے اصلی روپ میں ہمارے سامنے آتے رہے ہیں اور ان سب کے متعلق ہم نے اپنی رائے نہایت مکمل یقینی بے لوث اور پختہ طور پر قائم کرلی ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم ہر سوال پر اسی نقطہ خیال سے اپنی فیصلہ کن رائے ظاہر کر سکتے ہیں ہمارا اصلاحی پروگرام جہاں تک جرمن مفادات سے اس کا تعلق ہے ہمیشہ یہ رہا ہے کہ جرمنوں میں ان کی ذاتی پاکیزگی اور قوم پرستی کو ترقی دی جائے ان کی قومی زبان اور قومی طریق زندگی کی حفاظت کی جائے۔ جرمن آزادی کے ساتھ تعلق رکھنے والے مسائل کی طاقت و اہمیت میں اضافہ کرنے کے لئے ہمیشہ ان کی حفاظت کی جائے۔ اور جرمن قوم کی ملکی آزادی کے ساتھ تعلق رکھنے والے مسائل کی طاقت و اہمیت میں اضافہ کرنے کے لئے ہمیشہ کوشش جاری رکھی جائے اس لئے ہم نے اس کے راستے میں پیدا ہونے والی رکاوٹوں کی کبھی بھی کچھ پرواہ نہ کرکے اپنے اس پروگرام کو ملک و قوم کے لئے مفید منفعت بخش ثابت کیا ہے۔

ہمارا ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ سیاسی جماعتوں کا مقصد کسی صورت میں بھی مذہبی مسائل کے اندر دست انداز نہ ہونا چاہئے اگر وہ ایسا کرتی ہیں تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے قومی اور سیاسی اخلاق میں ایک گراوٹ پیدا ہوچکی ہے اسی طرح مذہب کو بھی سیاسی رقابتوں اور پارٹی بازیوں سے ہمیشہ بالا تر رہنا چاہئے اور اپنے آپ کو خود غرضیوں اور مطلب پرستوں سے پاک رکھنا چاہئے کیونکہ اگر مذہب (چرچ) کے ذمہ دار افسر و حکام اپنی مذہبی جماعتوں اور مذہبی اصولوں کو سیاسیات میں دخل دینے کی اجازت دیتے ہیں تو وہ اپنے پیروؤں کی قوم پرستی و حب الوطنی کے ساتھ ایک ہلاکت آفریں سلوک روا رکھتے ہیں اور اپنے ہاتھوں ان کا گلا گھونٹنے کے جرم کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں جس سے انہیں ہر ایک فائدہ کی بجائے الٹا نقصان ہی پہنچتا ہے کیونکہ مستقبل قریب میں ہی یہ عمل ان کی تمام طاقت و رسوخ کے لئے سخت تباہ کن ثابت ہوتا ہے بالکل اسی طرح ہی سیاسی لیڈر کو بھی کسی حالت میں کسی مذہبی مسئلہ یا جماعت کے کاموں میں کوئی دست اندازی نہ کرنی چاہئے ورنہ وہ صحیح معنوں میں سیاسی مدبر نہ کہلا سکے گا۔ اور وہ زیادہ سے زیادہ ایک مذہبی ریفارمر کا درجہ پائے گا۔

اس کے خلاف کوئی بھی طریق عمل جرمنی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور قومی اور ملکی

www.freepdfpost.blogspot.com

مصائب کے وقت اس کے صحیح طور پر رہنمائی نہیں کر سکتے۔ پین جرمن تحریک کی رو کے ساتھ جو کشمکش رہی ہے اس کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد بھی میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قومی و سیاسی معاملات میں اپنی محدود سی معلومات کے باعث اس نے عوام کی طاقت جنگ و جدل کا کبھی ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں لگایا اور پارلیمنٹ میں داخل ہو کر اس نے اپنی تمام طاقت برباد کر دی نیز وہاں سے جو کمزوری اسے بطور انعام حاصل ہوئی اسی کی بدولت اس نے اپنے آپ کو تباہ کر لیا اور مذہبی فرقوں (چرچوں) کے خلاف اس کی کوششوں نے اس رہی سہی ہمدردی کو بھی اڑا دیا جو عوام کو اس تحریک سے کچھ تھوڑی بہت باقی رہ گئی تھی اس طرح وہ اپین ان مددگاروں کی امداد سے بالکل ہی محروم ہو گئی جن کے خیالات خالص طور پر سیاسی تھے اور جو سیاسیات کو مذہب سے قطعاً بے تعلق دیکھنا پسند کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جرمن تحریک آسٹریا میں حقیقی طور پر بالکل کامیاب نہیں ہوئی۔ اور وجوہات کی بنا پر اس کا کرسچین سوشلسٹ تحریک سے اختلاف رہتا تھا وہ بالکل صحیح اور دانشمندانہ طور پر حق بجانب تھیں۔

کرسچین سوشلسٹ پارٹی کی جدو جہد کچھ کامیاب ضرور تھی لیکن اپنے نتیجے کے لحاظ سے وہ بھی فضول ہی ثابت ہوئی۔ اس میں عوام کی عظمت کا خیال ضرور تھا اس نے اپنے آغاز سے ہی اغراض و مقاصد کو بھی نہایت اعلیٰ ثابت کر دکھایا تھا اور اسی لئے عوام کو اپنی طرف کھینچ بھی لیا تھا کیونکہ اس کی بنیاد بھی درمیانہ طبقہ پر ہی تھی۔ اس لئے اسے مزدوروں اور درمیانہ طبقہ کے ادنیٰ درجے سے تعلق رکھنے والے لوگوں میں ایثار نفسی کا مادہ پیدا کرنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگی نہ اس نے کسی مذہبی فرقے سے فضول کے لڑائی جھگڑے ہی کھڑے کئے بلکہ اس ایسی کو اپنی پاس تک بھی بھٹکنے نہ دیا اور اسی کا یہ نتیجہ ہو کہ اسے ایک ایسے نظام کا سہارا مل گیا جو چرچ کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا جس سے اس میں اپنے پیروؤں نیز عوام پر قدرتاً" ایک روحانی اثر ڈالنے کی خصوصیت پیدا ہو گئی لیکن آخر یہ پارٹی بھی اپنی کوششوں سے آسٹریا کو نہ بچا سکی۔

اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ اس نے اپنے اصلی اغراض و مقاصد کو بالکل تاریکی میں رکھا جس کے باعث اس سے دو بڑی نہایت خوفناک غلطیاں سرزد ہوئیں۔ اول یہ کہ قومی بنیادوں کی بجائے اس کی بنیاد مذہبی خیالات پر قائم ہو گئی۔ اس لئے موجودہ مذاہب سے اس کی کوئی کھلی ٹکر نہ ہونے کے باوجود بھی اس تحریک کو انکار قیب خیال کیا گیا۔ یہی خیال اس کی دوسری غلطی کا باعث بھی بنا۔ اور وہ غلطی یہ تھی کہ اس کے بانی مبانی نے خیال کیا کہ اگر کرسچین سوشلسٹ

www.freepdfpost.blogspot.com

پارٹی کامقصد حکومت آسٹریا کو تباہی سے محفوظ رکھنا ہے لیکن پھر بھی اسے کسی قومی یا ملکی بنیاد پر قائم کرنیکی کچھ ضرورت نہیں کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ موجودہ حکومت کا خاتمہ جلد ہوجائے ساتھ ہی اس پارٹی کے رہنماؤں یہ بھی خیال تھا کہ ویانا کی رعایا موجودہ حکومت کی تباہی کا مطالبہ نہیں کرتی۔ بلکہ صرف یہ چاہتی ہے کہ مختلف فریقوں کے باہمی اختلافات کو دور کر کے ان میں اتحادو اتفاق قائم کیا جائے لیکن اس زمانے میں ویانا زیک لوگوں سے اتنا بھر گیا تھا کہ سوشلسٹ پارٹی قومی مسائل کی پر تکلیف کشمکش میں پھنس کر ہی اپنے آپکو جرمنوں کی رقابت سے بالاتر رہ سکتی تھی اور اگر اسے آسٹریا کی موجودہ حکومت کو بچانا ہی مقصود تھا تو بھی ایک مضبوط اور ٹھوس پارٹی بنے بغیر ہی اس کا کام چل نکلنا ناممکن تھا مگر اس نے خود مضبوط بننے سے پہلے ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کی غرض سے چالباز مصلحت شناس کثیر التعداد زیک سوداگروں کی مخالفت شروع کردی ۔ کیونکہ وہ اپنے دل میں یہ اچھی طرح سمجھ بیٹھی تھی۔ کہ قدیم آسٹریا میں پارٹی بازی پیدا کرنے والا یہودی فریق جو مذہبی بنیادوں پر قائم ہے اس پر تو ہمیں بہ آسانی ہی ایک ۔ثنی اور لاثانی فتح ہو جائے گی حالانکہ یہ حقیقت صاف ہے ظاہر تھی کہ انکی اس چال سے یہودیوں کو بہت ہی محدود سا نقصان پہنچ سکتا تھا اور اگر زیادہ سے زیادہ نقصان بھی پہنچتا تو ان کا اپنے مذہب پر اتنا مضبوط عقیدہ تھا۔ کہ اپنے "آب مقدس" کی ایک مذکور سی وہ اپنی یہودیت کی حفاظت کے لئے بہت کافی خیال کرتے تھے اور اس کے مقابلے میں کسی بڑے سے بڑے نقصان کو بھی کچھ نہ گنتے تھے۔

غرضیکہ اس طرح جلد بازی اور بے سوچے سمجھے کی ہوئی بات بہت سی کارگزاریوں سے کر بیچین سوشلسٹ پارٹی بھی بہت جلد عوام کی نظروں سے گر گئی اس کا یہ مکارانہ اور نامکمل رقابت کا خیال در حقیقت تھا بھی بالکل واہیات اور فضول کیونکہ اس کی بدولت اس نے عوام کو اور اپنے آپ کو صرف اتنی تسلی دے رکھی تھی کہ اس طرح وہ صرف غیروں کی دست درازیوں سے اپنے حقوق کی حفاظت کر رہی ہے اور عوام کو یہ بتلا رہی ہے کہ اس کے رقیب و بد خواہ غلط راستے پر ہیں مگر اسے یہ معلوم ہی نہ تھا کہ وہ خود بھی سیدھا راستہ بھول کر الٹ راستے پر پڑگئی ہے۔

اگر ڈاکٹر لوزر آسٹریا کی بجائے جرمنی کے باشندے ہوتے تو آج وہ بھی جرمنی کے مہاپرشوں میں شمار کئے جاتے۔ یہ انکی اور انکے طریق عمل کی بد قسمتی ہی تھی کہ اپنے آخری ایام میں بلقان میں ایک غیر معمولی تیزی کے ساتھ بغاوت کی آگ کو مشتعل دیکھ کر انکا دل کچھ

www.freepdfpost.blogspot.com

ٹھنڈا پڑ گیا۔ اور وہ یہ جان گئے تھے کہ جن باتوں کو وہ اب تک صحیح سمجھتے رہے تھے وہ غلط بھی ثابت ہو سکتی ہیں۔

جرمن قوم میں اتحاد و اتفاق پیدا کر کے اسے ایک نئی زندگی بخشنے کی غرض سے جو پین جرمن تحریک شروع کی گئی تھی اس کا منشا و مدعا تو بالکل ٹھیک تھا لیکن اس کے کام کرنے کے طریقے وقت کے لحاظ سے موزوں نہ تھے اگرچہ وہ ایک قومی تحریک تھی لیکن افسوس یہی ہے کہ عوام نے اسے مکمل طور پر ایک ملکی و قومی تحریک نہیں سمجھا دوسری اقوام اور جماعتوں سے رقابت و مخالفت کا خیال جو وہ تمام جرمن النسل لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنا چاہتی تھی وہ اگرچہ مذہبی بنیادوں پر نہیں بلکہ قومی و ملکی پر ہی قائم کیا گیا تھا لیکن صرف ایک ہی فریق یا قوم کی بہتری کے لئے کھلم کھلا جنگ و جدل کرنا در حقیقت سیاسی نقطہ خیال سے ایک بہت بڑی بھول تھی۔

اگرچہ جرمن قوم کے نئی زندگی حاصل کرنے کے متعلق کرسچین سوشلسٹ تحریک کے بانی مبانیوں کے خیالات بھی کچھ غیر مشتبہ نہ تھے بلکہ بہت مشکوک تھے مگر ایک پارٹی کی حیثیت سے ان کا رہنمائی کا طریقہ بہت اچھا تھا اور انہوں نے بھی سخت غلطی کی اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ قوم پرستی کے تخیل کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکے۔

میں بذات خود اس وقت سخت بے اطمینانی کے بحر ناپیدا کنار میں پھنسا ہوا غوطے کھا رہا تھا جیسے جیسے میں سلطنت کے کھوکھلے پن کو دیکھتا اور سمجھتا گیا ویسے ہی ویسے مجھے اس کی حفاظت نا ممکن معلوم ہوتی گئی۔ اور آخر مجھے یقین ہو گیا کہ اب تو اس کی ہستی صرف جرمنوں کی زندگی وبال جان بنانے کے لئے ہی باقی ہے میرا یہ پختہ عقیدہ تھا جو شخص بھی جرمنی کے از سر نو عروج اور نشو نما میں رکاوٹ ڈالنا چاہے اسے ہی آسٹریا کے ظل عاطفت میں سہولیت سے جگہ مل سکے گی اس لئے پایہ تخت آسٹریا کی مختلف اقوام اور مختلف نسلوں کے اس مل میل سے مجھے دلی نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ زیک، پول، ہنگرین، رتھیسن، سرب، کریٹ، اور سب سے بڑھ کر موجودہ تہذیب کے جانی دشمن یہودی ان سب کا یہ بڑتا ہوا جمگھٹ دیکھ دیکھ کر میرا دم گھٹتا تھا اور میرا دل ان سب کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات سے ابل ابل کر منہ کو آتا تھا۔

ان سب باتوں کو دیکھ دیکھ کر آسٹرین حکومت کے لئے میرے دل میں کوئی محبت باقی رہنا قطعی ممکن نہ تھا میرا دل ایک ایسی جمہوری حکومت کا خیر مقدم کرنے کے لئے تڑپ رہا تھا جو آسٹریا کی جرمن آسٹرین قوم کے پر محبت اتحاد و اتفاق کی مضبوط بنیادوں پر قائم ہوا اور میں

www.freepdfpost.blogspot.com

جرمن قوم کی آزادی کے لئے تہ دل سے دعائیں مانگتا ہوا آسٹرین حکومت کی تباہی و بربادی کی گھڑیاں گن رہا تھا اس لئے اس وقت میرا دل وہاں جانے کے لئے بے قرار ہو اتھا جہاں کی الفت ابتدائے شباب سے ہی میرے دل میں ایک لطیف خواہش کے طور پر پوشیدہ تھی۔

میں کسی نہ کسی دن ایک سربر آوردہ صناع ہونے کے خواب اکثر دیکھا کرتا تھا لیکن آج میں اپنی زندگی قوم و وملک کی بہتری و بہبودی کے لئے قربان کرنے کو اپنی سب سے بڑی خوش قسمتی سمجھنے لگا اور جس دن میری جنم بھومی کا تعلق میرے وطن سے ہوگا اس دن کو اپنی زندگی کا سب سے زیادہ مبارک دن خیال کرنے لگا کیونکہ یہی میرے دل کی ایک سب سے اہم اور شاندار آرزو تھی۔ جو ایک عرصہ دراز سے مجھے بے قرار رکھ رہی تھی۔

اپنی محدود سے زندگی میں ویانا کے سیاسی حالات سے میں نے بہت سے اہم مفید سبق حاصل کئے اور اب تو میں زمانہ موجودہ کی سیاسی تعلیم کی سب قدرو قیمت اچھی طرح سمجھ گیا ہوں اسی لئے اس زمانے کے حالات کو اتنی تفصیل کے ساتھ یہاں قلمبند کرنے کی ضرورت مجھے محسوس ہوئی ہے۔

چونکہ ان ایام کی پارٹی بازی اور جتھے بندی کے اصولوں کا میں نے نہایت غورو غوض سے مطالعہ کیا تھا۔ اس لئے میرے قیام ویانا کے یہ پانچ سال میری کشمکش میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ اگر میں نے ان دنوں تقدیر کی رہنمائی سے ذاتی طور پر یہ تجربہ نہ کیا ہوتا۔ تو اس زمانے کی یہودیت مجلسی جمہوریت اور مارکس ازم وغیرہ مسایل کے متعلق آج میرے کیا خیالات ہوتے؟

www.freepdfpost.blogspot.com

میونخ میں

میں ۱۹۱۲ کے موسم بہار میں میونخ پہنچا جو ایک جرمن شہر ہے۔ مگر ویانا سے بالکل مختلف بابل کی مانند یہاں کی مختلف قوموں کا خیال کر کے شروع شروع میں تو مجھے اپنا یہاں آنا بہت برا معلوم ہوا کیونکہ یہی حال یہاں کی زبانوں کا تھا جو تقریبا سب کی سب آپس میں بہت کچھ ملتی جلتی تھیں لیکن میرے اس سفر نے ابتدائے جوانی کے اس سفر کی یاد کو ایک مرتبہ پھر تازہ کردیا جو مجھے بویریا کے لئے کرنا پڑا تھا۔ رفتہ رفتہ جلد ہی یہ شہر مجھے ہر طرح بہت پیارا معلوم ہونے لگا اتنا پیارا جتنا کہ شاید دنیا کا اور کوئی شہر معلوم نہ ہو جسے کہ میں پردیس کا نام دے سکوں یہی وجہ ہے کہ میری آئندہ ترقی اور عروج کے ساتھ اس شہر کا خاص تعلق رہا ہے۔ بلکہ میری اور اس شہر کی ترقی کو شاید مادر قدرت نے ایک ہی رشتہ یگانگت سے وابستہ کر دیا ہے۔

جرمنی اور آسٹریا کے بین الاقوامی اتحاد و اتفاق کے خواہشمندوں کے اس وقت دو فریق تھے۔ ایک تو آسٹریا کی ہیپسبرگ حکومت کا اور دوسرا جرمن حکومت کا آسٹریا کی طرف تو اس کی حکومتی ضروریات کا دباؤ اور تعداد کی کثرت تھی اور جرمنی کی طرف تھا بھولا پن اور سادگی نیز سیاسی چالبازیوں سے لاعلمی جو اپنی ہستی قائم رکھنے کے لئے اسے قدم قدم پر باہمی اتحاد و اتفاق کی ضرورت محسوس کرارہا تھا یہ بھولا پن اور سادگی اسلئے کہ کسی نہ کسی طرح یہ خیال جرمن حکومت کے دل میں جاگزین ہوگیا تھا کہ بس اتحاد ثلاثہ یعنی آسٹریا جرمنی اٹلی کے اتحاد و اتفاق کی بدولت ہی وہ جرمنی کی حفاظت کرکے اور اسے دنیا میں مضبوط و طاقتور بنا کر اس کی کچھ خدمت کر سکے گی اور سیاسی چالبازیوں سے لاعلمی اس لئے کہ وہ محض خیالی اصولوں کی فضا میں اپنی زندگی گزار رہی تھی اور یہ تک بھی نہ جانتی تھی کہ اس اتحاد ثلاثہ کے جال میں پھنسا کر وہ جرمنی کو آسٹرین حکومت کی مردہ اور بے جان لاش کے

www.freepdfpost.blogspot.com

ساتھ جکڑ رہی ہے جس سے اس کا تنزل لازمی ہے۔

بہر حال ان دونوں حکومتوں کے باہمی اتحاد و اتفاق کا یہ خیال پین جرمن تحریک کو بے جان اور کمزور کرنے میں بہت مددگار ثابت ہو رہا تھا ادھر تو ہمبرگ حکومت کے نام لیواؤں کا یہ خیال تھا۔ کہ اگر حکومت جرمنی سے کوئی برائے نام نمائشی اتحاد بھی ہو جائے گا تو جرمن آسٹرینوں کی تباہی کے متعلق ہمارے کام میں کوئی رخنہ اندازی نہ ہو سکے گی اور ان کا یہ خیال تھا بھی صحیح کیونکہ اس پالیسی سے وہ نہایت آسانی کے ساتھ بغیر کسی خوف و خطر کے اپنی تمام تر سلطنت میں جرمنوں کو مرعوب کر کے اپنے قابو میں رکھ سکتے تھے اور اس پہلو میں انہیں اپنی کسی بھی دست درازی یا سخت گیری کے خلاف جرمن حکومت سے کسی مخالفانہ کاروائی کا کوئی اندیشہ نہ رہ سکتا تھا اس لئے آسٹرین جرمنوں کے خلاف وہ روز بروز بد سے بد تر سلوک روا رکھ سکتے تھے دوسری طرف پہلے جب کبھی بھی حکومت جرمنی کے خوشامدیوں کو حکومت کی طرف سے کوئی خاص سہولیت عطا کی جاتی تھی تبھی جرمن عوام بگڑا اٹھتے تھے مگر اب اس اتحاد کی دہائی مچاکر انہیں بھی خاموش کرادیا جاسکتا تھا۔

لیکن اگر جرمنی میں تاریخی واقفیت اور سیاسی اصولوں کا کچھ بھی چرچا ہوتا تو عین ممکن تھا کہ کوئی ایک جرمن بھی اس اتحاد میں شریک ہو کر روما کے پوپ اور ہیپسبرگ حکومت کی آسٹرین رعایا کے خلاف برسر جنگ ہونے کی ہرگز حمایت نہ کرتا اور اگر کوئی اطالوی آسٹرین رعایا کے خلاف ہیپسبرگ حکومت کی مدد کے لئے ایک بھی اطالوی سپاہی آسٹریا میں بھیجتا تو تمام اطالوی رعایا آگ ببولہ ہو اٹھتی لیکن جب کوئی غیر طاقت دشمنی سے حکومت آسٹریا حملہ کرتی تو اٹلی دل و جان سے آسٹریا کی مدد کو تیار رہتا چنانچہ ویانا میں آسٹرین حکومت کے تاباں و درخشاں جاہ جلال کے خلاف اطالوی حکومت کی حاسدانہ نفرت کو خود میں بھی کئی مرتبہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا کیونکہ اس اتحاد سے پہلے ہیپسبرگ حکومت نے اطالوی آزادی کے خلاف جو گھورپاپ کئے تھے انہیں اٹلی کبھی قیامت نہ بھول سکتا تھا اور نہ امید ہے کہ آئندہ ہی کبھی بھلا سکے گا اسی لئے اطالوی رعایا یا اطالوی حکومت دونوں میں سے کسی کے دل میں بھی آسٹریا کی شاہی حکومت کے لئے خاص محبت نہیں پائی جاتی تھی۔

اس وقت تو اٹلی کے سامنے صرف دو ہی راستے تھے با عزت صلح یا اعلان جنگ! ان میں سے وہ بطور پالیسی کے پہلے راستے کو اختیار کر کے دوسرے کے لئے پوشیدہ طور پر اپنی

www.freepdfpost.blogspot.com

رعایا کو تیار کر رہا تھا بر خلاف اس کے یہ جرمن اتحاد کی پالیسی نہایت فضول اور خطرناک تھی کیونکہ روس سے آسٹریا کی دشمنی روز بروز بڑھتی چلی جارہی تھی ان دونوں کے درمیان جنگ اٹل معلوم ہوتی تھی جس میں پھنسنے کی جرمنی کو اس وقت کچھ بھی ضرورت نہ تھی۔

پھر اچانک ہی یہ اتحاد کیسے ہوگیا؟ کیا صرف اس لئے کہ ملک کا مستقبل روشن رکھا جائے؟ مگر یہ تو اپنی ذاتی طاقت سے ہو سکتا تھا کیونکہ جرمنی کی آبادی ہر سال نو لاکھ کی تیز رفتاری سے بڑھ رہی تھی۔ تو پھر کیا نو آبادیاں اور ترقی تجارت کے نقطہ خیال سے یہ اتحاد ہوا تھا؟ ان دونوں مسائل کے ہر پہلو پر بھی پوری پوری بحث کی گئی۔ اور آخر یورپ کی وقتی صورت حال کو پیش نظر رکھ کر جنگ کا ہی فیصلہ کیا تھا حالانکہ صلح کا راستہ بھی بہت کچھ کامیاب ثابت ہو سکتا تھا اگر چہ اس میں شک نہیں کہ جرمنی کی روز افزوں آبادی کے لئے نئے نئے خطہ ہائے ملک کی ضرورت تھی اور ان کا حصول اس کے لئے بہت فائدہ مند ثابت ہو سکتا تھا کیونکہ یہ تبھی ممکن تھا جب موجودہ صورت حال کو نظر انداز کر کے صرف مستقبل کو ہی پیش نظر رکھا جاتا۔ لیکن ساتھ ہی اس کے اگر اس پہلو میں اپنی پالیسی کو کیمورون جیسے دور دراز مقامات تک نہ پھیلا کر صرف یورپ ہی محدود رکھا جاتا تو کامیابی کی بہت کچھ امید ہو سکتی تھی گو اپنی ہستی کے لئے لڑنے بھڑنے کا خیال بھی محض قدرتی ہے اور اس کے لئے ہم جرمن پارلیمنٹ "رائخ" کے ممنون تھے کہ وہ اب بھی ہمیں اپنی ہستی قائم رکھنے کی تلقین کرتی رہتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ آج ہماری بین الاقوامی حالت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جارہی ہے۔

یہ طریقہ کیوں مناسب تھا؟ اس کی ایک وجہ اور بھی تھی وہ یہ کہ کئی یورپین ممالک آج بھی پہلے کی مانند اپنی پر امن پالیسی پر قائم ہیں۔ ان کے یوروپین حقوق و اختیارات کا مقابلہ اگر ان کی نو آبادیوں کے بار اور ان کی غیر ملی تجارت کے ساتھ کیا جائے تو یہ بالکل ایک مذاق سا معلوم ہوگا اس کی حمایت میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یورپ کا مقصد دنیا بھر پر اپنا قبضہ اقتدار قائم کرنا ہے" مگر امریکہ کی پالیسی صریحا اس کے خلاف ہے مدعا تو اپنی ہی وسیع حدود کے اندر نئے نئے علاقے آباد کرنا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی اندرونی طاقت کو مضبوط کرتا جارہا ہے لیکن اس کے مقابلے میں یوروپین اقوام و ممالک اپنی طاقتوں کو برابر کمزور کرنے میں مصروف ہیں

انگلستان کا طریقہ عمل بھی اس کے خلاف نہیں لیکن ہم اینگلو سیکسن ممالک اور

www.freepdfpost.blogspot.com

برطانیہ کے حقیقی تعلقات کا رجحان اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں اگر انگلستان اپنی زبان اور تہذیب کے خیال سے امریکہ کا دوست بنا ہوا ہے تو اس کی مثال کسی بھی دوسرے یورپین ملک میں نظر نہیں آتی اس لئے جرمنی کی حصول علاقہ اور نوآبادیوں کے متعلق پالیسی یورپ میں ہی دوسرے علاقوں کو اپنے قابو میں لانے سے بہت مضبوط اور کامیاب ہو سکتی تھی بمقابلہ ایسی نو آبادیوں کے جہاں یوروپین لوگوں کو رہنے میں مشکلات کا سامنا ہو اور اس لئے جو فضول تکلیف وہ ہی ثابت ہو رہی ہیں۔۔۔۔۔

ماسوائے اس کے انیسویں صدی میں ایسے مقامات پر پر امن طریقوں سے قبضہ حاصل کرنا بھی ناممکن نہ تھا لہٰذا نو آبادیوں کے متعلق کسی ایسی پالیسی کا بغیر جنگ وجدل کا میاب کرنا بھی ناممکن تھا اسی لئے یہاں اس پالیسی کا اگر کوئی حمایتی تھا تو صرف برطانیہ وہی جرمنی کی حدود کو وسعت دینے کے متعلق ہمارے سب خوف و خطر کو دور کر سکتا تھا اور اس پالیسی پر عمل کرنے کا ہمیں ابھی اتنا ہی اختیار تھا جتنا کہ ہمارے بزرگوں کو پھر انگلستان سے دوستی قائم کرنے کے لئے کسی بڑی قربانی کی ضرورت بھی تو نہ تھی صرف اپنی نو آبادیوں اور بحری عظمت نیز برطانوی مصنوعات کے مقابلے و رقابت کا خیال ترک کرنے سے ہی یہ مدعا بہ آسانی حاصل ہو سکتا تھا اور اس کے مقابلے و رقابت کا میدان باقی تمام دنیا میں ہمارے لئے بہت کافی وسیع تھا۔

ایک وقت وہ بھی تھا جب برطانیہ خود ہی اس بارے میں جرمنی کی تمام تجاویز سننے کے لئے بے قرار تھا کیونکہ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔ کہ اپنی روز افزوں آبادی کے باعث جرمنی کو کسی نہ کسی سہولت کی سخت ضرورت ہے اور یورپین علاقوں پر قبضہ جمانے میں اس کی مدد نہایت آسانی سے کی جاسکتی ہے ورنہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے دنیا کے دوسرے حصوں پر وہ بغیر برطانیہ کی مدد کے ہی اپنا قبضہ جما لے گا چنانچہ انیسویں صدی کے آخر میں جرمنی کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کا کچھ چرچا بھی لندن میں چھڑا تھا جس سے اس بارے میں برطانیہ کے خیالات کا بہ آسانی اندازہ کیا جاسکتا تھا۔ لیکن اس وقت یہ خبر ملتے ہی جرمنی میں سخت ہل چل مچ گئی۔ اور جرمن مدبروں کو انگلستان کی دوستی میں کچھ بھی فائدہ نظر نہ آیا بر خلاف اس کے وہ یہ سمجھے کہ شاید فریقین کے حقوق و فرائض کا تصفیہ کئے بغیر ہی یہ اتحاد پکا ہو جائے گا۔ اگر اس وقت یہ غلطی نہ کی جاتی تو برطانیہ کی دوستی اور اتحاد کی بدولت کسی اور طاقت کی کچھ پروہ کئے بغیر ہی ہم بلا غل و غش اپنا کاروبار

www.freepdfpost.blogspot.com

بدستور جاری رکھ سکتے تھے کیونکہ برطانوی مدبر یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ بغیر باہمی لین دین کی سپرٹ کے دنیا میں کسی کو بھی کبھی کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ لیکن ادھر جرمنی نے اپنی خارجہ پالیسی میں نہایت ہی غیر ضروری شک و شبہ سے کام لیا۔ ویسا ہی جاپان نے بھی ۱۹۰۴ء میں کیا تھا اگر یہ ہوتا تو اس کا انجام کیا ہو سکتا تھا ؟ اس کے متعلق میں صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ شاید گذشتہ عالمگیر جنگ کا قیامت خیز نظارہ دنیا کو ہرگز نظر نہ آتا لیکن افسوس کہ اس وقت وہ راستہ اختیار نہ کیا گیا اور ہماری ملکی صنعت و حرفت 'عالم گیر قومی تجارت نیز بحری طاقت اور نو آبادیوں کی تمام ضروریات پہلے کی مانند اب تک بد دستور قائم ہیں۔

مگر اس وقت جہاں ایک طرف اس کے خلاف برطانیہ کے ساتھ اتحاد کرنے سے یورپ میں مقبولیت حاصل کرنے کے متعلق ہماری پالیسی ہر طرح کامیاب ہو سکتی تھی وہاں دوسری طرف روس کے ساتھ برطانیہ کے خلاف اتحاد قائم کرکے بھی ہم اپنی نو آبادیوں اور عالمگیر تجارت کی پالیسی کو بہ آسانی کامیاب کر سکتے تھے۔ لیکن افسوس کہ اس وقت جرمن مدبروں نے بغیر کسی دانشمندی و دور اندیشی کے ہی اپنے فرض کا فیصلہ کر لیا اور حکومت جرمنی کو آسٹریا کے جنجال میں پھنسنے سے نہیں بچایا انہوں نے شاید یہ سوچا کہ اس طرح ہم پر امن ذرائع سے دنیا پر اقتصادی فتح حاصل کر لینگے اسی لئے انہوں نے اپنی طاقت کی پالیسی کو جس پر اس وقت تک عمل ہو رہا تھا صرف بالائے طاق نہیں رکھ دیا بلکہ ایک طرح اس کا خاتمہ ہی کر دیا۔

اس سے پہلے کبھی کبھی برطانیہ کی بندر بھبکیاں سن سن کر جرمن مدبروں کو اپنے مقاصد میں رکاوٹ پڑتی ہوئی دکھائی دیا کرتی تھی اور انہیں اپنی کامیابی مشتبہ نظر آنے لگتی تھی اسی لئے انہوں نے اپنا بحری بیڑہ تیار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر اس سے انکا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ اس کے رعب و داب دنیا پر پرامن اقتصادی فتح حاصل کرنے اور عالمگیر امن وامان کے قیام کے متعلق اپنے دل پسند خواب کو کسی طرح پورا کیا جائے۔

لیکن پر امن دنیا پر اقتصادی فتح حاصل کرنے کی ڈینگیں مارنا اور اسے اپنی ملکی پالیسی ظاہر کرنا پھر ساتھ ہی اس کے کہنے میں بھی کچھ پس و پیش نہ کرنا کہ برطانیہ بھی اپنی پالیسی کو اسی طرح عملی جامہ پہنا رہا ہے " جرمن مدبروں کی ایک بہت بڑی حماقت و بیوقوفی تھی جس کی ذمہ داری ہمارے پروفیسر صاحبان کے اس طریق علم پر تھی۔ جسکی پیروی میں انہوں

www.freepdfpost.blogspot.com

نے تاریخ عالم کا مطالعہ کیا اور کرایا تھا۔ اس سے یہ ایک عجیب راز معلوم ہوتا ہے کہ ہم میں سے اکثر حضرات تاریخ بغیر اچھی طرح سمجھے بوجھے ہی پڑھا اور پڑھایا کرتے ہیں اس لئے اس طریق تعلیم کی جتنی بھی جلد کایا پلٹ ہوجائے اتنا ہی اچھا ہے۔

برطانیہ میں بھی انہیں اس اصول کی تردید صاف طور پر دکھائی دے سکتی ہے کیونکہ یہ کبھی اور کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آتا کہ کسی قوم یا ملک نے بغیر تلوار کی طاقت کے دنیا پر اقتصادی فتح حاصل کی ہو۔ یا کسی دوسری قوم نے اپنا یہ مقصد حاصل کرنے میں برطانیہ سے کم بے رحمی اور بے دردی کا اظہار کیا ہو بظاہر کسی خاص سیاسی طاقت کے بغیر غیروں سے کوئی اقتصادی فائدہ حاصل کر لینا اور اس طرح حاصل شدہ فوائد کو جلد ہی سیاسی طاقت سے بھرپور کر دکھانا بھی کیا برطانوی طریق حکومت کی دانشمندی کی دلیل نہیں اس لئے یہ مان لینا بھی کہ انگلستان اپنی اقتصادی پالیسی کی حفاظت میں کبھی کسی طرح بزدل اور ڈرپوک ثابت ہوگا ایک نہایت ہی خوف ناک غلطی ہے علاوہ اس کے اگر یہ کہا جائے کہ برطانیہ کے پاس کوئی قومی فوج نہیں تو یہ بھی ٹھیک نہ ہوگا کیونکہ اس کی قومی فوج کا رنگ روپ بظاہر جنگی نہیں لیکن بروقت ضرورت وہ فوراً اسے پیشتر جنگی بن سکتی ہے کیونکہ وہ اپنی ہر قومی ضرورت کے لئے ہمیشہ اور ہر طرح گولہ باری سے لیس رہتا ہے اسے جہاں جیسے ہتھیاروں سے کامیابی ملنے کی امید ہوتی ہے وہ وہاں ویسے ہی ہتھیار استعمال کرتا ہے مثلاً جہاں لالچ دکھلانے سے فتح ہو سکتی ہے وہاں اس کی چال بھی وہی ہوتی ہے اور جہاں خون بہانے سے فتح کا امکان نظر آتا ہے وہاں تمام قوم اپنے خون کی ندیاں بہاکر بھی اپنی عزت و عظمت کی حفاظت کرنے میں دریغ نہیں کرتی اسی لئے یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ برطانیہ کہ فوجی پالیسی نہایت مکمل بے حد مضبوط اور کامل طور پر بے خوفانہ ہے۔

مگر جرمنی میں سکولوں، کالجوں، اخبارات و مطالعہ کے ذریعہ برطانوی طریق زندگی کے متعلق بہت سے غلط اور بے بنیاد خیالات پیدا کر دئے گئے۔ یہ ہماری ایک ایسی دھوکہ بازی اور جعلسازی تھی جو ہم نے خود اپنے ہی ساتھ روا رکھی۔ لیکن ہماری یہ تمام کاروائی بالکل غلط اور سراسر ناپاک خیالات سے بھرپور تھی جس سے آہستہ آہستہ ملک بھر میں ہر طرف غلط اور ناقص فضا پیدا ہوگئی یعنی جرمن انگریزوں کا بالکل ہی ہیچ و ناکارہ سمجھنے لگے مگر عملی تجربہ ہونے پر اس خام خیالی کا نتیجہ جرمنی کے لئے نہایت مہلک طور پر نقصان دہ ثابت ہوا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

کیونکہ اس طرح ہم نے انگریزوں کو پہچاننے میں ایک سخت خوفناک غلطی کھائی جس سے ہر شخص یہی سمجھنے لگا کہ ہر انگریز ایک بدمعاش بزدل اور ناقابل اعتبار سوداگر ہے مگر افسوس کہ ہمیں جھوٹے اور بے بنیاد سبق سکھانے والے استاد یہ نہ سمجھ سکے ۔ کہ برطانوی سلطنت کیسے قائم ہوئی؟ مجھے تو برطانیہ کے سوا کوئی قوم بھی ایسی نظر نہیں آتی جو ضروریات زمانہ کے مطابق طریقوں سے کام لے کر اپنی ایسی وسیع سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ثابت ہو سکے مگر جن دور اندیش شخصوں نے جرمنی میں اپنے ہم وطنوں کو اس متذکرہ بالا غلطی اور غلط فہمی سے بچانے کی کوشش بھی کی ۔ ان کی کسی نے ایک نہ سنی بلکہ الٹا مطمئن کرتے رہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے ایک فوجی دوست کو فلینڈر ز کے میدان جنگ میں انگریز سپاہیوں کے ساتھ دست بدست لڑائی کرنے سے کیسی حیرت ہوئی اور کس طرح اسے پہلے ہی دن یہ پتہ لگ گیا کہ انگریز سپاہی کتنے بہادر اور جانباز ہوتے ہیں ؟ اس وقت اسے ہی کیا سبھی جرمن جنگ آزماؤں پر اپنے اخبارات و مطالع کی عام غلط بیانیوں کی قدرو قیمت اچھی طرح روشن ہوگئی۔

یہ سب پوست کندہ حقیقت معلوم ہونے کے بعد جب میں نے پرچار اور تبلیغ کے عجیب و غریب طریقوں پر ایک سر سری نظر ڈالی تو مجھے معلوم ہوا کہ ان بعیداز صداقت باتوں کا پرچار کرنے والوں نے طرح طرح کی نظیروں اور مثالوں سے لوگوں کے یہ ذہن نشین کروایا تھا کہ پر امن طریق سے دنیا پر اقتصادی فتح حاصل کرنے کا خیال سرا سر حقیقت پر مبنی ہے مگر ان کا یہ بیان قطعا غلط و بے معنی تھا اگرچہ اس کے پرچار کا طریقہ ضرور قابل تعریف کہا جا سکتا ہے جس سے وہ اپنے ہر جھوٹ کو صرف بہ صرف صحیح ثابت کر دیتے تھے وہ کہتے تھے کہ جس میدان میں انگریزوں کو کامیابی حاصل ہوتی ہے وہاں ہم بھی ضرور کامیاب ہو سکتے ہیں انگریزوں کی مکروہ چالبازی اور مکرو فریب کا ذکر کر کے وہ یہ کہا کرتے تھے کہ ان کے بر عکس چھوٹی قوموں کی ہمدری حاصل کرنے میں کامیاب ہو کر آہستہ آہستہ سب کی یکجائی طاقت کو ایک نہایت وسیع اور شاندار صورت دے سکیں گے۔

روحانی نقطہ خیال سے بھی اتحاد ثلاثہ کی کچھ عظمت نہیں تھی ۔ کیونکہ جیسے کسی اتحاد کی وسعت محدود رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے ویسے ہی اس کی اندرونی طاقت زائل ہو جاتی ہے۔ برخلاف اس کے اگر اتحاد کرنے والی طاقتوں کو اس اتحاد سے دنیا کی کوئی حقیقی فائدہ

www.freepdfpost.blogspot.com

پہنچانے کی امید ہوتی ہے تو وہ اتحاد اور بھی زیادہ مضبوط ہوتا جاتا ہے ۔ اس لئے مختلف موقعوں پر اس اتحاد ثلاثہ کو وسعت دینے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ لیکن بد قسمتی سے ارباب حکومت نے ادھر کافی توجہ بھی دلائی لیکن ذمہ دار افسران حکومت نے اپنی خصلت و عادت کے مطابق اس خیال کی عظمت و اہمیت کو پھر نظرانداز کر دیا اور اس کی طرف پہلے جیسی ہی لا پروائی کا اظہار کرتے رہے۔

۱۹۱۱ء میں آسٹریا کی بدولت عالمگیر جنگ کا آغاز بھی قسمت کا ہی ایک کھیل تھا چنانچہ ہیپسبرگ حکومت کو قسمت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس میں پھنسنا پڑا تھا ورنہ اگر کسی اور باعث سے جنگ چھڑا ہوتا تو شاید جرمنی ہرگز اس میں شریک نہ ہوتا اس لئے آسٹریا سے اپنے دوستانہ تعلق نبھانے کی خاطر ہی اس موقع پر جرمنی کو اپنی تمام اعلے خواہشوں اور آرزوؤں کو دبانا پڑا جنہیں کہ اس اتحاد وا اتفاق سے پایہ تکمیل تک پہنچانے کا عہد کیا گیا تھا کیونکہ اس وقت اٹلی میں جرمنی کے خلاف خیالات کی لہر زوروں پر تھی اور ہر ایک اطالوی نہ صرف جرمنی کو نیچا دکھلانا چاہتا تھا بلکہ حقارت کی نظروں سے دیکھتا تھا در حقیقت ان کی یہ سب مخالفت اسٹریوں کے خلاف تھی مگر بعد میں اس کا رخ بدل کر جرمنی کی طرف ہوگیا۔

اس وقت بھی میرا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ جرمنی نے رو بزوال آسٹرین حکومت کے ساتھ ایک فضول اتحاد کیا ہے اور اس سے چھٹکارہ حاصل کرنے سے پہلے ہی جرمنی کو ضرور کسی نہ کسی عجیب جھنجٹ میں پھنسانا پڑے گا چنانچہ میں نے اپنے ان خیالات کو اپنے ساتھیوں سے بھی نہیں چھپایا بلکہ کھلے الفاظ میں یہ پیشگوئی کر دی تھی۔

عالمگیر جنگ کے ایام میں بھی جبکہ حقیقت کا اظہار نا ممکن سمجھا جاتا تھا میرے یہ خیالات چٹان کی طرح مضبوط رہے اور میں کبھی ایک لمحے کے لئے بھی کسی غیر متوقع یا ناممکن واقع کی امید میں پریشان نہیں ہوا میرے رائے میں اب وہ وقت آگیا۔تھا جبکہ حقیقت کے متلاشی میری باتوں کو معقول اور فائدہ مند ماننے کے لئے تیار تھے۔

چنانچہ جب کبھی اس سوال پر میرے سامنے کوئی بحث چھڑتی تھی تبھی میں یہ کہہ دیا کرتا تھا کہ جتنی بھی جلد اس غلط اتحاد کا خاتمہ ہوجائے اتنا ہی جرمنی کی ترقی د عروج کے لئے اچھا ہے کیونکہ آسٹریا کے لئے کوئی قربانی جرمنی کے لئے مفید نہیں ہو سکتی۔ اس وقت جرمنی کی سب ہوا خواہ جماعتیں صرف جرمنی کے لئے قربانیاں کر رہی تھیں ۔ آسٹریا کے

www.freepdfpost.blogspot.com

لئے نہیں۔

جنگ سے پہلے بھی میرے دل میں یہ بات کانٹے کی کھٹکتی تھی کہ جس اتحاد و اتفاق کی پیروی کی جارہی ہے وہ کسی طرح بھی مناسب ومفید نہیں اکثر اعتدال پسند کمزور دل مدبر اس حقیقت کو چھپانے کی کوشش کیا کرتے تھے مگر ہمای بچی پر زور اور مضبوط بنیادوں قائم دلیلوں کے سامنے ان کی دال نہ گلتی تھی اور عوام ان کی باتوں پر توجہ نہ دیتے تھے مگر انہیں یہی خیال تھا کہ وہ فتح عالم کے راستے پر بڑی تیزی سے قدم بڑھا رہے ہیں اور بہت جلد انہیں بغیر کسی قربانی و ایثار کے ہی شاندار کامیابی حاصل ہوجائے گی۔

پھر جس وقت یہ نرم دل مدبر لا علم و جاہل عوام کو مشہور روایتی ہیلین کی مانند جو چوہے پکڑا کرتا تھا اپنے ساتھ لئے تباہی کے راستے پر بڑھے چلے جا رہے تھے تب بھی عوام کے لیڈروں نے ان کی نہایت زبردست مخالفت کی مگر سائینٹفک جرمن ایجادات کے گھمنڈ جرمن صنعت و حرفت کی تیز گامی اور جرمن تجارت کی لا محدود ترقی کی دھن نے ان کے دل سے اس حقیقت کو بالکل ہی بھلا دیا کہ ایک طاقت ور قوم کا تخیل ہی سب کچھ کر سکتا ہے اور اس کی بدولت اس میں ایک ایسی ناقابل تسخیر قوت پیدا ہوجاتی ہے جس کا دنیا میں کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کے مخالف انہی سے اکثر ملک میں اس غلط خیال کو پھیلانا شروع کر دیا تھا کہ جرمن قوم کی ترقی کی وجہ سے ہی زندگی کی یہ سب چہل پہل نظر آرہی ہے گویا کہ جرمن قوم صرف ایک اقتصادی سسٹم تھی۔ اس سے اسے محض اقتصادی نقطہ خیال کو اپنے سامنے رکھ کر اقتصادی اصولوں کی پیروی میں چلانا چاہئے تھا تاکہ اس کا سب انحصار تجارت و کاروبار پر ہی رہے کیونکہ ان کی رائے میں یہی ایک طریقہ جرمنی کی قومی خصلت اور زمانے کی موجودہ ضرورت کے عین مطابق تھا۔

مگر میرا خیال تھا کہ قوم کو کسی بھی فیصلہ شدہ اقتصادی اصول خیال یا ترقی کا غلام بنانا ٹھیک نہیں کیونکہ کوئی بھی قوم پختہ کار سودا کرنے والوں کی ہی ایک ٹھوس جماعت نہیں ہوتی اور نہ اپنے اقتصادی مقاصد کے لئے ہی اس کے خیالات اور امیدیں محدود رہ سکتی ہیں بلکہ یہ ایک وسیع نظام ہوتا ہے جس میں قدرتی عادات و خصلات مشابہت ویک جہتی ہمیشہ موجود رہتی ہے اور قدرت خود ہی اس کی پیدائش نشو نما اور ترقی میں مددگار ہوکر اس کی قسمت اور اس کے مستقبل کا فیصلہ کرتی رہتی ہے کسی قوم کا اس کے سوا اس سے بہتر و برتر بلکہ اس سے زیادہ عظیم الشان و شاندار اور کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

اگر نگاہ غور سے دیکھا جائے تو زمانہ قدیم میں وسعت و فارغی کے لحاظ سے یہودی قوم کی کوئی حد بندی نہ تھی اس لئے اسے لامحدود کہا جا سکتا تھا لیکن خاندان اور نسل خیال سے وہ حد ضرور تھی لہٰذا وہ اپنی لامحدودیت کے باوجود بھی ایک محدود قوم کی مانند تھی اور اسکی چالبازی کے مختلف طریقوں میں سے یہ بھی ایک طریقہ تھا جس کا انکشاف قوم پر مذہب کی مہر لگا دیئے جانے سے ہوتا تھا بر خلاف اس کے آریہ لوگ ایسی قوموں سے ہمیشہ نفرت رکھتے تھے جن کی بنیاد محض خیالات پر ہو موسے کا مذہب یہودی قوم کی حفاظت کے لئے ایک اصول کی حیثیت رکھتا تھا اس لئے اگچہ وہ مجلسی سیاسی و اقتصادی مسائل میں ہر طرح کے علمی اصولوں کا خیر مقدم کیا کرتی تھی مگر پھر بھی اس کی مذہبی تنگ خیالی کے باعث اس کے دعوؤں کی صداقت پر دنیا میں ہمیشہ ہی شک و شبہ کیا جاتا تھا۔

جس وقت جرمنی میں یہ سیاسی فضا آہستہ آہستہ ترقی و وسعت اختیار کر رہی تھی اس وقت اس کے تجارتی کاروبار کی شان بھی لاثانی و بے نظیر تھی لیکن جب یہ تجارت کاروبار ہی اس کی زندگی کا ایک واحد مقصد بن گیا تب سے اس کی سب قومی طاقت منتشر ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کی تجارت کا بھی زوال شروع ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قومی ترقی و نشونما بند ہوگئی اور وہ اپنا ایک سب سے بڑا اور سب سے نرالا وصف زائل کر بیٹھی۔

اگر مجھ سے یہ پوچھا جائے کہ کسی قوم کو پیدا کرنے والی طاقتیں کیا ہیں ؟ تو میں اس کا یہی جواب دوں گا کہ اس میں مسلسل قربانی و ایثار نفسی کی لگن اور قابلیت ہونی چاہئے بس یہی دو اوصاف اس کی پیدائش نشونما اور آئندہ ترقی و عروج کے لئے بہت کافی ہیں " اور یہ صاف ہی ظاہر ہے کہ ان اوصاف کا کسی اقتصادی مسئلے سے کوئی تعلق نہیں اپنی معمولی سے عقل سے مناسب طور کام لے کر ہم یہ بہت اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ کوئی بھی انسان محض کاروبار اور تجارت کے لئے کوئی حقیقی قربانی نہیں کر سکتا کوئی شخص صرف بیوپار کے پیچھے اپنی جان نہیں کھو دیتا لیکن اپنے آدرش کے لئے اپنے معراج تخیل کے لئے سب کچھ قربان کر دیتا ہے ' مثال لے طور پر یوں سمجھئے کہ ایک انگریز جس آدرش کو بھی اپنے سامنے رکھ لیتا ہے اس میں اس کی روحانی عظمت کو پوری پوری جھلک دکھلائی دیتی ہے لیکن ہم صرف اپنی روٹی کے لئے لڑتے ہیں اور انگلستان آزادی کے لئے صرف اپنی ہی نہیں بلکہ اور بھی چھوٹی چھوٹی قوموں کی آزادی کے لئے اسی لئے جرمنی کے سب اصلاح پسند باشندے جرمن حکومت کے اس شرمناک کمینہ پن سے بے طرح متنفر ہو کر غضبناک ہوگئے

www.freepdfpost.blogspot.com

اور انہوں نے آخر کار یہ ثابت کر دکھایا کر عالمگیر جنگ سے پہلے جرمن حکومت کی عقل کیسی ماری گئی تھی۔ اور وہ دور اندیشی و دانشمندی کو کس طرح کھو بیٹھی تھی؟ جس سے ان قدرتی طاقتوں کے سمجھنے بوجھنے کی طاقت اس میں ذرہ بھر بھی نہیں رہی تھی جو کسی انسان کو کمال آزادی سے ہمیشہ اس کے راستے کی طرف بڑھے بڑھے جانے کی ترغیب دیتی رہتی ہیں اور اسی راستے پر ہمیشہ اس کی حوصلہ افزائی کیا کرتی ہیں۔

۱۹۱۴ء کے گذشتہ عالمگیر جنگ میں جب تک جرمنوں کا یہ خیال رہا کہ ہم اپنے مقصد اور آدرش کے لئے جنگ کر رہے ہیں تب تک وہ غیر مغلوب بنے رہے لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ وہ صرف اپنی روزانہ روٹی کے لئے جنگ آزما ہیں تبھی وہ ان ٹکڑوں کو چھوڑنے کے لئے تیار ہوگئے اور ان کی ذہنیت کے اس انقلاب پر جرمنی کے ارباب حکومت کا حیران و ششدر رہ گئے۔

غرضیکہ گذشتہ عالمگیر جنگ ہمیں زبان حال سے پکار پکار کر یہ سبق دے رہا ہے کہ جرمن قوم کے لئے پر امن تجاری پالیسی نیز نو آبادیاں بسا بسا کر دنیا بھر پر اقتصادی فتح حاصل کرنا عین ممکن تھا کیونکہ اس کے یہ اوصاف ان علامات کے طور پر تھے جو ایک قوم کی پیدائش اور عروج میں معاون ہوتے ہیں لیکن افسوس! صد افسوس اس دور کی چند اندرونی خرابیوں کے باعث کوئی بڑا اور شاندار کام کرنے کے متعلق جرمن قوم کی قوت ارادی اور اس کی پختگی ماری گئی۔ اس لئے قانون قدرت کے مطابق اس کام کا نتیجہ وہ عالمگیر جنگ ہوا جس نے جرمن لوگوں کی آنکھیں ہمیشہ کے لئے کھول دیں۔

میں نے پھر ایک مرتبہ ان سوالات پر پہلے کی مانند غور و خوض کیا اور ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۴ء تک کے درمیانی عرصہ میں میں نے جرمنی کے اتحاد و اتفاق تجارتی ترقی اور صنعت و حرفت کی توسیع کے متعلق پالیسی کی خوب جانچ پڑتال کر کے اس پہیلی کو حل کرنے کی از سرنو کوشش کی جو ایک عرصہ دراز سے میرے سامنے آکر مجھے پریشان کر رہی تھی۔ لیکن اس مرتبہ اس کے حل کا طریقہ جو میں نے اختیار کیا وہ ویانا کے اس پرانے طریقے سے بالکل مختلف تھا جس کی ویانا میں میں پیروی کیا کرتا تھا یعنی اس مرتبہ میں نے مارکس ازم کے اصولوں اور انکے بین الاقوامی تخیل سے اس میں بالکل مدد نہیں لی۔

سب سے پہلے میں نے یہ سوچا کہ سوشلزم کے اس عالمگیر وبائی مرض کو کس طرح قابو میں کیا جائے اس غرض سے میں نے .سمارک کے وضع کردہ خاص قوانین کے اغراض و

www.freepdfpost.blogspot.com

مقاصد اور ان کی کامیابی و ناکامی کا گہرا مطالعہ کیا جس کے نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے متذکرہ بالا اصولوں کی صداقت پر میرا اعتقاد ایک چٹان کی طرح مضبوط ہوگیا۔ اسی زمانے سے میں ان کی پرچار میں لگ گیا اور اب تک بھی مجھے ان میں سے کسی میں کسی طرح سے بھی کوئی تبدیلی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

بعد ازاں میں یہودیت اور مارکس ازم کے باہمی تعلقات پر نہایت سنجیدگی کے ساتھ غور کر کے یہ فیصلہ کر لیا کہ جرمن قوم کے مستقبل کا انحصار نام نہاد مارکس ازم کے خاتمے پر ہی ہے اسی وقت سے یعنی ۱۴-۱۹۱۳ء سے ہی میں نے اپنے ان پختہ عقائد کا ان مختلف طبقات میں پرچار شروع کر دیا جو زمانے میں نیشنل سوشلزم کی تحریک کے مرکز مانے جاتے تھے۔

اگرچہ بحیثیت مجموعی جرمن کبھی بھی مارکس ازم کے دلدادہ نہ تھے مگر اپنے اس وقت کے طریق زندگی کی رو میں وہ اپنی قومیت کے اس دشمن جو اچھی طرح پہچان نہ سکتے تھے اگر اس اثنا میں بھی کبھی کبھی انہوں نے اس مرض کو دور کرنے کی کوشش ضرور کی تھی لیکن اس کی جڑ بنیاد تک پوری پوری پہنچ جانے کے باعث وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکتے تھے اور نہ کوئی اس بات کا جاننے کا پوری طرح خواہشمند ہی تھا کہ کس طرح ایسے موقع پر مارکس ازم کی حمایت اور اس کا پرچار ٹھگوں کی ایک زبردست ٹولی میں شریک ہوکر اس کی مدد کرنے کا ہم معنی ہے"

www.freepdfpost.blogspot.com

عالمگیر جنگ

اپنی زندگی اور جوانی کے جوش سے بھرپور ایام میں مجھے یہ بات بہت کھٹکتی تھی کہ ملک میں جتنی بھی قابل اعزاز یادگاریں قائم کی گئی تھیں وہ تقریباً سب کی سب سر بر آور اور وہ تاجروں یا حکومت کے "جی حضوری" لوگوں کی تھیں بر خلاف اس کے کسی محب وطن سیاسی مدبر کی کوئی عزت افزائی یا یادگار کہیں بھی دکھائی نہ دیتیں تھی نیز سیاسی خیالات کی لہر کچھ ایسی خاموش اور بے جان سی تھی کہ اس کی عدم موجودگی بھی ناقابل برداشت ہو رہی تھی جس سے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ مستقبل قریب میں ہی اس خاموشی کا خاتمہ ہوکر کسی نہ کسی طرح جرمنی میں بھی دوسرے ملکوں جیسی سیاسی زندگی پیدا ہونے والی ہے کیونکہ اب یہ سکون بھی ایک پر فریب نمائشی ڈھونگ سا جان پڑتا ہے جس کا منشا سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ اس طرح چپکے چپکے ہی کمال پوشیدگی سے اس تمام ظالمانہ جبرو تشدد کا خاتمہ کر دیا جائے جس نے قوم کو ایسا بے زبان اور بے دست و پا بنا رکھا ہے کہ دوسرے آزاد خیال ممالک اس کی حالت زار پر افسوس کرتے ہیں اور کئی تنگ خیال رقیب تو میدان تجارت و حرفت میں اس سے بازی لے جانے کے لئے رقیبانہ چھینا جھپٹی سے بھی باز نہیں رہتے تھے اور ہمارے کوتاہ اندیشیوں نیز غلطیوں سے ہر ممکن طریق پر فائدہ اٹھا رہے تھے اس طرح گردو پیش ایک ایسی پر شور فضا پیدا ہوتی جارہی تھی جیسی کہ ناٹک گھروں میں ہوا کرتی ہے لیکن پھر جیسا کہ سٹیج کی مارکاٹ یا رنج و راحت کے نظاروں سے اکثر ناظرین کچھ بھی متاثر نہیں ہوتے ویسے ہی ان سب باتوں سے نہ تو ہمارے اندرونی سکون میں ہی کوئی فرق پڑتا تھا اور نہ اس سے کوئی حقیقی نفع نقصان ہمیں دکھائی دیتا تھا۔

ہماری یہ بے حسی کی سی حالت تقریباً مستقل ہی نظر آتی تھی بلکہ دنیا کی اکثر قوموں کی نظروں میں تو پسندیدہ بھی تھی اور جیسے اکثر یہودی تاجروں کے گوداموں کی ڈیوڑھیوں میں

www.freepdfpost.blogspot.com

ہمیشہ ان کی "ہاں میں ہاں" ملانے والے چاپلوسوں کی بھیڑ بنی رہتی ہے۔ اسی طرح ہمارے اردگرد بھی ان پردیسی تماشیوں کی بھیڑ بھاڑ رہتی تھی جو ہمیشہ ہمارے متعلق طرح طرح کی چہ میگوئیاں اور رقابت آمیز کشاکشی میں مصروف رہا کرتے تھے اور یہ ہماری موجودہ صورت حال کا ایک دائمی سا پہلو بن گیا تھا جس میں کبھی کوئی تبدیلی ممکن نظر نہ آتی تھی۔

یہ سب دیکھ دیکھ کر کبھی کبھی تو میں یہ سوچا کرتا تھا کہ ہائے! میں آج سے سو سال پہلے کیوں نہ پیدا ہوا؟ جبکہ جرمن قوم کی آزادی کے لئے ایک زبردست جدو جہد جاری تھی اور عوام کی توجہ صنعت و تجارت کے سوا دوسری انسانی قابلیتوں کی طرف بھی کافی روانی تھی۔ چنانچہ جس وقت آسٹریا کے ولی عہد آرچ ڈیوک فرانسس فرڈی نینڈ کے قتل کی اطلاع میونخ میں پہنچی اس وقت میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے ان تمام واقعات کو دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سنا مگر چونکہ میں یہ نہایت اچھی طرح جانتا تھا کہ ایک عرصہ دراز سے جرمن نوجوان اس غلامی کا جال پھیلانے والے گستاخ و شوخ چشم پر زہ حکومت کی ہستی سے ملک کو پاک کرنے کی زبردست خواہش اپنے پہلو میں دبا رہے ہیں اس لئے سب سے پہلے میرے دل میں یہی خیال ہوا کہ کہیں یہ کرشمہ بھی کسی جرمن نوجوان کے پستول کی گولی نہ ہو اور کسی بہادر جرمن نوجوان نے ہی اپنی حب الوطنی اور قوم پرستی کے جنون خیز جوش میں ہی یہ کارگزاری نہ کر دکھائی ہو اس لئے اس کے ممکن انجام کی طرف بھی فوری ہی میری توجہ گئی۔ اور مجھے یہ محسوس ہونے لگا گویا کہ جلد ہی دنیا پر تکالیف و مصائب کا ایک طوفان عظیم چھاجانے والا ہے لیکن بعد میں جب یہ معلوم ہوا کہ اس مہلک واقعہ کا ارتکاب کسی جرمن کے نہیں بلکہ ایک سرو کے ہاتھوں ہوا ہے تو میں نے یہ سوچا کہ دیکھو! غلامی کا دلدادہ حامی کسی طرح آخر اپنے غلاموں کی ہی شیطانی چالوں کا شکار ہوا ہے ۔

کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دو اس ہاتھ لو

جب اس قتل کے نتیجے کے طور پر آسٹریا نے سربیا اور اس کے دوستوں کو جنگ کا الٹی میٹم دے دیا تو عوام نے آسٹریا کو گالیاں دینا شروع کر دیں مگر میری رائے میں یہ بھی ان کی زیادتی و ناانصافی تھی کیونکہ ایسے حالات میں کوئی دوسری حکومت بھی اس کے سوا اور کیا کر سکتی تھی؟ آسٹریا کی جنوبی حدود کے اس پار تو ایک بے رحم اور سنگدل دشمن جان کا قبضہ تھا جو اکثر اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ رکھتا تھا اور اس کی تباہی و بربادی کے کسی موقع سے فائدے اٹھانے میں کبھی دریغ نہ کرتا تھا اس لئے مجھے سب سے بڑا خوف بھی یہی تھا کہ ولی

www.freepdfpost.blogspot.com

عہد کے اس واقعہ کے بعد تو وہ آسٹریا کو اور بھی زیادہ تنگ کرے گے اور ایسی حالت میں حکومت کی زندگی نوجوان فرانسس کی زندگی کے ساتھ ایسی وابستہ تھی کہ اس کی موت کے ساتھ ہی آسٹرین حکومت کی موت کا بھی اندیشہ پیدا ہوگیا تھا اس لئے ان حالت میں اس جوان موت پر سبھی انصاف پسند لوگوں کا بہت افسوس ہوا۔

اگرچہ بظاہر اب حالات کچھ ایسے ہو چکے تھے کہ جنگ کو ہمیشہ کے لئے نہیں ٹالا جا سکتا تھا۔ لیکن پھر بھی میرے رائے میں سال دو سال کے لئے ملتوی ضرور ہو سکتا تھا۔ مگر اس واقعہ سے یہ امکان بھی مٹ گیا۔ اور جرمن آسٹرین اتحاد کی نحوست کے زیر اثر جرمنی کو بھی اس میں خواہی نخواہی شریک ہونا پڑا۔

بہر حال یہ نہایت ہی بے موقع لڑائی تھی مگر میرا پختہ عقیدہ ہے کہ اس جنگ کے نامبارک موقع پر بھی اگر مناسب طور پر کوشش کی جاتی تو دنیا میں ایک بہت بڑی حد تک امن و امان قائم رہ سکتا تھا یا کم از کم اتنے زبردست کشت وخون کی تو ہرگز نوبت نہ آتی لیکن آفت تو یہ تھی کہ ایک عرصہ دراز سے جرمن سوشلسٹ نہایت بھدے طریق سے روس کی شاہی حکومت کے خلاف نعرہ ہائے جنگ بلند کر رہے تھے اور یہاں کی مرکزی پارٹی مذہبی وجوہات کی بنیاد پر جرمن سیاسیات کا رشتہ آسٹریا ہنگری کے ساتھ جوڑنے میں الگ مصروف تھی لہٰذا ہمارے لئے بھی اب ان غلطیوں کا خمیازہ بھگتنا لازمی و یقینی ہوگیا تھا اور وہ کسی طرح بھی ٹالے نہ ٹل سکتا تھا کیونکہ جرمن حکومت سے پہلے یہ غلطی سرزد ہوچکی تھی اس لئے اس نے اپنے حفظ امن کا کچھ خیال نہ کیا اور اس موقع سے مناسب فائدہ نہ اٹھایا بلکہ امن عالم کے نام پر آسٹریا کے اور اٹلی کے ساتھ اتحاد کر لیا۔ جس کے نتیجے کے طور پر اسے بھی اس گروہ بندی میں شریک ہونا پڑا جس کے مقصد دنیا میں امن و امان برقرار رکھنے کی بجائے ایک عالمگیر خونریزی کی فضا پیدا کرنا تھا۔

چنانچہ اس طرح ایک نہایت وسیع پیانے پر لڑائی چھڑگئی۔ اور وہ آہستہ آہستہ اتنی وسیع ہوگئی کہ جتنی شاید پہلے کبھی دیکھنے سننے میں نہ آئی تھی۔ مجھے جب میونخ میں اس کی اطلاع ملی تو دو طرح کے خیالات میرے دل میں پیدا ہوئے ایک تو یہ کہ جنگ لازمی و لابدی ہے اور دوسرا یہ کہ ہیپسرگ (آسٹریا) اپنے اتحاد پر قائم رہے گا اس لئے جرمنی کو بھی ان جھگڑوں میں پھنسنا پڑے گا جن کا تعلق صرف آسٹریا سے ہے کیونکہ میرا یہ پختہ یقین تھا کہ آسٹرین حکومت اپنی اندرونی مصلحتوں کی بدولت کبھی کسی دوسری اتحادی طاقت کی کچھ مدد

www.freepdfpost.blogspot.com

نہیں کر سکتی مگر دوسری قوم کو اس کی وجہ سے خواہ مخواہ ہی لڑنا پڑے گا۔

اس جنگ کے متعلق میرے خیالات بھی بالکل سیدھے سادے اور صاف تھے میں اسے آسٹریا اور سربیا کی لڑائی نہیں سمجھتا تھا بلکہ میری رائے میں جرمنی اپنی زندگی کے اظہار کے لئے یہ لڑائی لڑ رہا تھا کیونکہ اس وقت جرمن حکومت کو اپنی ہستی اپنی آزادی اور اپنے مستقبل کی بہت زیادہ فکر تھی وہ .سمارک کے نقش قدم کی پیروی کر رہا تھا۔ جونوان جرمنوں کو بھی آخر کار اس کی حفاظت کے لئے میدان میں آنا پڑا کیونکہ اس سے پہلے ان کے بزرگ بھی اس کی حفاظت میں کمال بہادری و جانبازی سے داد و شجاعت دیتے ہوئے ویسن برگ سے سیڈا اور پیرس کی دیواروں کو پہنچ چکے تھے اور اس جنگ میں اگر جرمنی فتح یاب ہوجاتا تو جرمن قوم کا شمار آج دنیا کی عظیم الشان طاقتوں میں ہوتا اور جرمن رائخ (پارلیمنٹ) اپنے ہم وطنوں کی روٹیوں میں ذرہ بھر بھی کمی کئے بغیر دنیا میں امن و امان قائم کرنے کی دعویدار قوموں میں سب سے آگے ہوتی۔

۳ اگست کو میں نے بویرین رجمنٹ میں بھرتی کے لئے اپنی درخواست شاہلڈوگ کی خدمت میں ارسال کی جو کہ منظور کر لی گئی اور اس سے مجھے بے حد مسرت حاصل ہوئی کیونکہ اسی وقت ہر ایک جرمن کی مانند میرے دور زندگی میں بھی دنیا کے اندر ایک نئی اور شاندار صبح کا ظہور ہوا۔ اور اس عظیم الشان جدوجہد کے مختلف واقعات کے سامنے مجھے اپنی گذشتہ زندگی کے تمام واقعات ہیچ نظر آنے لگے اس طرح خونریزی اور کشت و خون میں ہی سال کے بعد سال گزرتے چلے گئے اور جنگ و جدل کا سب جوش و خروش ٹھنڈا ہوکر آخر خوف و ہراسائی ان کی جگہ لینے لگی ہمت و جرات ٹھنڈی پڑگئی استقلال کے پیر ڈگمگا گئے ہر طرف موت کا بازاد گرم دیکھ کر دل ڈوبنا شروع ہوگیا آخر ایک وقت آیا جبکہ انسان کے دل میں قومی فرض شناسی اور ذاتی حفاظت کے درمیان کشمکش ہونے لگی۔

۱۶-۱۹۱۵ء کی سردیوں میں جب اس جدوجہد سے نجات حاصل کرنے کے بعد میری خوابیدہ خواہشات کی فتح ہوئی۔ تو جن خیالات کو میں پہلے ہنسی مذاق میں اڑا دیا کرتا تھا۔ ان ہی میں اب مجھے پھر صداقت و اصلیت نظر آنے لگی اور آہستہ آہستہ ان ہی پر فتح حاصل کر کے میرے دل کو کچھ سکون و اطمینان حاصل ہوا اب اس امتحان میں میری حوصلہ شکنی کئے بغیر مجھے ان دلائل سے منحرف کرنے اور میرے طریق عمل میں کچھ تبدیلی پیدا کرنے میں صرف قسمت ہی کامیاب ہو سکتی تھی اور اس کے سوا کوئی دوسری طاقت ایسی نہ تھی جو

www.freepdfpost.blogspot.com

مجھے اس سے ایک قدم بھی ادھر یا ادھر کر سکتی۔

اب میں ایک الہڑ نوجوان **والنیٹر** کے درجہ سے بڑھ کر ایک فرض شناس سپاہی بن چکا تھا اور تمام فوجی حلقوں میں ایک زبردست انقلاب بھی آگیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر شخص کو جس میں طوفان کا مقابلہ کرنے کی تاب و طاقت نہ تھی میدان چھوڑ کر بھاگ جانا پڑتا تھا۔ اور اس وقت جنگ آزما سورما کے دلوں کی جو حالت تھی اسے ہر شخص با آسانی سمجھ سکتا تھا کیونکہ وہ برسوں سے مسلسل جنگ و جدل میں مصروف تھے اور بڑے بڑے خوفناک اسلحہ جات جنگ ہے مسلح دشمنوں کا شب و روز مردانہ وار مقابل کرتے ہوئے بھوک پیاس سردی گرمی وغیرہ وغیرہ کی گوناگوں تکلیفات جھیل رہے تھے ان کی حقیقی اوصاف کو پہچاننے کے لئے یہی وقت سب سے زیادہ موزوں تھا۔

اگرچہ جدال و قتال کے یہ خوفناک نظارے ہزارہا سال سے پیش نظر آرتے تھے لیکن کوئی بھی انصاف پسند شخص اس عالمگیر جنگ میں جرمن بہادروں کی بہادری و جانبازی کی داد دیئے اور تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور جب تک جرمن قوم صفحہ عالم پر موجود رہے گی وہ اپنے ان مایہ ناز سرمایہ فخر سر فروش دلاوروں کو کبھی فراموش نہ کرسکے گی یہ وہ زمانہ تھا جب کہ اگرچہ سیاسیات کا کچھ بھی خیال نہ تھا لیکن پھر بھی میں تمام قوم اور بالخصوص فوجی سپاہیوں سے تعلق رکھنے والے چند ایک مسائل پر وقتاً" فوقتاً" اپنے خیالات کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ مارکس ازم کے پرچار کے لئے میں نے جو طریقے سوچے تھے ان کا خیال کرکے کبھی کبھی میرا دل بڑے پر جوش جذبات سے بھر جاتا تھا کیونکہ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ دنیا بھر کی سبھی یہودی قوموں کا خاتمہ کر دیا جائے چنانچہ ۱۹۱۴ء کے ماہ جولائی سے ہی میں جرمن مزدوروں کے دلوں میں اپنے خیالات پھونکنے کی کوشش میں نہایت سرگرمی کے ساتھ مصروف ہوگیا تھا اور وہ اسی وقت سے بیدار ہو کر آہستی آہستہ مادر وطن کی خدمت میں لگتے جارہے تھے اور یہودیت آمیز خیالات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے غرضیکہ ایک محدود سے ہی زمانے میں یہودیت کی پر فریب قومی ٹھگی کی مذموم فضا ایسے غائب ہوگئی تھی۔ جیسے طلوع آفتاب سے کہر اڑجاتی ہے اب یہودی لیڈروں کی ٹولی تقریباً بے یارو مددگار رہ گئی تھی۔ جس سے وہ گذشتہ آٹھ سال سے بھولے بھالے عوام کو بھڑکا کر اپنے دام ترازو میں پھنسا رہے تھے اور جرمن مزدوروں کے ساتھ عیاری و مکاری کرنے والوں کے لئے یہ ایک نہایت ہی نامبارک زمانہ تھا اس لئے جب میں نے ان مکار لیڈروں کی مخالفت

www.freepdfpost.blogspot.com

شروع کی اور میں ان کے لئے بلائے بے درماں بن کر ظاہر ہوا تو انہوں نے بھی اپنی حسب عادت جھوٹ اور کذب کے بے اثر ہتھیاروں سے میرا مقابلہ شروع کر دیا اور اپنی حماقت و بے وقوفی سے جرمن پرستی کے جذبات کی توہین و مذمت کرکے مجھے مدد دینے لگے۔

ان دشمنان قوم و ملک کے جتھے پر حملہ آور ہونے کے لئے یہی موقعہ نہایت موزوں و مناسب تھا۔ چنانچہ جرمن محبان وطن و فدایان قوم و ملک نے بھی اپنی قومی و ملکی آزادی کے لئے کام کرنے کا سیدھا راستہ ڈھونڈ نکالا اور جرمن حکومت کا بھی یہ فرض ہوگیا کہ وہ جرمن آزادی اور جرمن قومیت کے ان دشمنوں پر کچھ رحم اور ترس نہ کھاکر ان کا خاتمہ کر دے کیونکہ ایسے موقعوں پر ہر ایک ذمہ دار افسر اور حاکم کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو بیخ و بن سے تباہ کر ڈالے جو محض شرارت سے قومی ترقی و نشو نما کے راستے میں فضول رخنہ اندازیاں کرتے ہیں مگر ہمارے قیصر جرمن نے اس طرف مناسب توجہ نہ دی بلکہ ایسے بد باطن شرارت پسندوں کو الٹا اپنی پناہ میں لے کر ان کی اور بھی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے انہیں اپنی من مانی کرتے رہنے کا موقعہ دیا۔ دنیاوی مسائل کے متعلق خواہ و مذہب سے تعلق رکھتا ہو یا سیاست سے یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کا آغاز کہاں سے ہوا ہے اور انجام کہاں ہوگا؟ کیونکہ شروع میں اس کا حقیقی مقصد دوسرے دنیاوی مسائل یا خیالات کی تباہی یا ان سے ٹکر لینا نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف پنی ہستی کے اظہار اور اپنی حفاظت کی کوشش کیا کرتا ہے اور اسی طرح دوسرے مسائل سے جو اس کے پرچار اور اظہار کی ترقی میں حائل ہوتے ہیں اور اس کی ذاتی حفاظت کے حق پر حملہ کرتے ہیں اس کی رگڑ شروع ہوجاتی ہے۔ جس سے حقیقتاً اسے بہت فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ یہی رگڑ در اصل اس کی فتح کا باعث ہوتی ہے مگر یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ دوسرے کو تباہ و برباد کرنے کا مقصد ہمیشہ ہی کامیاب ہوتا ہے۔ کیونکہ تقریبا ہر ایک ہی مسئلہ بظاہر منطقی طور پر ٹھیک معلوم دیتا ہے اور اپنی حفاظت کے ساتھ اور اپنے اظہار سے دوسروں کے کمزور پہلو پر حملہ کرنے کی پالیسی سے ہی وہ مضبوط اور طاقتور بن سکتا ہے کیونکہ اس کا آخری مقصد اپنی طاقت نہیں بلکہ اپنا اظہار ہی ہوتا ہے اور یہ صرف تبھی ہوسکتا ہے جبکہ وہ اپنے آپ کو اورروں کی نسبت زیادہ پختہ مضبوط اور تاباں و درخشاں ظاہر کر سکے یعنی میدان مقابلہ میں دوسروں سے گوئے سبقت لے جانے کی کوشش کرے اور یہ سبقت لے جانے کی کوشش ہی ہمیشہ "حملے" کی مترادف ہوا کرتی ہے اسی لئے دنیا کے کسی بھی مسئلہ کی ترقی کے لئے کوئی کوشش اس وقت

www.freepdfpost.blogspot.com

تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ کسی مخالف مسئلہ کو سامنے رکھ کر اس سے مقابلہ یعنی رگڑ پیدا نہ کی جائے اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب کہ دونوں فریق ایک ہی اصول کو سامنے رکھ کر اپنے اپنے نقطہ خیال سے اس پر بحث کرتے رہیں ایسی صورت حال میں اپنی قوت و طاقت مضبوطی و پختگی کا اظہار کئے بغیر دنیا سے اپنے حق میں فیصلہ کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں یہ صاف ہی ظاہر ہے۔

اسی لئے اس وقت تک نام نہاد و مارکس ازم کے خلاف جو جنگ جاری تھا اس میں پوری پوری کامیابی نہیں ہو سکی یہی وجہ تھی کہ مسئلہ مساوات کے متعلق .سمارک کا فیصلہ بھی آخر بے اثر رہا اور قدرتی موت مر گیا۔ گو اس میں شک نہیں کہ اس نے ایک نیا مسئلہ پیش کر کے اس کے پرچار کا راستہ کچھ مدت کے لئے ضرور کھول دیا جس کی حمایت میں اس وقت ایک عرصہ تک جدوجہد بھی ہوتی رہی اسی لئے ان خوشامدی چاپلوس لوگوں کو یہ کہنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہر شخص کو اپنی قومی ہستی یعنی ملکی حکومت اور امن کی حمایت و حفاظت میں ہی آخری دم تک لڑنا چاہئے اور اس کے سوا کسی اور چیز کے لئے نہیں۔

اسی طرح ۱۹۱۴ء میں سوشلزم کے خلاف جو جدوجہد ہوئی وہ بھی ہر طرح قابل غور ہے لیکن چونکہ اس وقت کوئی زیادہ اہم مسئلہ قوم کے سامنے موجود نہ تھا اس لئے عوام میں یہ خیال ضرور پھیلا دیا ہوگا کہ ایسی کوئی لڑائی زیادہ عرصہ تک کامیابی کے ساتھ جاری نہیں رکھی جاسکتی اور یہی اس تحریک کا خوفناک کھوکھلا پن تھا جس نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا مگر عالمگیر جنگ کے آغاز سے بہت پہلے بھی میری یہی فیصلہ شدہ رائے تھی اور اسی لئے اس وقت تک میں کسی پارٹی میں شریک نہیں ہوا تھا لیکن جب سے جنگ شروع ہوا تھا تب سے تو اس بارے میں میرے خیالات اور بھی زیادہ مضبوط ہوگئے تھے اس وقت مجھے کوئی ایسی تحریک نظر نہیں آئی تھی۔ جو پارلیمنٹری حکومت کے متعلق زیادہ ہمت سے اس نام نہاد سوشلزم کے ساتھ لوہا لے سکتی اس لئے میں بھی خاموش رہا۔

مگر اب میں نے اس بارے میں کمال بے خوفی سے اپنے دوستوں سے بات چیت شرع کر دی اسی وقت سے میرے دل میں بھی ایک سیاسی لیڈر بننے کا خیال پیدا ہوا اور میں نے اپنے دوستوں کو یہ یقین دلایا کہ آج سے میرا کام اپنے کام کے ساتھ ہی ساتھ اپنے خیالات کا پرچار بھی کرنا ہوگا اور اب میں کبھی کبھی یہ سوچا کرتا ہوں کہ اس وقت میرے دماغ میں یہ خیال پیدا ہونا ہی ایک نہایت اہم اور معرکہ خیز بات تھی۔

www.freepdfpost.blogspot.com

پرچار

اب میں نے تمام سیاسی واقعات پر غور کرنے کے ساتھ ہی ساتھ ان کے متعلق اپنے خیالات کا پرچار بھی شروع کردیا اور اس میں مجھے خوب آنند آنے لگا۔ ان ہی ایام میں مجھے مارکس ازم کے پیرو سوشلسٹوں کی تنظیم پر غور کرنے سے یہ راز معلوم ہوا کہ انہوں نے کس دانشمندی سے اپنے اصولوں کا پرچار کر کے عوام کو ان کا گرویدہ بنا لیا ہے اور مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ پرچار بھی ایک باقاعدہ علم و فن ہے جس سے ہر شخص اچھی طرح واقف نہیں ہوتا اور کرسچین سوشلسٹ تحریک کی کامیابی کا یہی راز تھا جس نے اپنے اس اندرونی وصف کی بدولت ہی ڈاکٹرز لوزا کے زمانے میں اچھی شہرت حاصل کر لی تھی لیکن کیا ہمارے پرچار کا یہی طریقہ بھی ویسا ہی باقاعدہ ہے جیسا کہ ہونا چاہئے ؟

افسوس کہ اس سوال کا جواب میں "نہیں" کے سوا کچھ بھی نہ دے سکتا تھا کیونکہ اس وقت اس بارے میں جو کچھ بھی کیا گیا تھا اس کا آغاز ہی ناقابلیت اور دماغی نااہلیت کے ساتھ ہوا تھا اس لئے اس سے ہماری تحریک کو کچھ فائدہ پہنچنے کی بجائے الٹا نقصان ہی پہنچا تھا۔ ہمارے پرچار کا طریق اپنی ظاہر شکل و صورت کے لحاظ سے بھدا اور اندرونی اثر کے خیال سے بالکل غلط تھا اسی لیے جنگ کی حمایت میں جرمنوں نے جو بھی پرچار کیا تھا اس کا کوئی بھی پسندیدہ نتیجہ رو نما نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ہم اب تک یہ بھی نہیں سمجھے تھے کہ پرچار کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے صرف ایک ذریعہ ہے ۔ اصل مقصد نہیں۔ اسی لیے اس پہلو میں ہمارا سب کچھ کیا کرایا بے سود ثابت ہوا تھا۔

مناسب یہ تھا کہ ہم پرچار کو کسی مقصد کو حاصل کرنے کا صرف ایک ذریعہ سمجھ کر اسی مقصد کے نقطہ خیال سے اس پر غور کرتے ۔ جس کی تکمیل مطلوب تھی اور اسے ایسی صورت شکل دیتے جو اس مقصد کے حصول میں معاون ثابت ہوتی پھر یہ بھی صاف ظاہر تھا

www.freepdfpost.blogspot.com

کہ کسی مقصد کی عظمت اس کی معمولی اور وقتی ضرورت کے خیال سے بالکل ہی الگ ہو سکتی ہے اور اسکے مطابق ہی اس کے پرچار کے طریقوں میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے مثلاً عالمگیر جنگ کے آغاز میں جس اعلیٰ مقصد کو پیش نظر رکھ کر ہم اس میں شریک ہوئے تھے اس کا اندازہ ہر شخص با آسانی لگاسکتا ہے اور یہ مقصد صرف ہماری قومی آزادی اور زمانہ مستقبل میں اس کو تحفظ تھا نیز فقط اسی طرح ہم اپنی قومی آزادی اور قومی عزت و عظمت کی حفاظت کر سکتے تھے۔

انسانیت کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مولٹکین نے کہا کہ جنگ کے ہر پہلو کو جلد سے جلد ختم کرنے کی کوشش کرنا چاہئے کیونکہ آخر میں اس کا بہت ہی گہرا اثر پڑتا ہے زمانہ جنگ میں اس کی حمایت کا پرچار بھی اس مطلب براری کا ہی ایک طریقہ تھا کیونکہ جرمن قوم کے لئے یہ ایک ایسی کشمکش کا زمانہ تھا جس کا اس کی زندگی اور موت سے بہت گہرا تعلق تھا اسی لئے اسی حقیقی مقصد کو پیش نظر رکھ اور اسی کی بنا پر جنگ کی حمایت میں پرچار کیا جاسکتا ہے جب میدان جنگ میں جرمن نت نئی فتوحات کے خواہاں تھا تو ان کا سب سے زبردست اور ضروری ہتھیار عوام سے ہمدردی اور ان کی بد حالی پر رحم کا باموقع اظہار ہی ہو سکتا تھا اور اسی نے در حقیقت ہماری قوم کو اپنی آزادی کے برقرار رکھنے میں بہت کچھ مدد دی ہے اس ۔لئے زندگی یا موت کے اس نازک ترین موقع پر جنگ کی حمایت میں پرچار کا یہی ایک قابل اختیار ذریعہ تھا جو ہمارے لئے مفید ثابت ہو سکتا تھا۔

لیکن کاش کہ ہمارے ذمہ دار اعلیٰ افسران و حکام کو اس کا پورا علم ہوتا تاکہ وہ مناسب طور پر اس زبردست ہتھیار سے ٹھیک ٹھیک اور باموقع کام لے سکتے کیونکہ یہ کیس بھی دوسرے ہتھیار سے کچھ کم ضروری اور کم پر اثر نہ تھا اور خصوصا ان لوگوں کے لئے تو بے حد خوفناک تھا جو اس کی مار اس کے اثر کی اہمیت و عظمت سے اچھی طرح واقف نہیں اور نہ اس کے سمجھنے کی طاقت ہی رکھتے تھے۔

پرچار کا کام ہمیشہ کھلا اور مقبول عام طریق ہونا چاہئے اور اس کا میدان عمل اتنا وسیع ہو کہ اس کی آواز سمجھ بوجھ رکھنے والے جاہل اور کم عقل انسانوں تک بھی پہنچ جائے اس کے لئے ہر پرچارک کو اپنی دماغی طاقتوں کو نہایت لطیف اور سنجیدہ بنانا پڑتا ہے تبھی عوام کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے۔ جنگ کے موقع پر جیسا پرچار کیا جاتا ہے اگر ویسا ہی پرچار عوام کو اپنے زیر اثر منظم کرنے کے لئے بھی کیا جائے تو جنگ میں حصہ لینے کے لئے بھی

www.freepdfpost.blogspot.com

ان خیالات کی بلندی و پاکیزگی کے معیار کو کم کرنے کی کچھ ضرورت محسوس نہیں ہوتی کیونکہ عوام کی قابلیت بہت محدود ہوتی ہے اور اسی پروان کی سمجھ بوجھ کا انحصار ہوتا ہے ماسوا اس کے ان میں بھول جانے کا مادہ بھی بہت زیادہ ہے اس لئے یہ ضروری بلکہ بہتر ہے کہ باتوں کا بھی ان میں پرچار کیا جائے وہ ایک دم بہت سی نہ ہوں بلکہ بہت محدود ہوں اور تب تک انہیں نہایت سیدھے سادھے اور مختصر طور پر ہی پیش کیا جائے جب تک کہ حاضرین یہ سمجھنے کے قابل نہ ہوجائیں کہ اس پرچار کا حقیقی منشا کیا ہے ؟ اگر اس طریق پر لوگوں کی خواہش اور سمجھ بوجھ کے مطابق پر چار کیا جائے تو عوام کے لئے یہ ناممکن ہوگا کہ وہ اس پرچار کے بنیادی اصول کو کبھی تا عمر بھول سکیں اور پھر اس پرچار کی زیادہ ضرورت بھی باقی نہ رہے گی کیونکہ عوام خود بخود اس کے اصول کو سمجھنے لگیں گے۔ اور اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کر کے اس سے نہ صرف خود ہی فائدہ اٹھا سکیں گے بلکہ اوروں کو بھی یہ سبق سکھانے کی کوشش کریں گے۔

ذمہ دار جرمن حکام کی ایک بہت بڑی اور بنیادی غلطی یہ تھی۔ کہ انہوں نے اپنے دشمن اور فریق مخالف کو ہیچ و ناکارہ سمجھنا اور اس کا مذاق اڑانا شروع کردیا۔ جرمن آسٹرین اخبارات نے اپنی ہر زہ سرائیوں سے اس غلطی کے اثرات کو اور بھی بڑھا دیا کیونکہ جب ہمارے سپاہیوں کو دشمن کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لڑنا پڑا تو ہر ایک پر اس کی اصلی طاقت و قوت صاف ظاہر ہوگئی۔ اس وقت یہ ضروری تھا کہ ہم اپنے سپاہیوں کے دلوں پر ایسے اثرات ڈالتے جو ان پہلے اثرات کو سہولت زائل کر سکتے۔ کیونکہ اس پر فتح پانے اور اس سے پر اثر طور پر اپنا بدلہ لینے کہ یہی ایک واحد طریقہ ہو سکتا تھا لیکن دشمنوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے بعد جب جرمن سپاہیوں کو یہ معلوم ہوگیا کہ دشمن میں حملہ اور مقابلہ کرنے کی طاقت کیسی اور کتنی ہے ؟ تو ان کے دل میں خیال پیدا ہونا محض قدرتی تھا کہ بد معاشوں نے ہماری طاقت جنگ و جدل کو بڑھانے اور مضبوط کرنے کی بجائے بے بنیاد باتیں بنا بنا کر ہمیں ٹھگا ہے نیز دھوکے کے جال میں پھنسایا ہے اور یہ سب کچھ دیکھ کر ان کا دل بہت ٹوٹ گیا۔

برخلاف اس کے برطانوی اور امریکن حکام و اخبارات کی طرف سے جنگ کے متعلق جو پرچار ہوا وہ ہر پہلو سے صحیح تھا۔ اپنی اپنی قوموں کے سامنے جرمنوں کو وحشی اور سنگدل ظاہر کرتے ہوئے وہ اپنے ہر ایک نوجوان کا جنگ میں حصہ لینے کے لئے جوش دلاتے رہے

www.freepdfpost.blogspot.com

اور ہر مایوسی خیز و حوصلہ شکن فضا کو دور کرنے جوش اور ہمدردی پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے اس طرح ہم نے جو بھی خوفناک سے خوفناک ہتھیار ان کے خلاف استعمال کئے وہی ان کے پرچار کو زیادہ سے زیادہ تر تقویت دینے والے بن گئے۔ کیونکہ ان کے ہر ایک سپاہی کو اپنی حکومت کے ہر بیان کی صداقت پر پورا اعتبار تھا اور واقعات اس اعتبار کو حق بجانب ثابت کر رہے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے جو کچھ بھی کہا جاتا تھا وہی اس کے دل میں اپنے زبردست دشمن کے خلاف نفرت و حقارت اور غم و غصہ کے جذبات بھڑکانے والا ثابت ہوتا تھا اس طرح برطانی سپاہیوں کو یہ کبھی بھی محسوس نہیں ہوا کہ جنگ کے متعلق جو بھی اطلاعات ہمیں ملی ہیں وہ کسی طرح غلط تھیں۔

تعجب تو صرف یہ ہے کہ جرمن سپاہی اپنی حکومت کے بیانات پر اعتبار نہ کرتے ہوئے بھی کسی طرح آخری وقت تک جنگ جاری رکھنے پر آمادہ رہے اس لئے انہیں اگر شکست ہوئی بھی ہے۔ تو اس میں ان کا ذرہ بھر بھی قصور نہیں قصور ہے صرف ان دھوکے باز اور جعلساز حکام کا جو ہمیشہ جرمن قوم کو ٹھگنے اور دھوکے میں پھنسائے رکھنے کی ہی کوشش کرتے رہے ہیں۔

اب رہا جنگ کی ذمہ داری کا سوال! اس بارے میں یہ کہنا کہ جرمنوں کو اس جنگ کا ذمہ دار نہیں ٹھیرایا جا سکتا یہ بھی ایک بنیادی غلطی ہے کیونکہ کسی بات کے ثبوت کا بار ہمیشہ کہنے والے کے اوپر ہی رہتا ہے۔ خواہ مخواہ وہ اسے اپنے دشمن کے سر پر لادنے کی کوشش کیوں نہ کرتا رہے اور خواہ حقیقی واقعات سلسلے سے اس کا کچھ تعلق ہو یا نہ ہو۔

غیر ملکی حکومتوں کی زیادتیوں کا آغاز کہاں سے ہوا؟ اور انجام کہاں ہوتا ہے؟ یہ ایسے گہرے سوالات ہیں جن پر عوام غور نہیں کرسکتے کیونکہ ان کے ایک بہت بڑے حصے کی قدرتی رائے ان کا نقطہ نظر اتنا وسیع ہوتا ہے کہ وہ علت و معلول کی لطیف بحث میں پھنسنے کی نسبت اپنے معمولی علم و عقل پر زیادہ بھروسہ رکھتے ہیں پھر یہ تو واقعات بھی کچھ ایسے پیچیدہ نہیں تھے بلکہ بالکل ہی سیدھے سادے اور صاف تھے نہ ان میں کوئی خاص راز کی بات ہی تھی چنانچہ دور اندیش برطانوی پرچارکوں نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا اس لئے انہوں نے کوئی بھی مبہم اور مشتبہ اعلان شائع نہیں کیا۔

عوام کے جذبات و خیالات کی قدامت پرستی کو سمجھنے کی جو طاقت برطانوی پبلسٹی افسروں کو حاصل تھی اس کا اظہار ان واقعات کے متعلق ان ہیبت خیز اعلانات سے ہوتا تھا

www.freepdfpost.blogspot.com

جو برطانوی فوجوں کے شکست پر شکست کھاتے رہنے کے باوجود بھی نہایت ہوشیاری اور بے دردی کے ساتھ ان کی اخلاقی طاقت و قوت بڑھانے کے لئے شائع ہوتے رہتے تھے۔ اور جن میں اس جھوٹ کو بھی سچ ہی ثابت کر دکھانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ کہ جرمنی ہی چونکہ اس تمام جنگ و جدل کی آگ کو بھڑکانے اور تیز کرنے کا ذمہ دار ہے اس لئے اسی کو تباہ و برباد کرنا نہایت ضروری ہے" اور اسی شرمناک جھوٹ کے پرچار سے عوام کی ہمدردی حاصل کی جارہی تھی۔

پرچار کا طریق بدلنے کے یہ معنی ہرگز نہیں ہوتے کہ اس کے ساتھ پرچار کا مقصد بھی تبدیل ہوجاتا ہے بلکہ اس تبدیلی کا باوجود بھی اس کے حقیقی مقصدو مدعا کو بدستور قائم رکھنے میں ہی پرچار کی تمام خوبی پوشیدہ ہے کیونکہ اصلی بنیادی مقصد کو پیش نظر رکھ کر مختلف طور پر ہر مضمون و ہر مسئلے پر خاطر خواہ روشنی ڈالی جاسکتی ہے لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی خیال ضرور رہنا چاہئے کہ جو بھی تبدیلی اصلاح یا سدھار حقیقت سے خاتمہ کر دیا جائے تاکہ وہ زیادہ خرابی پیدا نہ کرسکے اس کے سوا ٹھوس مستقل اور دیرپا پرچار کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر ایک اعلان یا اشتہار کی کامیابی کا انحصار خواہ وہ سیاسی ہو تجارتی اس بات پر ہے کہ سلسلہ مضمون باقاعدگی سے جاری رہے اور اپنے حقیقی مطلب و مدعا کے خلاف ایک لفظ نہ نکلنے پائے۔

ہمارے دشمنوں کے تمام اعلانات اسی اصول کی پیروی کرتے تھے وہ ہمیشہ اسے چند باتوں تک محدود رہتے تھے جن کا عوام سے براہ راست اور گہرا تعلق ہو اور وہ برابر ان تھک طریقے سے اپنے مقصد کی پیروی میں مصروف پائے جاتے تھے۔ ان میں آغاز جنگ سے ہی ٹھوس اور واقعات پر مبنی امور کا اظہار کیا جاتا تھا اور خوبصورتی و عمدگی سے کہ اس میں کسی بھی تبدیلی یا ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہ پڑتی تھی لیکن ہمارے پروپیگنڈا میں سب سے پہلے تو اس کی شرمناک لغو بیانوں اور دروغ بیانیوں کے باعث ایک پاگل پن کی سی جھلک دکھلائی دیتی تھی بعد ازاں اس کے خلاف نفرت و حقارت پیدا ہوتی تھی لیکن آخر جرمنی میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی اور ہمارے دشمنوں نے اپنی فوجی مصلحت کو مدنظر رکھ کر اس خانہ جنگی کے تباہ کن شعلوں کو ہمارے ملک میں اور بھی تیز کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ غرضیکہ برطانوی مدبروں نے ہماری اس مصیبت سے بھی اپنا مطلب سیدھا کرنا چاہا۔ ان کا خیال تھا کہ ان کی یہ دانش مندانہ چال ہمارے عوام پر اثر انداز ہوئے بغیر نہ

www.freepdfpost.blogspot.com

رہے گی اس میں شک بھی نہیں کہ اگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوجاتے تو انہیں ہماری تباہی کا ایک بے نظیر موقع ہاتھ آجاتا کیونکہ پبلسٹی یا پرچار کو ہی اپنی کامیابی کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھتے تھے۔ لیکن بر خلاف اس کے ہمارے غیر ذمہ دار مدبروں کی نظر میں اسے کچھ بھی اہمیت حاصل نہیں تھی اسی لئے انہیں اس میں جو کامیابی ہوئی وہ ہر پہلو سے نہ ہونے کے برابر تھی اور یہی ان کی ناکامی کا سب سے بڑا باعث ہوئی۔

www.freepdfpost.blogspot.com

انقلاب

۱۹۱۵ء میں ہمارے دشمنوں نے آسمان پر سے ہماری فوجوں میں اپنے پرچے برسانے شروع کردیئے اگر چہ وہ اپنے مضمون اور شکل و صورت میں مختلف ہوتے تھے۔ مگر پھر بھی مطلب و مدعا سب کا یہی تھا کہ جرمنی میں مشکلات روز بروز بڑھ رہی ہیں لیکن جنگ ایک لامحدود عرصہ تک جاری رہنا نظر آتا ہے اور جرمنی کے سبھی باشندے امن و امان کے لئے مضطرب ہیں لیکن جنگ و جدل کے دلدادہ حکام جرمنی خصوصا قیصر بذات خود قیام امن کے راستے سے رخنہ انداز ہیں چونکہ تمام دنیا اس حقیقت سے واقف ہے اسی لئے وہ جرمنوں کے خلاف بہ حیثیت ایک قوم بر سر جنگ نہ ہوتی ہوئی بھی قیصر جرمنی کے خلاف معرکہ آرا ہے کیونکہ وہی صرف وہی اس جنگ کا حقیقی طور پر ذمہ دار ہے۲ اس لئے جنگ کا خاتمہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک نوع انسان کا سب سے بڑا دشمن قیصر جرمنی میں موجود ہے۔ سب اعتدال پسند جمہوریت نواز قومیں جنگ کے بعد امن عالم کی قائمی اور برقراری کے لئے لیگ آف نیشنز ا میں شریک ہونے کے لئے تیار ہیں جو پروشیا (یعنی جرمنی کا ایک حصہ) کی جنگی سپرٹ ٹھنڈا ہوتے ہی فورا قائم کر دی جائے گی۔

ہمارے بہت سے سپاہیوں نے تو اس بکواس پر کچھ توجہ نہ دی اور اسے مذاق میں ہی اڑادیا۔ مگر پھر بھی ایک بات ضرور ہوئی وہ یہ کہ جہاں کہیں بھی بویرین فوجیں تھیں ان میں خیال پیدا ہوگیا۔ کہ جنگ کے لئے اصلی قصوروار پروشیا ہی ہے اور پروشیا کے دوسرے اتحادیوں خصوصا اہل بویریا کے خلاف کسی دشمن کے دل میں بھی کوئی عناد یا دشمنی نہیں اس لئے یہ غالب نہیں کہ باشندگان بویریا تہ دل سے اس جنگ کے حق میں ہوں یا دیر تک اس کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں چنانچہ ۱۹۱۵ء میں ہی یہ فرقہ بندی اور پھوٹ پھیلانے والے اشتہارات اپنا اثر ظاہر کرنے لگے اور پروشیا کے خلاف دوسرے علاقوں کی فوجوں کے

www.freepdfpost.blogspot.com

جذبات میں زہر پھیلتا ہوا نظر آنے لگا۔ لیکن پھر بھی ہمارے کوتاہ نظر افسروں نے اس کے انسداد کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ اور ۱۹۱۶ء میں یہ اختلافات کی خلیج اتنی بڑھ گئی کہ دشمنوں کو اب آسمان سے اشتہار برسانے کی بھی ضرورت نہیں رہی اور سب سے بڑھ کر عورتوں کی حماقت اور بے وقوفی بھری چٹھیوں نے تو ہماری سینکڑوں بلکہ ہزاروں جانوں کی قربانیاں فضول ہی کرادیں۔

ملک میں یہ ناموافق فضا روز بروز بڑھتی گئی عوام تو کھلم کھلا ارباب حکومت پر گالیوں اور بد دعاؤں کی بوچھاڑ کرنے لگے اور چاروں طرف بے چینی اور اضطراب اور غم اور غصہ پھیل گیا ایک طرف فوجی سپاہی میدان جنگ بھوک پیاس کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے اپنی جان کو جوکھوں میں ڈال رہے تھے دوسری طرف ان کے بال بچے افلاس و تنگدستی کا شکار بنے ٹکڑے ٹکڑے کو ترس رہے تھے۔ اس کے برعکس ان کے دشمنوں کو سب طرح کی سہولتیں مہیا تھیں۔ اور ان کے بیوی بچوں کو بھی کوئی خاص تکلیف نہ تھی۔

اس طرح بڑی آسانی سے آپس کے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے جو لوگ روز پہلے جنگ آزمائی کو اپنا قومی فرض سمجھتے ہوئے دل و جان سے اس میں حصہ لے رہے تھے۔ انہوں نے بھی اب بڑبڑانا شروع کر دیا۔ جو اب تک سب طرح مطمئن تھے وہ بھی دشمنوں کے اس پرچار جال میں خوب پھنس کر یہ ہی سمجھنے لگے کہ اس جنگ میں ہم نے جو تکلیفیں اور مصیبتیں اب تک جھیلی ہیں وہ سب جرمنی کے لئے اور اس کی بدولت برداشت کی ہیں۔

میں ۱۹۱۶ء کے ماہ اکتوبر میں زخمی ہوگیا۔ اور مجھے زخمیوں کی گاڑی میں ڈال کر ایک دن ہسپتال میں بھیج دیا مجھے اپنا گھر دیکھے دو سال ہو چکے تھے۔ اور ان حالات میں اسے اگر ایک لامحدود نہیں تو طول طویل زمانہ ضرور کہا جاسکتا ہے مجھے برلن کے قریب ہی ایک فوجی ہسپتال میں رکھا گیا آہ! وہاں کیسا زبردست انقلاب نظر آیا؟ گویا وہاں کی دنیا ہی سب سے بالکل نرالی تھی۔ میدان جنگ کے بہادرانہ اور جانبازانہ خیالات کا یہاں کہیں نام و نشان بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ سب سے پہلے یہاں ہی ایک ایسی بات میرے کان میں پڑی جو میدان جنگ میں کبھی خواب و خیال میں بھی دیکھنے یا سننے میں نہ آئی تھی وہ بات تھی اپنی نامرادی اور بزدلی پر گھمنڈ۔

جب میں کچھ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تو مجھے رزوسٹ (بوقت ضرورت میدان جنگ میں بھیجے جانے والے سپاہی) بنا کر برلن جانے کی اجازت دی گئی۔ وہاں جاکر میں نے ہر جگہ

www.freepdfpost.blogspot.com

افلاس و ناداری کا راج دیکھا لاکھوں شہری بال بچے جوان بوڑھے مرد عورت فاقہ مستی کی زندگی بسر کر رہے تھے ہر طرف اضطراب و پریشانی کا دور دورہ تھا سب فوجی سپاہیوں تک کے منہ سے وہی باتیں سننے میں آتی تھیں جو میں ہسپتال میں سن آیا تھا۔ مگر ہر شخص کا یہی خیال تھا کہ وہ اپنی رائے کسی اعلیٰ مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ظاہر کر رہا ہے۔

میونخ کی حالت برلن سے بھی زیادہ خراب تھی اتنی خراب کہ میں بہ مشکل اس شہر کو پہچان سکا جہاں بھی میں گیا وہی غم و غصہ تندی و بد مزاجی بد دعاؤں اور گالیوں کی گھٹا سی چھائی ہوئی نظر آئی جنگ سے واپس آئے ہوئے سپاہیوں میں ہر طرف ایک ایسی خصوصیت صاف نظر آتی تھی جو معمولی حالات میں کسی پرانے تجربہ کار جرنیل کو ہی کسی سپاہی میں نظر آتی ہوگی۔ اسی کی بدولت جنگ کے متعلق عوام کا جوش و خروش بالکل ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ یہاں کے لوگ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ جانا بھی بہادری اور دانائی کی ایک علامت ماننے لگے تھے۔ اور فرض شناسی کو کمزوری و حماقت سمجھا جاتا تھا۔

دفتروں میں ہر جگہ یہودی ہی یہودی نظر آتے تھے ۔ سب کلرک یہودی تھے۔ اور ہر ایک یہودی کلرک تھا ۔ گویا ہر طرف یہودیت کی ایک فضا چھا رہی تھی حالانکہ میدان جنگ میں وہ خال ہی خال نظر آتے تھے۔ اس لئے میں انہیں بزدل اور ڈرپوک کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھے دنیا کے میدان کارزار میں ان کا طریق عمل نہایت ہی قابل نفرت معلوم ہوا۔ اور میرے لئے ان کی شرمناک ہستیوں پر لعنت نہ بھیجنا ناممکن ہو گیا۔

۱۹۱۷ء کے آخر میں سب کارخانوں کے اندر ہڑتال کروادی گئی اس کا مقصد یہ تھا کہ میدان جنگ میں فوجوں کے لئے ضروری سامان نہ بھیجا جاسکے اس میں اگرچہ متوقع کامیابی نہیں ہوئی مگر پھر بھی اس پر افسوس ہی ہے عوام کی اخلاقی طاقت کو تباہ کرنے کا یہ طریقہ کتنا اور کیسا شرمناک تھا؟ کیونکہ سب سے زیادہ قابل غور بات تو یہ تھی کہ ہماری فوجیں کس مقصد کے لئے جانوں کا بلیدان دے رہی تھیں؟ کوئی سمجھ دار شخص بھی ان سوالات پر سنجیدگی سے غور کر کے ان کا جواب سوچنے کی کوشش نہ کرتا تھا یہاں تک کہ جن سپاہیوں کو جی توڑ کر فتح کے لئے میدان جنگ میں لڑنا چاہئے تھا؟ وہ بھی اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے آج فضول باتیں بنا رہے تھے۔ اور لڑنے والوں کی مذمت کر رہے تھے پھر ان سب باتوں کا ہمارے دشمنوں پر کیا اثر پڑ سکتا تھا؟

اچانک ہی ۱۸۔۱۹۱۷ء کے موسم گرما میں ہمارے مخالف اتحادیوں کی دنیا پر رنج و الم

www.freepdfpost.blogspot.com

کے بادل چھاگئے کیونکہ انہوں نے روس کی طرف سے جو امیدیں لگا رکھیں تھیں ان سب پر یک دم پانی پھر گیا۔ یعنی جن لوگوں نے بے اپنی خود غرضیوں اور مطلب پرستیوں کی تکمیل کے لئے میدان جنگ کو اپنے ہم وطنوں کے خون سے لالہ زار محشر کا نمونہ بنا دیا تھا انہوں نے ہی اپنے جانی دشمنوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے تھے۔ ان کی تمام قابل فخر انسانی طاقتوں کا خاتمہ ہو چکا تھا اپنی آن اور شان پر سب کچھ قربان کر دینے والے آج حالات سے مجبور ہو کر جھک گئے تھے آہ! یہ کیا شرمناک انقلاب تھا؟ کتنا قابل رحم نظارہ تھا؟ میں اسے ٹھنڈے دل سے نہ دیکھ سکا۔

جن فوجیوں سپاہیوں نے اب تک اندھی عقیدت مندی کے زیر اثر جنگ کیا تھا۔ ان کے دلوں پر یکایک خوف کے بادل چھاگئے اور ان کا مستقبل گھٹا ٹوپ تاریکی میں چھپ گیا۔ آئندہ موسم بہار کے خیال سے ان کے دل کانپ اٹھے۔ میرا دل یہ دیکھ دیکھ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا تھا کہ ہر ایک جرمن اپنی فوجی طاقت کو مضبوط کرنے کی قوت رکھتا ہوا بھی کچھ کرنا نہیں چاہتا جب انہیں یہ بھی امید نہ رہی کہ قوم کی تمام منتشر شدہ طاقتیں پھر اکٹھی ہو کر اپنے دشمنوں پر حملہ کر سکیں گی تب ان کے فتحیاب ہونے کی کیا امید ہو سکتی تھی؟ چنانچہ جب جرمن فوجوں کو متحد ہو کر دشمنوں پر حملہ کرنے کا حکم ملا تو جرمنی میں ایک عالمگیر ہڑتال ہو گئی۔

تمام دنیا ان غیر متوقع واقعات پر انگشت بدنداں رہ گئی۔ دشمنوں نے پھر اپنا پرچار شروع کیا اور انہوں نے اپنی فوجوں میں اس انقلاب انگیز بیداری کو پیدا ہونے سے روکا اپنے سپاہیوں کے ڈوبتے ہوئے دلوں کو سنبھالنے اور ان سے زایل ہوتے ہوئے اعتماد کو از سر نو قرار کرنے کے متعلق انہوں نے ایک آخری کوشش کی کیونکہ ان کی اس کوشش کی کامیابی ہی ان کی فتح کا سب دارومدار تھا اور اسی سے وہ دنیا میں اپنی عزت و عظمت کو قائم رکھ سکتے تھے ادھر برطانوی امریکن اور فرانسیسی اخبارات نے اس کوشش کو اور بھی تقویت بخشی اور ادھر مخالف اتحادی فوجوں میں جوش پیدا کرنے کے لئے دور اندیشی و دانش مندی سے پرچار شروع ہو گیا۔

مگر جرمنی آتش انقلاب کے شعلوں کا شکار بن رہا تھا اس کے دوستوں اور بہی خواہوں کو اس کی فتح کے کوئی بھی آثار نظر نہ آتے تھے۔ اور اس کے دشمنوں کے لئے اپنے رقیبوں کو من مانے طور پر کچلنے کا اس سے اچھا موقع اور کونسا ہو سکتا تھا؟ ان سب واقعات

www.freepdfpost.blogspot.com

کی جڑ تھی ہمارے کارخانوں کی ہڑتال ! جس نے ہمارے دشمنوں کی فتح کو یقینی بنادیا۔ لیکن ساتھ ہی اس کے روس کی حالت کو دیکھ کر ان کے دل اپنی ہستی کے خود سے بھی تھر تھر کانپ رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں جرمن سورماؤں کی جانیں فضول ضائع ہوئیں۔ اور کسی کے کرتے دھرتے کچھ نہ بنا۔ ان کے اس خون ناحق کی تمام ذمہ داری ان فرض شناس لالچی اور رشوت خور ذمہ دار افسروں کے سروں پر ہے جو باغی جرمن قوم کی آئندہ حکومت میں اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے حاصل کرنے کی غرض سے اس شیطانی ہڑتال کی تاریں ہلا رہے تھے۔

میری یہ خوش قسمتی تھی کہ میں جنگ کے پہلے اور آخری دونوں حملوں میں شریک تھا اور انہوں نے مجھ پر وہ گہرا اثر ڈالا جو عمر بھر رہے گا کیونکہ آخری حملے میں ہماری پالیسی یہی تھی کہ اپنے تحفظ کے ہر خیال کو دل سے دور کر کے دشمن پر سخت سے سخت حملہ کر کے جیسے بھی ہو اسے تباہ و برباد کر دیا جائے ۱۹۱۴ء کے واقعات نے بھی ہمیں یہی سبق دیا تھا ۱۹۱۰ء کی سرگرمیوں کے آغاز سے ہی تمام میدان جنگ میں ایسی سخت گرمی پڑنے لگی کہ دم گھٹا جاتا تھا۔ گھر میں پھوٹ پھیل رہی تھی۔ فوجی مرکزوں میں آئے دن طرح طرح کی بے بنیاد افواہیں سننے میں آتی تھیں۔ جن سے صاف ظاہر تھا۔ کہ جنگ کی صورت حال نہایت حوصلہ شکن اور مایوسی خیز ہو رہی ہے۔ اور ایسے وقت میں فتح کا خیال تک بھی حماقت سے سے کم نہیں ! اتنے میں یہ خبر پہنچی کہ ملک کی سرمایہ دار حکمران جماعت تو جنگ جاری رکھنے کے حق میں ہے۔ لیکن عوام اس کے خلاف ہیں۔ اور اس خبر کے ہر پہلو پر افسروں میں دیر تک بحث مباحثہ جاری رہا۔ شروع میں تو فوجی سپاہیوں نے اس کی طرف کچھ توجہ نہ دی اور جس طرح چار سال سے وہ میدان جنگ میں ڈٹ رہے تھے۔ ویسے ہی برابر جمے رہے۔ مگر آخر میں ریسرٹ سکیڈیمن برتھ لیب نیٹ وغیرہ افسروں کی کوشش رنگ لائیں اور حکومت جرمنی کی جنگی پالیسی کچھ بھی کام نہ آ سکی۔ ہم سب حیران تھے کہ یہ چالباز اشخاص باوجود اپنی ان شرمناک حرکتوں کے قومی فوج پر اپنے کسی استحقاق کا دعویٰ کس طرح کر سکتے ہیں؟

آغاز جنگ کے زمانے سے ہی میرے سیاسی خیالات نہایت پختہ اور اٹل تھے۔ مجھے قوم کو ہر وقت دھوکا دینے والے ان کرایہ کے ٹٹوؤں سے سخت نفرت ہو گئی تھی۔ میں عرصہ دراز سے یہ دیکھ رہا تھا کہ یہ گروہ قومی اور ملکی بہتری کے لئے کوئی بھی پر اثر خدمات سر

www.freepdfpost.blogspot.com

انجام دینا نہیں چاہتا۔ اسے تو صرف اپنی جیب گرم کرنے کی ہی فکر پڑی رہتی ہے۔ اور وہ صرف یہی چاہتے ہیں کہ ان کی مطلب براری اور کمینہ خواہشات کی تکمیل کے لئے ہی جرمن قوم ہر طرح کی قربانیاں کرتی رہے اور اگر ضرورت پڑے تو اپنی ہستی تک بھی مٹاوے۔ یہ سب باتیں صاف طور سے اپنی نظروں کے سامنے ہوتے ہوئے دیکھ کر بھلا کس محب وطن قوم پرست کا جی نہ جل اٹھے گا۔ اور ان خلاف نفرت سے نہ بھر جائے گا۔ جو یہ سب شرارتیں کر رہے تھے۔ اسی لئے میری نظروں میں ان کی کچھ بھی عزت نہ رہی تھی اور میں ان کی ناپاک دلی خواہشات کی تکمیل میں کسی طرح کچھ مدد دینا جرمن فوجوں اور مزدوروں کے مفاد کے ساتھ دشمنی اور غداری سمجھتا تھا اور بے شمار دوسرے سپاہی بھی اس بارے میں میرے ہم رائے تھے۔ اگست اور ستمبر میں ہماری تباہی کی علامتیں صاف نظر آنے لگیں یہاں تک کہ حملوں کی تیزی و تندی کی نسبت ہماری فوجوں کا خوف و ہراس بدرجہا زیادہ معلوم دینے لگا۔ اور اس کے مقابلے میں سومی اور فلیرلرز کی لڑائیوں کی یاد بالکل ایک خواب و خیال سا دکھائی دینے لگی۔ ماہ ستمبر کے آخر میں ہمارا دستہ پھر تیسری مرتبہ اسی جگہ آپہنچا۔ جہاں ہمارے جانباز نوجوانوں کی والنٹیر فوجوں نے اپنی بہادری اور جانبازی سے دنیا میں ایک تہلکہ سا مچا دیا تھا آہ! ان دنوں کی یادگار بھی کتنی شان دار اور حوصلہ افزا تھی؟

۱۹۱۸ء کی سردیوں نے ہم میں ایک عجیب زندہ دلی کی روح پھونک دی۔ فوجی سپاہیوں میں ہر طرف سیاسی مباحثے گرم رہنے لگے۔ خانہ جنگی کا زہر یہاں بھی آہستہ آہستہ پھیلتا رہا تھا۔ اور ہر طرف اس کا اثر نمایاں نظر آ رہا تھا۔ ۱۳ اور ۱۴ اکتوبر کی درمیانی شب کو جنوبی محاذ پر جنوبی فوجوں سے گیس برسایا۔ ۱۳ اکتوبر کی شام کو ہمارا دستہ بیروک سے جنوب کی طرف پہاڑی پر مقیم تھا۔ جب کہ ہمیں برابر کئی گھنٹوں تک اس آفت کا سامنا کرنا پڑا۔ آدھی رات کے قریب ہم میں سے بہت جوان زخمی ہو گئے۔ اور کئی تو ہمیشہ کے لئے موت کی گہری نیند سو گئے۔ صبح کے قریب مجھے بھی سخت تکلیف محسوس ہوئی۔ جو آہستہ آہستہ بڑھتی چلی گئی۔ میری آنکھیں جھلسی سی جانے لگیں۔ اور میں ایک اندھے کی مانند ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ اس جنگ میں یہ میری آخری لڑائی تھی۔ کچھ دیر میں ہی میری آنکھیں انگاروں کی مانند بھبکنے لگیں میرے چاروں طرف ایک اندھیرا چھا گیا۔ جلد ہی مجھے' پومیرانیا کے ہسپتال میں بھیج دیا گیا۔ اور وہاں بھی مجھے ہر طرف بغاوت کی چنگاریاں چمکتی ہوئی دکھائی دیں

www.freepdfpost.blogspot.com

رفتہ رفتہ بحری افواج کی طرف سے بھی ویسی ہی وحشت خیز خبریں آنے لگیں میں نے سنا۔ کہ وہاں بھی ایسی ہی کھلبلی مچ رہی ہے۔ مگر مجھے ہر طرف اس میں صرف چند ایک شرارتی نوجوانوں کا ہاتھ کام کرتا ہوا معلوم دیا۔ غرضیکہ ہسپتال میں ہر شخص جنگ کے جلد ہی ختم ہو جانے کے متعلق ہی اپنا خیال اور اپنی خواہش ظاہر کرتا تھا۔ گویا کہ ہر ایک اسی دن کا منتظر نظر آتا تھا۔ وہاں کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو مستقبل قریب یا بعید میں کسی شان دار اور فیصلہ کن جنگ کی خوشخبری کا خواہاں دکھائی دیتا ہو اور اس پر غضب یہ تھا۔ کہ میں اخبار پڑھنے کے بالکل ہی نا قابل تھا۔ کہ اسی میں کوئی حوصلہ افزا خبر پڑھ کر اپنے دل کو تسلی دے لیتا۔

نومبر میں یہ بے چینی اور اضطراب اور بھی بڑھنے لگا۔ اچانک ایک دن بالکل غیر متوقع طور پر بحری سپاہیوں سے لدی ہوئی ایک لاری ہسپتال کے سامنے آ پہنچی ہم سب حیرت و استعجاب سے اس کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ اور ان لوگوں نے بغیر کسی جھجک کے ہمیں بغاوت کے لئے بھڑکانا شروع کر دیا۔ چند یہودی نوجوان اس وقت جنگ میں ہمارے خود ساختہ لیڈر بن بیٹھے۔ حالانکہ انہیں سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی۔ کہ ان میں سے کوئی ایک بھی کبھی کسی میدان جنگ کے قریب نہیں بھٹکا تھا۔

اس طرح میری زندگی کے وہ ایام ان کے ہاتھوں میں بڑے تلخ تجربات برداشت کرتے ہوئے گزر رہے تھے۔ افواہیں روزبروز سچی ثابت ہوتی جا رہی تھیں اور میرا یہ خیال مضبوطی و پختگی اختیار کرتا جا رہا تھا۔ کہ مختلف مقامی واقعات کی خبریں ہی عوام کے دلوں میں بغاوت کی آگ کو پیدا کر کے تیل چھڑک رہی ہیں۔ اور ان غدار مزاج لوگوں کے دلوں میں حکومت و افسری کا خیال پیدا کر رہی ہیں۔ لیکن کیا یہ ممکن تھا۔ کہ وہ اپنی ملعون کوششوں میں کامیاب ہو جائیں ؟

آخر ۱۰ نومبر کو ایک بوڑھا پادری ہم لوگوں سے کچھ کہنے کیلئے ہسپتال میں آیا۔ ہم سب نے اسکی باتوں کو بڑے غور سے سنا۔ میں بھی اس وقت وہاں ہی موجود تھا۔ سب اسکی باتوں کا مجھ پر بہت اثر پڑا۔ اس بوڑھے کی ٹانگیں جوش سے تھرتھر کانپ رہی تھیں۔ لیکن وہ نہایت مضبوط لب و لہجے میں یہ کہہ رہا تھا۔ کہ ہمارے پیارے وطن میں ایک جمہوری حکومت قائم ہو گئی ہے۔ اور "ہوہنزد شاہی خاندان" کا تاج و تخت اب کسی صورت میں قائم نہیں رہ سکتا۔ ہم نے اسکی حفاظت کیلئے جو کچھ کیا سب فضول گیا۔ افسوس! بیس لاکھ

www.freepdfpost.blogspot.com

انسانوں کی قربانی اور ناگفتہ بہ مصائب بھی اسے تباہی و بربادی سے محفوظ نہ رکھ سکیں"۔

لیکن آہ! ہمارا وطن عزیز! اس کا کیا حشر ہوا؟ کیا ہماری سب قربانیاں بے اثر رہیں؟ کیا اسی دن کیلئے ہم نے سب تکلیفیں اٹھائی تھیں؟ ہمارے تخیل کے سامنے اس وقت جرمنی کی گزشتہ عزت و عظمت کے سوا سب کچھ ہیچ تھا۔ اور رہ رہ کر یہ خیال اٹھتا تھا۔ کہ کیا ہم اپنی شاندار قومی تاریخ کا خیال کر کے اس وقت اپنے قومی فرض کے متعلق کچھ بھی فیصلہ نہیں کر سکتے؟ کیا ہم اپنی اس عظیم الشان زمانہ ماضی کی شان و شوکت سے اپنے زمانہ حال کی عظمت کو دوبالا کرنے کے قابل بالکل ہی نہیں رہے! اگر ان سوالات کا جواب "ہاں" میں نہیں دیا جا سکتا تھا۔ تو پھر ہمارے لئے یہ سوچنا نہایت ضروری تھا۔ کہ اب ہمیں اپنی آئندہ نسلوں کے سامنے کیا منہ لیکر واپس جانا چاہئے؟

آہ! ہم کیسے نیچ۔ کمینے۔ کسقدر فرض ناشناس اور کیسے سخت مجرم بن گئے تھے۔؟

میں نے اس وقت ان خوفناک واقعات کا اپنے تخیل اور اپنے ذہن میں جتنا بھی صاف و صریح نقشہ کھینچنے کی کوشش کی۔ اتنی ہی میرے سینے میں ایک ایسی آگ سی بھڑکتی اور دھدگئی چلی گئی۔ جسکے مقابلے میں میری آنکھوں کی وہ تکلیف عشر عشیر بھی نہ تھی۔ جو مجھے ۱۴ اکتوبر کی صبح کو برداشت کرنی پڑی تھی۔ اس وقت مجھے دن جتنے خوفناک اور راتیں جتنی بھیانک معلوم ہوتی تھیں۔ وہ سراسر نا قابل بیان ہے میں سمجھتا تھا۔ کہ میرا سب کچھ لٹ گیا ہے۔ اس حالت کو دیکھ دیکھ کر نفرت کی آگ میرے سینے میں تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ اور ان ملعونوں کے خلاف میرے غم و غصے کی کوئی حد نہ رہی تھی۔ جو ان افسوسناک بلکہ شرمناک واقعات کے اصلی بانی مبانی تھے۔

قیصر ولیم جو صرف جرمنی کے پہلے حکمراں تھے۔ جنہوں نے نام نہاد مارکس ازم کے حمائتی بد معاش یہودی لیڈروں کو اپنا مصاحب بنایا تھا۔ یہی ان کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ کہ انہوں نے ان خود غرضوں اور مطلب پرستوں کو پہچانا نہیں۔ اور وہ بے اصولے بد باطن ایک ہاتھ سے تو شاہی حکومت کو اپنے قابو میں کرتے رہے۔ اور دوسرے ہاتھ میں خنجر سنبھالے اس پر وار کرنے کیلئے موزوں موقع تاکتے رہے۔ اسی لئے میرا یہ عقیدہ پختہ ہو گیا۔ کہ یہودیوں سے کوئی سودا یا سمجھوتہ نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے لئے تو یہ یا وہ کا اصول ہی سب سے ٹھیک ہے۔ اس لئے میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا۔ کہ اب میں ایک فوجی سپاہی بنا رہنے کی بجائے ایک سیاسی لیڈر بنوں گا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

میری سیاسی زندگی کا آغاز

نومبر ۱۹۱۸ء کے آخر میں میونخ پہنچ کر میں اپنی رجمنٹ کی زیز رد بٹالین " میں شامل ہو گیا۔ جو اس وقت ایک فوجی بورڈ کی ماتحت تھی۔ اس وقت مجھے سب باتیں اتنی غیر مرغوب و ناپسندیدہ محسوس ہو رہی تھیں کہ میں نے جلد سے جلد اس فوجی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور میں کسی طرح کچھ انتظام کر کے اپنے دلی و قابل اعتماد دوست سیمٹ ارنسٹ کے ہمراہ ٹرونسٹین چلا گیا۔ اور جب تک فوجی کیمپ نہیں ٹوٹا تب تک وہیں رہا۔

مارچ ۱۹۱۹ء میں ہم دونوں میونخ واپس آ گئے۔ وہاں کی فضا ہمیں نہایت مایوسی خیز معلوم ہوئی۔ اور مستقبل قریب میں ہی ہمیں ایک اور انقلاب کے زبردست آثار نظر آنے لگے۔ ایسنستر کی موت کے بعد صورت حال کچھ تبدیل ہوتی ہوئی ہی دکھائی دی۔ اور آخر میں (فوجی) کونسل کی طاقت مضبوطی پکڑ گئی۔ جسے لوگ یہودی حکومت سے بدرجہا بہتر سمجھنے لگے۔ یہ خیال خصوصا ان لوگوں کا تھا۔ جنہوں نے ملک میں بغاوت کی آگ پھیلانے کی کوشش کی تھی۔ مگر میرے دل و دماغ سے اس وقت گزشتہ واقعات اور آئندہ کام کرنے کے پروگرام کا سلسلہ کچھ ایسا ٹوٹا تھا۔ کہ لاکھ کوشش کرنے پر بھی اس کا تار نہ جڑ سکتا تھا۔

اس نئے انقلاب کے بعد ہی میری توجہ مرکزی کونسل کے اعمال وافعال کی جانچ پڑتال کی طرف کچھ کچھ مبذول ہوئی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ۲۹ مارچ ۱۹۱۹ء کو ہی صبح کے وقت مجھے گرفتار کر لینے کی کوشش کی گئی لیکن خوش قسمتی سے جونہی کہ میں نے اس گرفتاری سے بچنے کے لئے اپنے گرفتار کرنے والے تین نوجوانوں پر حملہ کرنے کی غرض سے اپنی بندوق اٹھائی۔ وہ گھبرا کر الٹے پاؤں بھاگ گئے۔ اور میں ان کے پھندے سے بچ نکلا۔ چند روز کے بعد ہی مجھے دوسری رجمنٹ کی بغاوت سے تعلق رکھنے والے والے

www.freepdfpost.blogspot.com

واقعات کی تحقیقاتی کمیشن میں شرکت کے لئے حکم ملا۔ اور یہی میدان سیاسیات میں میرا پہلا قدم تھا۔

کچھ ہفتے بعد مجھے ڈیفینس فورس (یعنی مدافعت کے بورڈ) کا ایک ممبر بنا دیا گیا۔ جس کا فرض تھا۔ کہ وہ سب اعلےٰ فوجی افسروں کو حکومت کے فیصلوں سے ہر وقت مطلع رکھے۔ تاکہ دوسرے شہریوں کی مانند اپنے اور اپنے ماتحت سپاہیوں کے خیالات کو پاک وصاف رکھ سکیں۔ جہاں تک اس کام سے میرا تعلق تھا۔ میری نظروں میں اس کی قدر و قیمت صرف اتنی ہی تھی۔ کہ اس کی بدولت مجھے اپنے ہم خیال چند دوستوں سے تبادلہ خیالات کا موقع ملتا رہتا تھا۔ اور میں ان کے ساتھ حالات موجودہ کے متعلق ہر سوال کے مختلف پہلوؤں پر خوب بحث کر کے انہیں اپنے ہم خیال بنا سکتا تھا۔ کیونکہ ہم سب کو یہ پورا پورا یقین تھا۔ کہ اس وقت جرمنی اس تباہی و بربادی سے کسی طرح نہیں بچ سکتا۔ جو آہستہ آہستہ اس کے قریب آ رہے۔ اور اس کی تمام ذمہ داری مرکزی پارٹی کے ممبروں یا ان مجلسی جمہوریت کے نام نہاد شیدائیوں پر ہے۔ جنہوں نے ماہ نومبر میں انقلاب کی آگ بھڑکائی تھی۔ چنانچہ ہم سب کافی دعوے کے ساتھ یہ کہہ سکتے تھے۔ کہ متذکرہ بالا لوگ کتنے بھی بھولے بن کر کیوں نہ آ جائیں۔ وہ ان کے نقصانات کی کسی طرح بھی تلافی نہ کر سکیں گے۔ جو ان کی حماقت اور غلط کاریوں سے اس وقت تک جرمنی کو پہنچ چکا تھا۔ آئندہ جس کے پہنچنے کا سخت احتمام تھا۔ ان شرارتیوں نے بورجیوس نیشنل نام سے اپنی ایک پارٹی قائم کر رکھی تھی۔ اور وہی ان شرارتوں کی جڑ تھی۔

ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم نے بھی ایک ہی پارٹی بنانے کے سوال پر خوب بحث کی۔ آخر ہم نے اس کے وہی اصول قائم کئے جو بعد میں جرمن ورکرز پارٹی کے ہوئے۔ اس نئی پارٹی کا افتتاح ایسی شان کے ساتھ کیا گیا۔ کہ اس کی طرف سب کی توجہ کھنچ گئی۔ کیونکہ اگر اس میں اس بات کی کمی رہ جاتی ۔ تو ہماری سب کوششیں فضول تھیں۔ ہم نے اس پارٹی کا نام مجلس انقلاب پسند پارٹی رکھا۔

اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ اس کے مجلسی خیالات حالات موجودہ میں ایک زبردست انقلاب کی تائید و حمایت کرنے والے تھے۔ ماسوائے اس کے ایک اور نہایت اہم وجہ یہ تھی۔ کہ اپنے آغاز شباب سے ہی اقتصادی گتھیوں کو سلجھانے میں میں نے جو مغزپچی کی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مختلف اقتصادی مسائل کے متعلق بھی میرے خیالات ایسے

www.freepdfpost.blogspot.com

پختہ و مضبوط ہو گئے تھے۔ جیسے کہ بعض ضروری مجلسی یا سیاسی مسائل پر ۔ لیکن یہ پختگی ان میں اسی وقت پیدا ہوئی تھی۔ جب کہ مجھے بین الاقوامی اتحاد کے متعلق جرمنی کی پالیسی کے ہر پہلو پر غور کرنے کا پورا پورا موقع ملا۔ اسی کا یہ انجام ہوا۔ کہ میرا نقطۂ خیال ہماری قومی ضروریات کے کسی ایک پہلو تک ہی محدود نہ رہا۔ بلکہ ان کے سبھی پہلوؤں پر مناسب غور و خوض کرنے کی طاقت و وسعت اس میں پیدا ہو گئی۔ ورنہ شائید پہلی صورت حال بہت سی اقتصادی غلطیوں کا باعث ثابت ہوتی۔ اور ہم ان اہم مسائل کو کسی طرح بھی حل نہ کر سکتے ۔ جن کا آئندہ جرمن قوم کی روٹیوں کے سوال سے بہت گہرا تعلق تھا۔ کیونکہ باقی سب مسائل محض اسی ایک خیال کی بنیاد پر قائم تھے۔ کہ سرمایہ صرف محنت مزدوری کا پھل ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ محنت مزدوری ہی ایک اصلی سرمایہ ہے"۔

اس طرح ہم نے ان سبھی باتوں میں اصلاح کی۔ جو اس وقت ہمیں انسانی طریق کار کی عمدگی اور خوش اسلوبی میں رخنہ انداز ہوتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ اس وقت سرمایہ کی قومی اہمیت یہ تھی۔ کہ اسے پورے طور پر قومی عظمت قومی طاقت اور قومی آزادی پر منحصر رہنا پڑتا تھا۔ ہر ایک ملک و قوم میں محنت اور سرمایہ کے باہمی اتحاد کا واحد مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ قوم کا سنگھٹن مناسب شکل و صورت میں پایہ تکمیل پہنچایا جائے! اور جو قوم اس بنیادی اصول کی پیروی کرتی ہوئی معمولی طریقوں سے سرمایہ پیدا کر کے اسے اس کام میں صرف کرتی ہے۔ صرف وہی اپنی قومی ہستی کی تکمیل اور اس کی عظمت و اہمیت کی قائمی و برقراری میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ کیونکہ تمام ملکی سرمایہ کا اس طرح قوم پر انحصار رکھنا ہی کسی قوم کو مضبوط طاقتور اور آزاد رکھ سکتا ہے۔

اس نقطہ نظر سے سرمایہ کے متعلق ہر ایک قوم کا فرض نہایت صاف اور سیدھا سادا ہے۔ اور وہ یہ کہ سرمایہ ہر پہلو سے قومی ضروریات اور قومی مقاصد کا غلام بنا رہے۔ اور قوم پر اس کا کوئی دباؤ زور یا اثر نہ ہو"۔ ان دونوں باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہی ہر قوم کے دو محدود سے مقصد ہو جاتے ہیں۔ ایک تو خالص قومی نقطہ خیال سے کامل آزادی کے ساتھ ملکی حکومت کا چلانا اور دوسرے باشندگان ملک اور قومی کارکنوں کے مجلسی حقوق کو ہر پہلو سے محفوظ رکھنا"۔

اس سے پہلے یہ میری طاقت سے بالکل باہر تھا۔ کہ میں سخت محنت و مشقت کے ذریعہ

www.freepdfpost.blogspot.com

پیدا کردہ سرمایہ اور تجارتی کاروبار سے حاصل کردہ دولت و ثروت کے درمیانی فرق میں کوئی تمیز یا تخصیص قائم کر سکوں ۔ اور نہ مجھے یہ معلوم تھا۔ کہ ان دونوں طرح کے سرمایہ پر کن پہلوؤں سے غور کر کے ان میں تمیز و تخصیص قائم کرنی چاہئے خوش قسمتی سے گوٹ فریڈ فیڈز کی چند تقریروں نے میری ان تمام مشکلات کو بہ آسانی حل کر دیا ۔ اس کی پہلی تقریر سنتے ہی میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ اب میں نے ایک نہایت ہی مفید اور کار آمد مسئلہ کے مناسب حل کا راستہ تلاش کر لیا ہے۔ اور اسی کی بنیاد پر ہماری نئی پارٹی کی تنظیم کی جا سکتی ہے۔

اس پر غور کرتے ہوئے میں جلد یہ سمجھ گیا۔ کہ یہ تو صرف دلی صداقت و بے غرضی کا سوال ہے جو زمانہ مستقبل میں جرمن قوم کے لئے بہت ہی مفید و منفعت بخش ہو سکتا ہے۔ ملک کے قومی سرمایہ کو اگر سٹاک ایکسچینج سٹہ بازی کے طور پر مشترکہ سرمایہ کی کمپنیوں کے حصص کی خرید و فروخت ' کے سرمایہ سے الگ نہ رکھا گیا۔ تو اس کی بدولت جرمنی کے بین الاقوامی اقتصادی مسائل کو حل کرنے میں ہمیشہ مشکلات پیدا ہوتے رہنے کا امکان قائم رہے گا۔ یہ راز ہم بہت اچھی طرح سمجھ گئے۔ لیکن چونکہ ابھی سے اس کے خلاف کسی طرح سے کوئی رگڑ پیدا کر کے آزاد قومی ہستی کے حصول میں نئی دقتیں بھی نہیں پیدا کی جا سکتی تھیں۔ اس لئے فی الحال ہم اس کام کیلئے بہترین موقع کی انتظار میں خاموش رہے۔

اب مجھے جرمنی کی آئندہ قومی ترقی کے ذرائع صاف صاف نظر آنے لگے کیونکہ ان کا مقصد اتنا دشمن اور بدخواہ اقوام سے مقابلہ کرنا نہ تھا۔ جتنا کہ بین الاقوامی اور اقتصادی جنگ سے پہلو بچانا ۔ اور ہر وقت اس کے خلاف مردانہ وار جد و جہد کرنا۔ ان کی تقریروں نے اس آئندہ جد و جہد سے مجھے پوری طرح آگاہ کر دیا تھا۔ اور اب میں اس سے بچنے یا اس میں پھنس جانے پر اس کا مقابلہ کرنے کے طریقوں پر غور خوض کرنے لگا۔

حالات موجودہ میں ہمارا گذشتہ عروج و عظمت یہ ثابت کرتا تھا۔ کہ زمانہ ماضی میں بھی ہمارے تجربات و قیاسات کتنے صحیح و معقول تھے۔ جن کے باعث بے وقوف کوتہ اندیش اور فرقہ پرست مدبروں کو جو ہمیشہ ہی ہمارے مخالف رہے ہیں۔ ہمارا مذاق اڑانے کا موقع کبھی نہیں ملا۔ اگرچہ وہ بھی اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے۔ مگر اپنی بہانہ سازیوں اور دروغ بافیوں کی بدولت وہ ہمیشہ یہی ظاہر کرتے رہے۔ کہ جنگ و جدل کی ضروریات کی بدولت جرمنی کبھی بین الاقوامی سرمایہ کے خلاف جد و جہد نہیں کر سکتا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

حالانکہ اس وقت جنگ تقریبا ختم ہو چکا تھا۔ اور تمام صلح نامے و عہد نامے ردی کاغذوں کی طرح کس مپرسی کی حالت میں پڑے سڑ رہے تھے۔

اب میرے اور دوسرے قوم پرست سوشلسٹ کے پیش نظر صرف ایک ہی مقصد تھا۔ وہ یہ کہ مادر وطن کی عزت و عظمت کی حفاظت کس طرح کی جائے ؟ کیونکہ اپنی نسل اور اپنی قوم کی ترقی اپنی ہستی اور اپنے بال بچوں کی۔ اپنے خون کی پاکیزگی ۔ اپنی مادر وطن کی آزادی ۔ اپنے ذاتی اعتماد نیز جرمن قوم کو ایشور کی طرف سے جو گیان عطا ہوا ہے۔ ان سب کی عزت و عظمت کی حفاظت کے لئے ہی جنگ و جدل کرنا ہم نے اپنا ایک واحد مقصد سمجھ لیا تھا۔ اور اس کے سوا ہم کسی بھی فضول جھگڑے یا جھنجٹ میں پھنسنا ہرگز پسند نہ کرتے تھے۔

ان سب باتوں کو پیش نظر رکھ کر ہی میں پھر مطالعہ کرنے لگا۔ اس مرتبہ کے مطالعہ میں مجھے یہودی کارل مارکس کے تمام احکام اور اس کے خیالات و جذبات اپنے حقیقی روپ میں نظر آ گئے۔ اسی زمانے میں اس کی مشہور تصنیف "کیپٹل" (سرمایہ داری) کا بھی میں نے بغور مطالعہ کر کے اسے خوب اچھی طرح سمجھنے کی پوری پوری کوشش کی ۔ اور ساتھ ہی اس کے سوشلزم اقتصادی پہلو یعنی سرمایہ داروں کے خلاف اس کی تمام جد و جہد کی اصلی وجوہات کو جان لیا۔ کیونکہ ان کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ بھی نہیں ۔ کہ سٹاک ایکسچینج یعنی سرمایہ داروں کی بین الاقوامی دولت و ثروت کی عظمت و اہمیت کو قائم رکھ کر غریب محنت کش اور فاقہ مست مزدوروں کو ہمیشہ ان کے گاڑھے پسینوں کی کمائی سے محروم رکھا جائے۔

ایک خاص واقعہ سے بھی مجھے اپنے اس کام میں بہت کچھ مدد ملی ۔ جس کی تفصیل ہے۔ کہ ایک دن میں نے اپنی تقریر کا اعلان کرا دیا۔ جو لوگ اس روز میری تقریر سننے آئے۔ ان میں سے ایک شخص نے یہ سمجھا۔ کہ میں یہودیوں کے خلاف تقریر کر رہا ہوں ۔ اس لئے وہ مجھے بیچ بیچ میں دخل دے کر میرے مضمون کے خلاف اپنی لمبی چوڑی دلیلیں پیش کرنے لگا۔ میں تو کسی ایسے موقع کی تلاش میں ہی تھا۔ اس طرح ایک اچھی بحث سی چھڑ گئی۔ اور میں نے بھی خوب ان لوگوں کی قلعی کھولی۔ حاضرین میں سے بھی اکثر میرے ہمراہ ہوگئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اس وقت میونخ میں جو فوجی رجمنٹ مقیم تھی ۔اس کے سپاہیوں کو تعلیم دینے کا کام میرے سپرد ہو گیا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

فوجی سپاہیوں میں نظام و تربیت کی بہت کمی تھی۔اور وہ فوجی بورڈ کی حکومتی پالیسی کی بدولت سخت مصیبتیں جھیل رہے تھے۔ میں نے خیال کیا کہ آہستہ آہستہ ان کی مدد سے ہی موجودہ طریق حکومت میں بہت کچھ تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس میں نہایت ہی احتیاط سے کام لینے کی ضرورت تھی۔ اس لئے اب تک انہوں نے اپنے سابق استاد کرٹ ایس ئرے جو کچھ سیکھا تھا۔ اس کی بنا پر ہی میں نے انہیں فوجی نظام و تربیت اور فرمانبرداری کی پوری پوری تعلیم دینے لگا۔ کیونکہ اس وقت یہ نہایت ضروری تھا کہ کم از کم ہر ایک فوجی سپاہی کو یہ سوچنے اور سمجھنے کے قابل بنا دیا جائے ۔ کہ وہ بھی اپنی قوم اور مادر وطن کا ایک خدمت گزار سپوت ہے اس لئے میں نے اپنی تمام کوششوں کو اسی ایک کام پر مرکوز کر دیا۔ اور نہایت ہی دلی محبت و محنت سے انہیں پڑھانے لگا۔ چنانچہ اب میں کمال فخر سے یہ دعوے کر سکتا ہوں۔ کہ مجھے اپنی ان کوششوں میں کامیابی بھی خاطر خواہ ہوئی۔

غرض یہ کہ اپنی طاقت گویائی کے اثر سے میں نے سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں ہموطنوں کے دلوں میں اپنی قوم اور اپنی مادر وطن کی عزت و عظمت کا ایک زبردست خیال پیدا کر دیا ۔ آہستہ آہستہ انکے سینوں میں ان دونوں کیلئے ہی سچی محبت و الفت کے جذبات بھڑک اٹھے اور اس طرح میں تمام فوجوں میں قوم پرستی و حب الوطنی کی ایک نا قابل تسخیر سپرٹ پھونکنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور انکے معمولی فوجی نظام و تربیت کو میں نے قوم و ملک کے لئے ایک نہایت زبردست طاقت و قوت بنا دکھایا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ میں نے اپنی ایک زبردست نئی پارٹی بھی ایسی قائم کر لی ۔ جس کے ہر ممبر کے خیالات میرے ہی جذبات کا آئینہ تھے۔ اسی پارٹی نے بعد میں مجھے اپنی نئی تحریک کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر کے اپنا دلی مقصد حاصل کرنے میں پوری پوری مدد دی۔ اس کی تفصیلات اگلے باب میں ملاحظہ کیجئے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

جرمن ورکرز پارٹی

ایک دن مجھے اپنے صدر دفتر سے حکم ملا۔ کہ میں ایک سیاسی پارٹی کی کارگزاریوں پر خفیہ طور سے نظر رکھوں۔ اس پارٹی کا نام "جرمن ورکرز پارٹی" تھا۔ چند روز میں ہی اس کے زیر اہتمام ایک پبلک جلسہ ہونے والا تھا۔ جن اصحاب کو اس جلسے میں تقریریں کرنا تھیں۔ ان میں گوٹ فریڈ فیڈر کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جس کا میں پہلے ہی تذکرہ کر چکا ہوں۔ مجھے یہ حکم دیا گیا تھا۔ کہ میں اس جلسے میں شامل ہو کر اس کی کارروائی رپورٹ کروں ۔ اور یہ اطلاع دوں ۔ کہ اس پارٹی کے متعلق عوام کی رائے کیسی ہے ؟

سیاسی پارٹیوں کے کاموں میں فوجی سپاہیوں کی یہ دلچسپی کچھ حیرت انگیز نہ تھی کیونکہ گذشتہ انقلاب کے اثر کے طور پر ہر ایک فوجی سپاہی کو ایک ترقی کن مدبر بننے کا حق حاصل ہو چکا تھا۔ اور ہر نکمے سے نکمے اور معمولی سے معمولی سمجھ بوجھ والے سپاہی نے بھی اپنے اس حق سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ سنٹرل پارٹی اور سوشلسٹ پارٹی نے بڑی شرم اور تکلیف کے ساتھ یہ محسوس کیا ۔ کہ کس طرح فوجی سپاہیوں کی ہمدردی ان باغی اور غدار جماعتوں کی طرف سے پھرتی جاتی ہے۔اور قومی تحریک میں حصہ لیکر ملک وقوم میں پھر ایک نئی زندگی پیدا کرنے کے سوال میں پوری پوری دلچسپی لے رہے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان غدار پارٹیوں کو فوجوں کا حق رائے دہی چھیننے اور انہیں سیاسیات میں حصہ لینے کی ممانعت کرنے کے حق میں اپنی آواز اٹھانے کی ضرورت پڑی تھی۔

متذکرہ بالا سنٹرل پارٹی جو اپنی اندرونی کمزوریوں کے باعث حقیقتاً آج کل اپنی آخری گھڑیاں گن رہی تھی۔ اس طرح فوج کے ایک مرتبہ پھر پہلے کی مانند ملکی تحفظ کے لئے مضبوط طاقتور ہو جانے کو اپنی ہستی کیلئے نہایت خطرناک سمجھنے لگی۔اور اسکے لیڈر بین الاقوامیت کے شیدائی سوشلسٹوں کے ساتھ مل کر بخیال خود قوم پرستی اور حب الوطنی کے

www.freepdfpost.blogspot.com

زہر کو فوج کے جسم سے خارج کرنے کی مگر وہ کوششوں میں مصروف ہوگئے۔ کیونکہ وہ دونوں ہی یہ اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ اس نام نہاد زہر کی موجودگی فوج کو بھی محکمہ پولیس کی مانند غدار حکومت کے ہاتھوں کی کٹ پتلی ہرگز نہ بننے دے گی اور جرمن فوجیں گذشتہ چند برسوں کی مانند پھر عین وقت پر ملک و قوم کے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے نا قابل ہرگز ثابت نہ ہو سکیں گی۔

موجودہ ملکی و قومی ضروریات کے ان سب پہلوؤں پر پورا غور کر کے میں نے بھی "جرمن ورکرز پارٹی" کے آئندہ جلسے میں اول سے آخر تک شریک رہنے کا پختہ فیصلہ کر لیا۔ حالانکہ مجھے اس جلسے کے اندرونی اغراض و مقاصد کا کچھ بھی علم نہ تھا۔ فیڈر کی تقریر سن کر مجھے بہت ہی خوشی حاصل ہوئی۔ کیونکہ اس سے بہت سی ایسی باتیں صاف کر دیں جو اس وقت میری سمجھ میں اچھی طرح نہ آئی تھیں۔ بعدازاں میں وہاں سے جانے کی سوچ ہی رہا تھا۔ کہ اور بھی چند تقریروں کے متعلق جلسے میں اعلان کر دیا گیا۔ اس لئے میں وہیں ٹھہر گیا۔ لیکن دیر تک کوئی خاص تقریر نہ ہوئی۔ اور کارروائی پھیکی سی رہی۔ مگر پھر ایک پروفیسر صاحب نے کھڑے ہو کر اپنی تقریر میں فیڈر کے خیالات پر کچھ اعتراضات جڑ دیئے جن کا جواب دینے کے لئے فیڈر کو پھر کھڑا ہو کر یہ اچھی طرح ظاہر کر دینا پڑا۔ کہ اس نوجوان پارٹی کی قائمی حقیقی اور مضبوط بنیادوں پر ہوئی۔ اور پروشیا کی غلامی سے بویریا کو آزادی دلانا ہی اس پارٹی کا اصلی منشا ہے۔

میری رائے میں اس موقع پر فیڈر نے اپنے خیالات کے اظہار میں کسی قدر غلطی کھائی تھی۔ کیونکہ بات درحقیقت یہ تھی۔ کہ اگر بویریا پروشیا کی غلامی سے آزاد ہو بھی جاتا۔ تو آسٹریا کی غلامی میں پھنس کر اس کا حال شاید جرمن آسٹریا جیسا ہی افسوسناک ہو جاتا۔ اس صورت میں بھی اگر وہ جرمن آسٹریا کے ساتھ شامل ہو کر آسٹریا کی غلامی سے بھی نجات حاصل کر لیتا تب تو جرمنی کا اندرونی امن و امان پہلے کی نسبت کسی قدر بہتر صورت اختیار کر سکتا۔ چنانچہ میں نے بھی اس سوال پر اپنی رائے ظاہر کرنے کے لئے صاحب صدر جلسہ سے اجازت طلب کی۔ جو مجھے یہ سہولت مل گئی۔ اور مجھے اپنا مطلب صاف کرنے اور حاضرین کو سمجھانے میں اتنی کامیابی حاصل ہوئی۔ کہ صاحب صدر خود پھڑک اٹھے۔ اور جوش مسرت میں انہوں نے میری پیٹھ ٹھونک کر مجھے شاباش دی۔

اس دن میں نے اپنے فرصت کے کے لمحوں میں اس سوال پر کئی بار غور کیا۔ اور اس

www.freepdfpost.blogspot.com

کے ذکر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینے کا عہد کر لیا۔ مگر اس واقع کے چند روز بعد ہی مجھے یہ اطلاع ملی۔ کہ "جرمن ورکرز پارٹی" کی ممبری کیلئے میرا نام تجویز کیا گیا ہے۔ اس لئے مجھے آئندہ بدھ کے دن اس کی ورکنگ کمیٹی میں شریک ہونا چاہئے۔ ممبر بھرتی کئے جانے کے اس نئے طریقے پر مجھے بہت تعجب ہوا۔ اور میں یہ فیصلہ نہ کر سکا۔ کہ اپنے یوں زبردستی ممبر بنا لئے جانے پر اظہار مسرت کروں۔ یا اس کا مذاق اڑاؤں۔ کیونکہ اس طرح کسی مقامی جماعت میں شریک کئے جانے کا خیال اس سے پہلے کبھی خواب میں بھی میرے پاس نہ پھٹکا تھا۔ مگر کچھ سوچ کر۔ آخر میں نے یہ دعوت منظور ہی کر لی۔

بدھ وار کا دن بھی آ گیا۔ اور جلسہ گاہ میں پہنچ کر مجھے یہ معلوم کر کے خاص دلچسپی ہوئی۔ کہ آج کے اجلاس میں تحریک کے صدر اعلےٰ بھی بذات خود شریک ہونے والے ہیں۔ اس لئے میں اپنے خیالات کے اظہار کو آخری وقت ملتوی رکھا۔ اور سب کارروائی چپ چاپ دیکھتا سنتا رہا۔ آخر کچھ دیر بعد صدر اعلےٰ صاحب بھی تشریف لے آئے یہ وہی پروفیسر صاحب تھے۔ جنہوں نے پہلے جلسے میں مسٹر فیڈر کی تقریر پر اعتراض کئے تھے۔ اس سے مجھے اور بھی پر شوق حیرت ہوئی۔ اور میں نہایت اشتیاق سے سب کارروائی دیکھنے لگا۔ کچھ دیر میں مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ صدر اعلےٰ صاحب کا اہم مبارک ہیرو مسٹر اہیر ہے۔ اور شاخ میونخ کے صدر کا نام نامی ہیرا۔ سٹن ڈریکس

کارروائی پڑھے جانے کے بعد اس میں حصہ لینے والے اصحاب کا شکریہ ادا کیا گیا۔ جب میں نے اپنے اطمینان کے لئے بے درپے سوالات شروع کئے۔ مگر چند بڑے بڑے خاص اور بنیادی اصولوں کے سوا تب تک وہاں اور کچھ بھی نہ تھا۔ یعنی نہ تو جلسے یا پارٹی کا کوئی خاص پروگرام ہی بنا تھا۔ اور نہ کوئی چھپا ہوا پرچہ یا کوئی اور چیز ہی تھی۔ وہ "دلی اعتماد اور باہمی خیر اندیشی کے اظہار کی سپرٹ تھی۔" جس کا مجھ پر بہت ہی اثر ہوا۔

میں حاضرین کے خیالات کو اچھی طرح سمجھ گیا۔ اور مجھے معلوم ہوا۔ کہ ابھی تک وہ سب کے سب ہی ایک کسی ایسی نئی تحریک کی تلاش میں ہیں۔ جو لفظی معنوں کے لحاظ سے پارٹی کے محض نام کی نسبت حقیقتاً عظمت و اہمیت رکھتی ہو۔" اب میری زندگی کا یہ نہایت اہم سوال میرے سامنے پیش ہوا۔ کہ میں اس پارٹی میں شریک ہوں یا نہ ہوں۔ اس موقع پر میری آئندہ قسمت بھی کچھ پر معنی اشارے کرنے لگی!

اب تک میں کسی بھی مقامی انجمن میں کیوں شامل نہ ہوا تھا۔ اس کی اصلی وجوہات پر

www.freepdfpost.blogspot.com

میں کبھی پھر مفصل روشنی ڈالوں گا۔ اس وقت مجھے اس عجیب جماعت کی ممبری خاص طور پر کچھ فائدہ مند محسوس ہوئی۔ کیونکہ اس کے ممبروں کی تعداد ابھی بہت ہی محدود تھی۔ اور اس کی شرائط ممبری بھی کچھ بہت زیادہ سخت نہ تھیں۔ ہر ممبر کو ذاتی طور پر اپنی قابلیت و لیاقت کے اظہار کا موقع بھی دیا جاتا تھا۔ پھر وہ زمانہ بھی کچھ کام کر دکھانے کا تھا۔ اس لئے اس چھوٹی سی تحریک کے آئندہ خاطر خواہ طور پر ترقی و نشوونما حاصل کرنے کا امکان بھی کچھ تھا۔ ابھی تو اس کے منشا و مدعا اغاض و مقاصد اور آئندہ طریق عمل پر غور و خوض کر کے اس کا فیصلہ کرنے کا ابتدائی مرحلہ ہی درپیش تھا۔ جو کسی قائم شدہ بڑی پارٹی کی صورت میں اس کی پیدائش کے ایک عرصہ دراز کے بعد پھر کبھی آ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اسے پہلے سے ایک تصفیہ شدہ حقیقت مان لیا جاتا ہے

میں اس سوال پر جتنا بھی زیادہ غور کیا۔ اتنا ہی میرا یہ یقین زیادہ پختہ ہوتا گیا۔ کہ مستقبل قریب میں ایسی ایسی کئی چھوٹی چھوٹی تحریکیں قوم و ملک کی رہنمائی و رہبری کی دعویدار بننے والی ہیں۔ کیونکہ وہ پرانی اور بوسیدہ دقیانوسی جماعتیں۔ جو ایک عرصہ دراز سے پارلیمنٹری لکیر کی فقیر بن رہی ہیں۔ ضروریات زمانہ کے مطابق اپنی موجودہ صورت میں خاطر خواہ تبدیلی کرنے کے قطعی نا قابل ہیں۔ اور ان کی تمام توجہ اس وقت پارٹی بازی کی ناکارہ بنیادوں پر نئے نئے اور فضول قوانین وضع کرنے میں ہی صرف ہو رہی ہے۔ حالانکہ اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ تھی۔ کہ وہ ملک و قوم کی آئندہ ترقی و نشوونما کو مد نظر رکھ کر بالکل ایک نیا اور زندگی بخش پروگرام ملک کے سامنے رکھتیں ۔ نہ کہ اسی پرانے ڈھرے پر انتخاب کی ہو حق میں پڑے رہنے کی فکر میں ہی ہمیشہ غلطان و پیچاں نظر آتیں۔

آخر دو دن کے گہرے سوچ و چار کے بعد اسی تحریک میں شریک ہونے کا فیصلہ کر کے میں "جرمن ورکرز پارٹی" کا ممبر بن گیا۔ اور مجھے پارٹی کی طرف سے ساتویں نمبر کا ایک ٹکٹ مل گیا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

سابقہ حکومت کی تباہی کی وجوہات

جن بواعث سے اس زمانے میں جرمن قوم اور پارلیمنٹ (ریشتاغ) طرح طرح کی مصیبتوں میں پھنسی ہوئی تھیں۔ وہ اتنے اہم اور عظیم تھے۔ کہ ان کی طرف سے ہمیشہ یہ ہی خوف بنا رہتا تھا۔ کہ یہ آئندہ بھی ہماری کوششوں کو اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے دیں گے یا نہیں ؟ اگرچہ حالات موجودہ میں پہلی عظمت و شان کو حاصل کرنا تو کسی طرح بھی ممکن نہ معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ موجودہ حالت کے مقابلے میں قدیم شان و شوکت کا خیال بھی ایک دل پسند خیال سے بڑھ کر وقعت نہ رکھتا تھا۔ اور اس سے بار بار دل میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا۔ کہ ہم لوگوں کی آنکھوں میں زمانہ گذشتہ کے عروج و جلال کے خیال سے اب تک ایسی چکا چوند کیوں چھا رہی ہے۔ کہ ہم ان وجوہات و بواعث کا پتہ تک لگانے کی بھی کبھی کوشش نہیں کرتے ؟ جو ہمارے اس شان دار ماضی کی تباہی کا موجب ہوئے ہیں۔ اور جو اب بھی کسی نہ کسی صورت میں لازمی و لابدی طور پر ہم میں موجود ہیں۔

اگرچہ یہ وجوہات نمایاں تھیں۔ مگر پھر بھی ایسے شخص بہت کم تھے۔ جنہوں نے انہیں معلوم کرنے یا ان سے کچھ سبق سیکھنے کو کوشش کی ہو۔ حالانکہ پہلے کی نسبت آج کل ان سے پوری پوری واقفیت حاصل کرنا نہایت ضروری تھا۔ جرمنی کی زیادہ تر نئی آبادی تو صرف یہ سمجھتی تھی۔ کہ ملک کی تمام کمزوری عوام کے افلاس و ناداری کا نتیجہ ہے۔ اور تقریبا سبھی لوگ انفرادی طور پر اس سے متاثر تھے۔ جو مصیبت نازل ہوتی تھی۔ اس کی یہی ایک وجہ سمجھی جاتی تھی۔ لیکن پھر بھی اکثر آدمی اس کا اندرونی راز سمجھنے اور پہچاننے سے قاصر رہتے تھے۔ اسی لئے عوام کے سامنے ان بواعث کو دور کرنے کا سوال کبھی پیدا ہی نہ ہوتا تھا۔

مگر پھر بھی ملک کے زیادہ تر اہل رائے اصحاب اقتصادی خستہ حالی کو ہی اس کا باعث

www.freepdfpost.blogspot.com

خیال کرتے تھے۔ اور ان کی رائے میں ملک کی مالی حالت کو بہتر بنانا ہی اس کا ایک واحد علاج تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب تک ان کے کرتے دھرتے کچھ بھی نہیں بنا سکے تھے۔ اور "ہنوز روزا دل" کا سا ہی معاملہ تھا۔ کیونکہ جب تک ہم یہ نہیں سمجھ لیتے ۔ کہ اقتصادی صورت حال کا انحصار بھی قومی اور سیاسی حالات پر ہی ہوتا ہے۔ تب تک موجودہ بد حالی کی اصلی وجوہات کس طرح ہماری سمجھ میں آسکتی ہیں ؟ یا اس سے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت کیسے پیدا ہوسکتی ہے؟ ہماری بدقسمتی کا سب سے زیادہ صاف نمایاں قابل یقین باعث میدان جنگ میں ہماری شکست کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

بلاشک و شبہ اکثر لوگ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے تیار تھے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے تھے۔ جو اسے محض ایک تھوتھی دلیل خیال کرتے تھے۔ بلکہ کئی ایک تو اسے ایک "سفید جھوٹ" ظاہر کرنے میں بھی کچھ پس و پیش نہ کرتے تھے۔ یہ لوگ زیادہ تر حکومت کی ناند میں کھانے والے کتے ہی تھے۔ جو کھاتے بھی تھے ۔ اور غراتے بھی ! لیکن کیا ان بین الاقوامی اتحاد کے پوجاریوں نے خود ہی یہ اعلان نہ کیا تھا۔ کہ جرمنی کی شکست سے "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" ..... کے فوجی اور وحشیانہ اصول کا خاتمہ ہو گیا ہے ؟ کیا اس ہم بغاوت اور انقلاب کی بنیاد اسی ایک غلط خیال پر نہ تھی۔ لیکن حقیقت تو یہ تھی کہ ا ، قومی خودداری اور قومی عزت و عظمت کے تحفظ کی پالیسی سے جرمنی قوم اپنے ملک میں اور اس سے باہر دنیا بھر میں اپنی آزادی کا نقارہ پیٹنے کے قابل تھی۔ ان حقائق کی موجودگی میں ، کیا کوئی جھوٹھا اور مفسد پر واز بد معاش یہ کہنے کی جرات کر سکتا تھا۔ کہ درحقیقت یہ بات اس طرح نہ تھی۔

پھر فوجی شکست کو اس تباہی کا باعث ظاہر کرنا بھی تو یہودی بے حیائی کا ایک دوسرا منظر تھا۔ حالانکہ دھوکے بازوں کے سربرا وردہ ترجمان یعنی برلن کے "وار برٹن" اخبار نے جرمن افواج کی شکست پر مگرمچھ کے سے آنسو بہاتے ہوئے یہ لکھا تھا۔ کہ درحقیقت میدان جنگ سے فتحیاب ہو کر گھر واپس آنا۔ جرمن قوم کی قسمت میں ہی نہ تھا۔ اس لئے کیا اس کے قول کے مطابق اس "نوشتہ تقدیر" کو ہی اس تباہی کا باعث نہیں سمجھا جا سکتا ؟

بلاشک و شبہ جنگ میں شکست کا اثر ہمارے ملک و قوم پر نہایت تباہ کن پڑا تھا۔ لیکن ہماری موجودہ تباہی اور خستہ حالی کی صرف یہی ایک وجہ نہ تھی۔ یہ تو مختلف وجوہات و

www.freepdfpost.blogspot.com

بواعث کا صرف لازمی ولابدی نتیجہ تھا۔ اور سبھی دوراندیش و معاملہ فہم اشخاص یہ مانتے تھے۔ کہ زندگی اور موت کی کشمکش کا یہ بد بخت انجام کیسا ہلاکت آفریں ہو سکتا تھا؟ لیکن بد قسمتی سے کچھ شخص ایسے بھی تھے۔ جن کی طاقت غور و خوض اس نازک وقت میں بالکل ہی ماری گئی تھی۔ یا جو اپنی بد باطنی کے باعث سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی محض ہٹ دھرمی سے اس حقیقت کو ماننے کیلئے تیار نہ تھے۔ اس لئے درحقیقت وہی اس بربادی کے حقیقی باعث بلکہ منبع و مخزن تھے۔ نہ کہ یہ جنگی شکست جو صرف انکی بد اعمالیوں اور غداریوں کا ایک نتیجہ تھی۔ اور اسی لئے وہ اس شکست کو ہی کا ایک حقیقی باعث نہ ماننے میں سرا سر راستی پر تھے۔ کیونکہ یہ شکست بھی تو حقیقتاً ان ہی مکروہ ومذموم کوششوں کا ایک لازمی ثمر تھی۔ جسے وہ "غلط رہنمائی و رہبری" کے پردے میں چھپا کر ظاہر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

مگر یہ بھی ان کی سراسر غلطی تھی۔ کیونکہ ہمارے دشمنوں اور مخالفوں کا یہ اجتماع بھی کچھ نرے بزدلوں کا جمگھٹ ہی نہ تھا۔ بلکہ وہ مرنا مارنا بھی خوب جانتے تھے۔ اور جنگ کے آغاز سے ہی ان کی فوجی طاقت جرمنوں کی نسبت بہت زیادہ رہی تھی۔ پھر اپنی دانائی و دوراندیشی سے انہوں نے سامان جنگ جمع کرنے میں دنیا بھر کی ہمدردی و معاونت حاصل کرلی تھی۔ مگر پھر بھی ایک طرح جرمن سورماؤں نے برابر چار سال تک دنیا بھر کی تمام مجتمع طاقتوں کے مقابلہ میں کمال بہادری و جرات کے ساتھ جنگ کر کے جو شاندار اخلاقی فتح حاصل کی تھی۔ اسے ہم محض اپنے بہادر جرنیلوں کو بدنام کرنے والوں کی خوشی حاصل کرنے کے لئے ہرگز نہیں بھول سکتے۔ جرمن فوج کا نظام اور اس کے بہادر جرنیلوں کی طاقت رہنمائی دنیا بھر کی نظروں میں بے نظیر و لاثانی ثبت ہو کر سب سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے اس لئے جنگ میں ہماری شکست کی وجہ "نوشتہ تقریر" کی بجائے کچھ بد ذات و بد باطن انسانوں کی عدادانہ و شرارت آمیز رخنہ اندازیاں ہی کہی جا سکتی ہیں۔

لہٰذا ہماری موجودہ بد قسمتی کا باعث ہماری فوجی طاقت کی تباہی بھی نہ تھا۔ بلکہ صرف چند مفسد طاقتوں کی فتنہ پردازیاں تھیں۔ جن میں سے ایک کا تو اسی وقت راز افشا ہو گیا تھا۔ اور دوسری اب نمایاں صورت میں ہمارے سامنے موجود تھی۔ اس سلسلہ میں یہ سوال بھی پوچھا جا سکتا ہے۔ کہ کیا صرف کسی جنگ شکست کے باعث ہی کوئی قوم تباہ برباد ہو سکتی ہے؟ اس کا نہایت مختصر اور سیدھا سادہ جواب یہ ہے۔ کہ بیشک جنگی شکست ہی کسی

www.freepdfpost.blogspot.com

بربادی کا حتمی باعث نہیں کہلا سکتی۔ کیونکہ وہ شکست بھی تو درحقیقت قوم کی ناقابلیت۔ کاہلی۔ بزدلی ۔ فرض ناشناسی اور چال چلن کی کمزوری کی وجہ سے ہی ہوتی ہے۔ اگر کسی قوم میں یہ عیوب نہ ہوں ۔ تو میدان جنگ مین اس کی شکست بھی آئندہ عروج و ترقی کا باعث بن جاتی ہے۔ اور اس کی عظمت و شان پر کبھی کلنک کا دھبہ نہیں لگا سکتی۔ اس صداقت کے ثبوت میں تواریخ عالم سے بیشمار واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں۔ اسی لئے جرمنی کی یہ فوجی شکست بھی کوئی ناقابل تلافی بات نہ تھی۔ بلکہ ہماری آنکھیں کھولنے کیلئے ایک ایسا سبق ہو سکتی تھی۔ جسے ہمیں کبھی بھی فراموش نہ کرنا چاہئے تھا۔ تبھی ہمیں ہماری قابلیت کے مطابق اس کا پھل مل سکتا تھا۔

مجھے یقین ہے۔ کہ اگر جرمن فوج کو کسی بھی طرح غداری ترغیب نہ دی جاتی بلکہ اسے اس کے حال پر ہی چھوڑ دیا جاتا۔ اور ہماری قومی بد قسمتی سے یہ شکست ہی ہمارے گلے پڑتی۔ تو جرمن اسے کسی اور ہی رنگ میں دیکھتے ۔ اس حالت میں وہ اپنے آپ کو ہی اس ذلت اور ان تمام تکالیف و مصائب کا باعث سمجھتے جو ان کے حصے میں آتیں ۔ اس کے ساتھ ہی قسمت کی چالبازیوں کے خلاف ان کا دل غم و غصہ سے بھر جاتا۔ اور وہ اپنے دشمنوں کی خوش قسمتی اور فتح کو کسی طرح بھی ٹھنڈے دل سے برداشت نہ کر سکتے۔ بلکہ اپنی اس شکست کا ان سے انتقام لینے کے لئے ہمیشہ بے قرار و مضطرب نظر آتے۔ اس حالت میں نہ تو عیش عشرت ہی منا سکتے تھے۔ اور نہ کبھی ناچ گانے سے ہی انہیں اپنا دل بہلا لیکی سوجھتی۔ اس وقت انہیں بزدلی پر کوئی گھمنڈ اور غرور بھی ہرگز نہ ہو سکتا تھا۔ اور نہ وہ اپنی شکست کا خود اس طرح مزاق نہ اڑاتے۔ سب سے بڑھ چڑھ کر وہ ناپسندیدہ اور افسوسناک صورت حال بھی ملک میں ہرگز پیدا نہ ہوتی ۔ جس نے کرنل پینگٹن (ایک برطانی افسر) کو یہ رائے ظاہر کرنے کا موقع دیا تھا۔ کہ ہر ایک جرمن مکار اور دھوکے باز ہے۔"

اس لئے یہ کہنا ہی پڑتا ہے۔ کہ درحقیقت ہماری گوناگوں کمزوریوں نے ہی ہماری فوجی طرقت کو تباہ و برباد کر دیا۔ اور اس کے لئے ان بزدلوں کو ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے جو امن و امان کے زمانے میں بھی ہمیشہ ہی قوم میں طرح طرح کے عیوب پیدا کر کے اسے کمزور بناتے رہے ہیں۔ کیونکہ قوم میں یہ اخلاق اور سیاسی زہر پھیل جانے سے تباہ کن نتیجے کے طور ہی ہمیں یہ شکست کھانی پڑی تھی۔ اس کی بدولت ہی ذاتی حفاظت کے متعلق ہمارے

www.freepdfpost.blogspot.com

خیالات بے حد کمزور پڑ گئے تھے۔ جرمن قوم نیز جرمن پارلیمنٹ نا معلوم طور پر اس زمانے کے بربادی خیز اصولوں کا شکار ہو گئی۔ اور اگر اس شکست کو بھی اسی کمزوری کا نتیجہ مانا جائے۔ تو ہرگز اس میں کوئی مبالغہ نہ ہو گا۔

یہ محض قدرتی تھا۔ کہ یہودیوں اور سوشلسٹوں کے غلط نقطہ نظر سے صرف وہی شخصی تباہی کا ذمہ دار سمجھا جاتا۔ جس نے اپنی غیر معمولی اور زبردست قوت ارادی اور نکتہ رس دور بین اور حقیقت شناس فہم و فراست کی مدد سے قوم کو اسکی مصیبت سے بالخصوص ایسے موقع پر نجات دلائی تھی۔ جبکہ تمام قوم اپنی ذلت و خواری و بے غرتی و بے حرمتی کے صدمے سے مضطرب و بیتاب تھی۔ اس لئے لوڈنڈرف کو ہی اس شکست کا ذمہ دار قرار دیکر انہوں نے ایک نہایت زبردست یعنی بر انصاف اخلاقی و سیاسی طاقت کو اپنے ہاتھوں سے کھو دیا تھا۔ اور ساتھ ہی اس کے وہ اپنی مادر وطن کے ساتھ بھی ایک ناگفتہ بہ شرمناک بے انصافی کے مرتکب ہو رہے تھے۔

مگر ہم اسے بھی جرمن قوم کی خوش قسمتی ہی سمجھتے ہیں۔ کہ اس وقت یہ رلا رلا کر مارنے والی بیماری پیدا ہوگئی۔ اور فوراً ہی اس کا علاج بھی کرلیا گیا۔ ورنہ بصورت دیگر جرمن قوم کی تباہی لازمی و لابدی تھی۔ چنانچہ یہ مرض پرانا پڑنے سے پہلے ہی علامات کی حقیقی صورت کو پہچان کو دور بین نظروں سے دیکھنے والے طبیبوں نے اس مرض کی حقیقت کو اچھی طرح جان لیا۔ اور وہ سب اسے جڑ بنیاد سے دور کرنے مصروف ہو گئے۔

عالمگیر جنگ کے شروع ہونے سے پہلے جو بظاہر امن و امان کا طول طویل زمانہ تھا۔ اس میں بھی کچھ خرابیاں پیدا ہونی شروع ہو گئیں تھیں۔ دور بین مدبروں نے ان تمام خرابیوں کو سمجھ بھی لیا تھا۔ مگر پھر بھی چند ایک کے سوا باقی خرابیوں کی حقیقی وجوہات کو جاننے کی طرف کسی نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ اور جو خرابیاں ان میں سب سے بڑھ کر قابل غور تھی۔ اس کا تعلق قوم کی اقتصادی زندگی کے ساتھ سمجھ لیا گیا۔ اس لئے اور سب خرابیوں کی نسبت اس اقتصادی زندگی کی زیادہ توجہ دی۔ حالانکہ اس وقت بہت سی دوسری خرابیوں کی علامات بھی ویسی ہی نمایاں تھیں ۔ اس لئے ان کی طرف بھی مناسب توجہ دی جانی چاہئے تھی۔ مثلاً جنگ سے پہلے ہی جرمنی کی آبادی نے جو حیرت انگیز طریق پر بڑھ رہی تھی۔ یہ سوال پیدا کر دیا تھا۔ کہ اس کے لئے کہیں ایسی جگہ تلاش کی جائے جو اقتصادی اور سیاسی دونوں نقطہ ہائے نظر سے موزوں و مناسب ہو۔ مگر افسوس کہ ارباب

www.freepdfpost.blogspot.com

حکومت اس کے متعلق کسی صحیح فیصلے پر اتفاق رائے سے نہیں پہنچ سکے۔ کیونکہ انہوں نے یہ سمجھ لیا۔ کہ ہم اس سوال کو آسانی سے ہی حل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اس مقصد کے لئے انکے دیس میں نئے ملکوں اور نو آبادیوں کو فتح کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ مگر اقتصادی فتوحات کے نشہ میں پھنس جانے کے باعث صنعت و حرفت کی لامحدود ترقی کی وہ دھن جو اس وقت اٹل سی ہوگئی تھی پھر اس خیال پر غالب آگئی۔ اور اس تباہ کن نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مزدور اور کسان روزبروز کمزور ہوتے چلے گئے۔ اور جیسے جیسے انکی یہ کمزوری بڑھ کر ان کی جسمانی و اخلاقی طاقت کا زوال ہوتا گیا۔ وہ دیہات کی صحت افزا فضا کو چھوڑ چھوڑ کر شہروں کو بھرتے چلے گئے۔ اور انکی تعداد کی روز افزوں ترقی سے اس مساوات و تناسب کا بھی خاتمہ ہوتا چلا گیا۔ جو کہ قومی زندگی کی جاں ہوا کرتی ہے۔

اس طرح غریبوں اور مالداروں میں باہمی کشاکشی شروع ہو گئی۔ اور آہستہ آہستہ خطرناک صورت اختیار کرتی چلی گئی۔ اس طرح فضولیات اور افلاس کا تعلق ہمیشہ اتنا گہرا اور ایسا نزدیکی ہو گیا۔ کہ اس کا انجام نہایت خوفناک نظر آنے لگا۔ رفتہ رفتہ اس سے ہر طرف بے اطمینانی اور بے چینی پیدا ہو کر باہمی مغائرت اور دشمنی کے خیالات بڑھنے لگے۔ مگر پھر بھی اس بے حد و حساب فضول صنعت و حرفت کی ناقص فضا بدستور جاری رہی حتیٰ کہ رعایا کی نظروں میں روپیہ ہی خدا بن گیا۔ اور اسی کی جی حضوری کا فکر ہر ایک کو ستانے لگا۔ اور اس کی ہی طاقت کے سامنے ہر خاص و عام خواہی نخواہی سر جھکانے کے لئے مجبور کیا جانے لگا۔

اخلاقی زوال کا یہ افسوسناک دور اس لئے اور بھی خاص طور پر نقصان دہ ثابت ہوا۔ کہ اس کا آغاز اس زمانے میں ہوا جبکہ ملک کو بہادری اور جانبازی کی خاص طور پر ضرورت تھی۔ کیونکہ یہ وقت تھا۔ جبکہ ہمارا ملک ہر طرف سے خوف و خطر میں پھنسا ہوا تھا۔ اس وقت جرمنی کو اپنی تلوار کی طاقت سے اپنی صنعت و حرفت کو مضبوط بنانا چاہئے تھا۔ تاکہ اس کے باشندے اپنی روزانہ روٹی "پر امن صنعتی محنت و مشقت اور مناسب عزت" کے ساتھ کما سکتے۔ مگر بد قسمتی سے زرپرستی کی عظمت و اہمیت کے خیال نے ان کے دل پر قبضہ پالیا تھا۔ جسے حاصل کرنے کے لئے مستقبل قریب میں ہی مزدوروں کے اندر کشمکش پیدا ہونی لازمی و لابدی تھی۔ اس پر ہمارے قیصر اعظم نے غلطی یہ کی۔ کہ اپنے اہلکاروں کو بھی "دولت کی دیوی" کے اس نئے مندر میں بے روک ٹوک داخل ہونے کی

www.freepdfpost.blogspot.com

کھلی اجازت دے دی۔

اس میں شک نہیں کہ قیصر کا یہ قصور قابل معافی ہے۔ کیونکہ بسمارک جسے دور اندیش اور معاملہ فہم مدبر بھی اس خوفناک صورت حال کا خیال اپنے دل میں نہیں لا سکے تھے۔ لیکن حقیقتاً اس زرپرستی کی غلطی نے ہی تمام حقیقی اور معراجی (آورش) اوصاف کو دولت و ثروت کا زرخرید غلام بنا دیا۔ کیونکہ اس تجربے سے یہ صاف ظاہر ہو گیا۔ کہ ایک مرتبہ زرپرستی کے پر گامزن ہو جانے کے بعد ایثار مجسم اور جانباز فوجی درباری اور کارکن بھی اپنی تمام خوبو چھوڑ کر لکشمی (دولت) کے مایا جال میں پھنسنے اور اس کے غلام بے دام بننے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں۔

جنگ سے پہلے جرمن قوم کی تجارت و حرفت حصص کی بین الاقوامی خرید و فروخت کی بدولت خوب چل رہی تھی۔ جرمنی کی الوالعزم جماعت نے اس میں سے تمام غیر ملکی عنصر کو نکال باہر کرنے کی کوشش بھی شروع کردی ۔ لیکن آخر اسے خود ہی ان لالچی زرپرستوں کے مشترکہ حملے کا شکار ہونا پڑا۔ مگر یہ سب کچھ ہمارے "مارکس ازم کے بین الاقوامی اصولوں کے پیرو دوستوں اور عنایت فرماؤں کے ہتھکنڈے" ہی تھے۔ جن کی بدولت جرمن محب وطن جماعت کو ناکامی نصیب ہوئی۔ اس کے بعد جرمنی کے خفیہ اور پر راز مصنوعات کے خلاف بھی ماکس ازم کے پیروؤں نے کھلم کھلا جہاد اور بین الاقوامی جد و جہد شروع کر دی۔ جس میں ایک طرف تو جرمنی کے قوم تھے۔ اور دوسری طرف دنیا بھر کے نام نہاد سوشلسٹ اور مارکس ازم کے نام لیوا لیکن آخر انہیں اپنے اس ناپاک مقصد میں کامیابی اور مارکس ازم کی فتح صرف اسی صورت میں نظر آئی ۔کہ کسی نہ کسی طرح جرمنی میں بغاوت اور انقلاب برپا کرا دیا جائے

مجھے بھی جرمنی کی ریلوں پر مارکس ازم کے پیروؤں کا یہ مشترکہ بین الاقوامی حملہ ہر طرح کامیاب ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ جس میں بین الاقوامی سرمایہ داروں کے خوف گہرے تھے۔ اس طرح ان بین الاقوامیت کے شیدائی سوشلسوں "نے سرمایہ پرستوں کی حمایت میں اپنی "جمہورنوازیوں" کا ..... بھانڈا پھوڑ کر اپنا ایک مقصد تومن مانے طور پر حاصل کر لیا۔ اور یہ اندھا دھند تجارتی و صنعتی ترقی کا ہی نتیجہ تھا۔ کہ جنگ کا خاتمہ ہوتے ہی ان تجارتوں اور صنعتوں کے رہبروں اور رہنماؤں نے پھر یہ ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا۔ کہ جرمنی صرف اسی طرح پھر اپنے پیروں کھڑا ہو سکتا ہے۔ کہ اس کی ان تجارتوں اور صنعتوں

www.freepdfpost.blogspot.com

کو پھر ایک پہلے کی مانند ترقی اور نشوونما دی جائے چنانچہ سٹائن کے ان کے الفاظ نے ایک مرتبہ پھر ایک غیر متوقع اور نا قابل اعتبار ساجوش اور سرگرمی ملک میں پیدا کر دی۔ اور جتنے بھی بکو اسی پاکھنڈی عیاروں مکار پہلے ارباب حکومت کے بھیس میں جرمنی اور باشندگان جرمنی کو پھر اسی تجارتی صنعتی گورکھ دھندے میں پھنسا دیا جائے۔ جس نے اسے پہلے برباد کیا تھا۔

اسی لئے میری رائے میں جرمنی کی تباہی و بربادی کی سب سے وجہ عام باشندگان جرمنی کی یہ صنعتی رغبت اور کمزور دلی ہی تھی۔ جو عقیدتمندی کے درجے تک پہنچ کر آغاز جنگ سے ہی ان کی زندگی کے ہر شعبے پر اپنا پورا پورا قبضہ جما چکی تھی۔ اور جو ان ڈھلمل یقینی اور تذبذب پرستی کا ایک نتیجہ تھی۔ اسی سے ان کی تباہی کی دوسری وجہ یعنی بزدلی پیدا ہو گئی تھی۔ جو ہر شک و شبہ کرنے والی شخصیت میں دوسری کمزوریوں کے ساتھ ازخود نمودار ہو جایا کرتی ہے۔ مگر ان سب کے لئے اگر اس زمانہ کے طریق تعلیم کو ہی قصور وار دیا جائے تو بھی کچھ مبالغہ نہ ہو گا۔ کیونکہ جنگ سے پہلے جرمنی کا طریق تعلیم اکثر پہلوؤں سے نہایت کمزور ہو گیا تھا اور اسے ایسی شکل و صورت دیدی گئی تھی۔ جس سے عوام میں اپنی روزانہ زندگی کے کاموں کو مناسب دانائی و دور اندیشی سرانجام دینے کی قابلیت ہی پیدا نہ ہو سکتی تھی۔ ایک طرف انکی طاقت علم و عمل کو محدود کر دیا گیا تھا۔ اور دوسری طرف اس میں خود غرضی و مطلب پرستی کا زہر ہلاہل بھر دیا گیا تھا۔ برعکس اس کے چال چلن میں پاکیزگی و عظمت پیدا کرنے کی طرف کوئی بھی توجہ نہیں دی جاتی اور کسی ذمہ داری کو مسب طور پر پورا کر کے جو خوشی و مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اسے سمجھانے اور سکھلانے کا تو کسی کو ذرہ بھر بھی خیال نہ تھا۔ اور نہ طلباء میں عدل پرستی و انصاف پسندی کا مادہ پیدا کرنے یا ان کی قوت ارادی کو مضبوط بنانے کو ہی ضرور سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سب اوصاف عوام میں کم ہوتے چلے گئے۔ اور بحیثیت مجموعی ان کا کہیں نام و نشان بھی باقی نہ رہا اس طرح قوم روز بروز کمزور و بزدل ہوتی گئی۔ کیونکہ یہی وہ سب ضروری اوصاف ہیں جو کسی شخص یا قوم کو مضبوط طاقت ور اور شیر دل بناتے ہیں اور اس میں ہر مصیبت اور تکلیف کو صبر و استقلال سے برداشت کرنے کی طاقت پیدا کرتے ہیں۔

مگر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس زمانے کے جرمن ارباب حکومت عوام میں ان صفات کو پیدا کر کے انہیں مضبوط بنانے کی بجائے ارادتاً انہیں روز بروز زائل کر کے کمزور کرنا

www.freepdfpost.blogspot.com

چاہتے تھے۔ اور ان کا دلی مقصد ہی یہ تھا۔ کہ عوام سب طرح کے علم و ہنر چاہتے ہوئے بھی کمزور دل، کم ہمت، ڈرپوک اور عملی طور پر ناکارہ بنتے چلے جائیں۔ یہاں تک کہ دنیا بھر کی آزاد قوموں نے جرمنوں کے متعلق یہی رائے قائم کر لی تھی۔ کہ ایک جرمن کسی چیز کو اپنے لئے مفید و کار آمد سمجھ کر اس کے پانے کی خواہش تو ضرور کر سکتا ہے۔ لیکن اس کی قوت ارادی اتنی کمزور ہے۔ کہ وہ اسے حاصل کرنے کیلئے کوئی سرگرم کوشش نہیں کر سکتا۔ اور اگر کرتا بھی ہے۔ تو اسے زیادہ دیر تک جاری رکھ کر آخر میں پوری پوری کامیابی حاصل کرنے کی ہمت نہیں دکھا سکتا۔

یہ کمزور دلی اس وقت ان کے لئے اور بھی نقصان دہ ثابت ہوئی۔ جبکہ ان میں وہ سب عادات و خصلات پیدا ہو گئیں۔ جو کہ رئیسوں اور نوابوں میں پائی جاتی ہیں اور جن کی بنیاد غیر ذمہ داری کے اصولوں پر ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی جرمنوں کی۔ یہ خواہش ضرور تھی۔ کہ ملک کا ہر باشندہ اپنے عمل و فعل میں مکمل طور پر آزاد ہونا چاہیے ورنہ شائد اس خواہش کی عدم موجودگی کے باعث صفحہ ہستی سے ہی ان کا نام و نشان کبھی کا مٹ گیا ہوتا۔ اس میں شک نہیں۔ کہ خوشامد پسند اور چاپلوس لوگوں کے لئے یہ صورت حال نہایت تسلی بخش تھی۔ لیکن کوئی بھی دور اندیش معاملہ فہم، محب وطن شخص اسے برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ ان کی نگاہوں میں تاریخ بہرحال تاریخ ہی تھی اور تاریخی صداقتیں سب پر یکساں ہی اثر انداز ہوا کرتی ہیں۔ خواہ ان کا تعلق کسی بڑے سے بڑے بادشاہ سے ہو یا ادنیٰ سے ادنیٰ رعایا سے۔

گویا یہ بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ کسی قوم کے اندر ایک ہی وقت میں کوئی اعلیٰ درجہ کا دانشمند موقع شناس و مدبر بادشاہ نیز بلند پایہ با کمال عالم فاضل ماہران علوم و فنون موجود رہے ہوں۔ لیکن جس ملک میں خوش قسمتی سے ایسا ہو جاتا ہے۔ اسے دنیا کی کوئی بھی آفت و بدقسمتی کبھی نہیں ستا سکتی۔ اور اس کی زندگی نہایت ہی امن و امان و اطمینان آرام اور چین نیز فارغ البالی اور خوشحالی کی زندگی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح بادشاہوں کے خیالات و اوصاف کی عظمت ان کی ذات واحد تک ہی محدود نہیں رہتی۔ بلکہ تمام ملک قوم میں آہستہ سرایت کر جاتی ہے۔ لیکن یہ سب اسی وقت ممکن ہے۔ جبکہ ایشور تخت و تاج کا مالک کسی فریڈرک عظم یا ولیم اول جیسے لاثانی عالم بے نظیر ماہر جنگ اور بے مثال مدبر کو بنا دے۔ مگر کہیں کئی کئی صدیوں کے بعد بصد مشکل یہ

www.freepdfpost.blogspot.com

روح افزا و زندگی بخش نظارہ دنیا کو نظر آتا ہے ورنہ زیادہ تر صورت حالات تو اس کے بالکل ہی برعکس دکھائی دیتی ہے

قومی طریق تعلیم میں ان تمام متذکرہ بالا خرابیوں کا ہی یہ نتیجہ ہوتا ہے۔ کہ انسان اپنی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنی گردن پر لینے سے ہمیشہ خوف کھاتا ہے۔ اور ان سے حاصل ہونے والے فوائد کیلئے دن رات مچلتا رہتا ہے۔ مثال کے طور پر یہاں میں عوام کی ان چند باتوں کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ جن کا میری ذات خاص سے کچھ تعلق ہے۔

مثلاً اخبار نویسی کے میدان میں پریس کو قوم کی نہایت زبردست طاقت ماننے کا کچھ رواج سا پیدا ہو گیا ہے۔ اس میں شک بھی نہیں۔ کہ حقیقتاً اس کی طاقت بھی بہت ہے۔ لیکن اس کی صحیح صحیح تشریح و توضیح بہت مشکل ہے۔ مگر پھر بھی جو کچھ اخبارات ذریعہ ہوتا ہے۔ اس کے متعلق یہی سمجھا جاتا ہے ۔ کہ یہ سب کچھ زیادہ تر تعلیم و تلقین کی نشوونما کو زیادہ سے زیادہ ترقی کے درجے تک پہنچانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور یہ قوم و ملک کی بہتری کے لئے ہے بھی مفید لیکن یہ دیکھنا بھی تو اخبارات کا ہی سب سے اہم اور ضروری فرض ہے۔ کہ کہیں قوم نالائق ' ناقابل' خود غرض اور مطلب پرست لوگوں کے جال میں تو نہیں پھنس رہی۔ اور قوم کا بھی یہ فرض ہے۔ کہ وہ ہمیشہ عوام کی تعلیم و تلقین کو گہری غور بین نظروں سے دیکھتی رہے۔ اور اسے کسی غلط راستے پر ہرگز نہ پڑنے دے خصوصاً اسے اخبارات کے رنگ ڈھنگ پر تو ہمیشہ ہی نہایت سخت نگرانی رکھنی چاہئے۔ کیونکہ اس کا اثر نامعلوم طور پر نوع انسان پر دیگر سب ذرائع تعلیم کی نسبت بہت ہی زیادہ پڑتا ہے۔ اور وہ دیر پا بھی بہت ہوتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تنظیم و تعلیم کے اصولوں کی لگاتار پیروی ہی ہے۔

اسی لئے میں نے یہ کہا ہے۔ کہ قوم کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے ملکی اخبارات کی مناسب نگرانی میں کسی طرح بھی کوتاہی نہ کرے۔ اور ہمیشہ اپنے پاک مقصد کو مد نظر رکھے۔ کسی قوم و ملک کو بھی کبھی پریس کی آزادی کے لفظی فریب اور دھوکے میں نہ آنا چاہئے۔ اور اس بارے میں اپنے پاک فرض کو ہرگز نظرانداز نہ کرنا چاہئے کیونکہ اسی سے تو عوام میں اس کی قوت و طاقت کو مضبوطی و پائداری نصیب ہوتی ہے۔ اس لئے ہر قوم کا یہ فرض ہے۔ کہ عوام کی تعلیم و تلقین کے اس نہایت زبردست ذریعہ کو نہایت مضبوطی کے ساتھ اپنے قابو میں رکھے۔ ہمیشہ اسے مناسب بے

www.freepdfpost.blogspot.com

غرضی کے ساتھ قوم و ملک کی خدمت کے راستے پر آگے بڑھنے دے اور کبھی کسی سنہری روپہری مصلحت سے گمراہ ہو کر اسے کسی غلط اور نقصان دہ سڑک نہ پڑنے دے۔

آغاز جنگ سے پہلے ہمارے نام نہاد لبرل پریس نے جو کچھ بھی کیا۔ وہ جرمن قوم اور پارلیمنٹ (ریش) کی ترقی کے راستے مین کنواں کھودنے کی نا پاک کوششوں سے کسی بھی صورت میں کچھ کم نہ تھا۔ ہمیں جھوٹ اور پر فریب (مارکسی) اخبارات کے متعلق یہاں کچھ حاشیہ آرائی کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان کے لئے تو جھوٹ بولنا اور جھوٹ لکھنا اتنا ہی ضروری تھا۔ جتنا کہ بلی کے لئے "میاؤں میاؤں" کرنا۔ ان کا تو واحد اور ہر دلعزیز مقصد ہی یہ ہے۔ کہ جیسے کیسے قومی طاقتوں کو کمزور کیا جائے۔ اور ان کی قوت کو توڑا جائے۔ یعنی جرمنوں کو بین الاقوامی سرمایہ اور اپنے (اخبارات کے) مالک یہودیوں کا غلام بنایا جائے۔ لیکن جرمنوں نے بہ حیثیت ایک قوم کے ملک کو اخطرناک زہر سے محفوظ رکھنے کے لئے کیا کیا؟ کچھ نہیں! بالکل کچھ نہیں!! کبھی کبھی وبی سی زبان سے کسی کسی اخبار کو صرف فہمائش یا کسی بے حد پر خوف و خطرناک الزام کے لئے کسی ناگفتہ بہ حقیر سی رقم کا جرمانہ جو ہر پہلو سے قابل نظر اندازی کہا جا سکتا ہے۔ اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں!

اپنی حفاظت کے لئے وقتی گورنمنٹ نے اخبارات کے خلاف یہ جو روش اختیار کی تھی۔ اس میں بھی یہودیوں کا بہت کچھ ہاتھ تھا۔ اور اس کی جس طرح بھی رہنمائی کی گئی حکومت کی کم نظری اور کوتاہ اندیشی کو پوری طرح ظاہر کرتی ہے۔ سب سے زیادہ قابل افسوس بات تو یہ تھی۔ کہ اس پہلو میں حکومت کا کوئی بھی تصفیہ شدہ مقصد نظر نہ آتا تھا۔ خوشامدیوں کی مطلب پر ستیوں کے باعث اس سے قدم قدم پر غلطی ہوتی تھی۔ لیکن نہ تو اس مخالفت کے اثر پر ہی غور کیا جاتا تھا۔ اور نہ اسے دبانے کے لئے ہی کبھی کوئی رستہ تلاش کر لیتے تھے۔ اور اگر وہ کبھی بری طرح پھنس بھی جاتے تھے۔ تو اپنے انقلاب پسند مضمون نگاروں یا ایڈیٹروں کے گلے اپنی تمام ذمہ داری منڈھ کر آپ صاف بچ نکلتے تھے۔ اس لئے آستین کے ان خوفناک اور زہریلے سانپوں کی طرف جو ان تمام خرابیوں کے موجب تھے۔ کسی کی بھی کبھی کوئی توجہ نہ ہوئی۔

کم علم اور ادھ کچرے پڑھے لکھے آدمیوں میں "فرینک فرٹر زٹیک" اخبار اچھی نظروں سے دیکھا جایا کرتا تھا۔ یہ کبھی روکھے پھیکے مضامین شائع نہ کرتا تھا۔ یہ ہمیشہ وحشیانہ طاقت کی مذمت کرتا ہوا دماغی طاقت کے ہتھیاروں سے کام لینے کی حمایت کیا کرتا تھا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

تاکہ..... عوام کے دلی خیالات پر ان کا کچھ اثر پڑے۔ ایک یہودی اخبار نویس کو بھی اپنے پرچے "ان ٹیلی جینسیا پریس" میں اس کی تعریف کرتے ہوئے یہ لکھنا پڑا تھا۔ کہ ہمارے کم خواندہ عوام کیلئے "ز۔لمک" بہت اچھا اخبار ہے۔ فرنیک فرٹرز میک اور "برلیزٹیک بلیٹ" کی تحریرات کا اثر ہمارے عوام پر خوب پڑ رہا تھا۔ ان دونوں اخبارات کا مقصد یہ تھا۔ کہ عوام کی آنکھوں پر سے جھوٹ اور مکر کا پردہ اٹھا دیا جائے۔ وہ ایک طرف تو عوام کی زبان کے بھدے پن کو دور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور دوسرے طرف تو عوام کی زبان کے بھدے پن کو دور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور دوسری طرف ان کے دل سے گندے اور ناپاک خیالات کا زہریلا! اثر ہٹانے کے لئے کوشاں تھے۔ اور اپنے دلکش طرز تحریر وہ اپنے ناظرین کے دل پر یہ کرتے جا رہے تھے۔ پاکیزہ علم اور اخلاقی سچائیاں انسان کی اپنی ہی کوششوں کے نتیجہ کے طور پر حاصل ہو سکتی ہیں۔ بلاشک وشبہ اپنے مخالفوں کا منہ بند کرنے کیلئے یہ طریقہ نہایت دانشمندانہ تھا۔ اور اگرچہ وقت پر دشمن بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ لیکن پھر بھی میں اسے یہودیوں کی تمام کوششوں کا ایک منہ توڑ جواب سمجھتا تھا۔ کیونکہ محض ادھوری کوششوں سے کسی جوش کو ٹھنڈا کرنے کی سعی ہمیشہ اندرونی کمزوری اور تباہی کی ایک بیرونی علامت سمجھی جاتی ہے۔ اور اس کے انجام کے طور ر مستقبل قریب میں ہی قومی بربادی اٹل اور لازمی ہو جاتی ہے۔

مجھے امید تھی۔ کہ جرمن قوم موجودہ خطرات پر جو اسے ہر طرف گھور رہے تھے۔ بہ آسانی قابو پالے گی۔ اور ان سے خوفزدہ ہو کر ہمت نہ ہار بیٹھے گی۔ اور یہ اعتقادات جنہیں وہ اچھی طرح سوچنے اور سمجھنے لگے تھے۔ جلد ہی یقینی طور پا ان کے دلوں میں گھر جائیں گے۔ یہودی اخبارات عوام کی اس حالت پر جس کی طرف ان کا ابھی بالکل بھی دھیان نہ تھا۔ ایک نہ ایک دن ضرور اپنے غم و غصے کا اظہار کریں گے۔ کیونکہ جب وہ دیکھیں گے۔ کہ ان کا وہ ہتھیار یعنی اخبارات جسے وہ اس نقصان دہ طریق پر استعمال کر رہے تھے۔ ان کا وہ ہتھیار یعنی اخبارات جسے وہ اس نقصان دہ طریق پر استعمال کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں سے اس طرح چھن گیاہے۔ اور اب وہ اس کے ذریعہ مزید کچھ شرارت نہیں کر سکتے۔ بلکہ اب وہ ہتھیار پھر قوم و ملک کی خدمت میں استعمال ہو کر اس کے بد باطن بدخواہوں کے غرور و تکبر کو چکنا چور کرنے لگا ہے۔ تو ان کے رنج و افسوس کا کوئی ٹھکانا نہ رہے گا۔ اس لئے میں یہ یقین کر سکتا تھا۔ کہ اس کے پہلو میں بھی ہماری حالت ہمارے ان بزرگوں

www.freepdfpost.blogspot.com

کی نسبت بہت اچھی ہے۔ جو پہلے یہودی اخباروں کی آنکھوں سے دیکھنے اور ان کے ہی دماغ سے سوچنے کے عادی ہو چکے تھے۔ کیونکہ اب ہم یہ اچھی طرح سمجھ گئے ہیں ۔ کہ تیس سینٹی میٹر والی بارود کا ایک گولہ ایک ہزار غدار یہودی نامہ نگاروں اور مضمون نویسوں کی نسبت زیادہ آواز پیدا کر سکتا ہے۔ لہٰذا ان کی بکواس و لغو گوئی کی ہمیں کچھ بھی پرواہ نہ کرنی چاہئے۔

اسی لئے میرا یہ خیال تھا۔ کہ ہماری تعلیم ایسی ہونی چاہئے ۔ جس سے ہمارے نوجوانوں کی فرصت کا ایک ایک لمحہ ان کی جسمانی حالت کو بہتر بنانے میں صرف ہو سکے۔ کیونکہ انہیں اس بارے میں کوئی بھی حق حاصل نہیں۔ کہ وہ اپنی گراں بار زندگی کے ان بیش قیمت برسوں کو سڑکوں اور بازاروں میں گھومتے ہوئے ہو حق مچانے میں یا سینماؤں کے لغو و بیہودہ کھیل تماشوں کے دیکھنے میں ہی ضائع کر دیں ۔ بلکہ انہیں اپنے روزانہ کام کاج سے چھٹی پانے کے بعد اپنے جسم اور دل و دماغ کو مضبوط اور طاقت ور بنانے میں صرف کرنا چاہئے۔ تاکہ زندگی کی جدوجہد میں انہیں کبھی کوئی کمزوری محسوس نہ ہو۔ نوجوانوں کو آئندہ کا رزارحیات میں پورے پورے جوش و خروش اور طاقت و قوت سے حصہ لینے کے قابل بنانا ہی ہر ایک نوجوان مرد و عورت کی تعلیم کا حقیقی مقصد و مدعا ہونا چاہئے۔" لیکن کورے کتابی علم سے ہی یہ کام نہیں چل سکتا۔ اسے خود یہ محسوس کرنے کی ضرورت ہے۔ کہ اپنے جسم کو مضبوط اور چاق و چوبند بنانا ہر شخص کا اپنا ذاتی فرض ہے۔ اس لئے اس کو بھی اپنی خاندانی روایات کی بنا پر اپنے آپ کو اپنے اس پاک فرض کی طرف سے لاپرواہی کا مرتکب نہ ہونے دینا چاہئے۔

یہ نہایت ضروری ہے۔ کہ ہم اپنی جسمانی حالت کو بہتر بناتے ہوئے اپنے دل و دماغ بلکہ روح تک کو بھی موجودہ پرعیب ناقص اور کمزور کن گندی فضا کے خلاف سرتوڑ جنگ میں مصروف ہو جائیں۔ آجکل ہماری قومی زندگی یعنی مردوں اور عورتوں کے متعلق مکروہ خیالات کا مرکز بن رہی ہے۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے کی نفس پرستی کے لئے مقناطیسی طاقتوں سے بھرپور نظر آتے ہیں۔ اگر آپ سینماؤں' تھیٹروں اور کھیل تماشوں کے اخراجات پر نظر ڈالیں۔ تو آپ کو یہ ماننا پڑیگا کہ ہمارے مایہ ناز ملکی نوجوانوں کے لئے یہ مناسب خوراک مہیا نہیں کرتے۔ اشتہار بازی اور گانے بجانے سے عوام کے خیالات بری باتوں کی طرف بھی کھینچے جا سکتے ہیں۔ اور اچھی باتوں کی طرف بھی لیکن کوئی بھی شخص جس

www.freepdfpost.blogspot.com

نے نوجوانوں کی بھلائی برائی کے متعلق اپنی سوچنے اور غور کرنے کی طاقت کو بالکل ہی زائل نہیں کر دیا۔ بہت ہی آسانی سے یہ سمجھ سکتا ہے۔ کہ آج کل یہ سب چیزیں جس صورت میں نوجوانوں کے سامنے پیش کی جا رہی ہیں۔ وہ ان کے لئے نہایت ہی نقصان دہ ہے۔ اس لئے ہمیں اپنی قومی زندگی کو زمانہ حال کی شہوت پرستیوں کی ناپاک فضا سے بچانا ہی پڑے گا۔ اور تب ہی ہو سکتا ہے۔ جبکہ ہم ایسے طریقوں سے ان کا مقابلہ کرنے کی کوشش کریں۔ جو نہایت محتاط لیکن نہایت ہی زبردست ہوں۔ اور ایسے پاکیزہ نفس و بلند خیال انسانوں کے تجویز کردہ ہوں۔ جو معمولی طبقے کے لوگوں سے بہت بلند پایہ ہیں۔ ان سب طریقوں میں عوام کی رہنمائی ایسے خیالات سے ہونی چاہئے۔ جو ہمارے قومی جسم اور ہماری قومی روح کو درست اور صحت مند رکھنے والے ہوں۔ تب کہیں اس کے بعد سلسلہ نسل قائم رکھنے کے لئے ذاتی فرض اور شخصی آزادی کا سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ اس سے پہلے ہرگز نہیں!

ہماری تہذیب دفن کے تقریبا ہر ایک شعبہ میں یہ کمزوری نمایاں تھی۔ اور ہماری اندرونی تنزل و تباہی کی یہی سب سے بڑی علامت تھی۔ کہ ہمارے نوجوانوں کیلئے یہ ناممکن ہو گیا تھا۔ کہ وہ ایسے فنی مرکزوں میں رہتے ہوئے جہاں کی فضا شہوت پرستیوں کے ناپاک جذبات سے پر تھی۔ نوجوانو! ہوشیار کی اس عام تنبیہہ و فہمائش کی آواز کی کچھ توجہ دیتے۔ جو ملک و قوم کے ہر بہی خواہ کی زبان سے بلند ہو کر فضا میں گونج رہی تھی۔ یہ خیال کہ یہ سب کوششیں وہاں ہونی چاہیں تھیں۔ جہاں نوجوانوں کی آئندہ زندگیوں کو بنانے کے لئے سبھی سازو سامان موجود تھے۔ کچھ بہت حوصلہ افزا اور دل خوش کن نہ تھا۔ کیونکہ تمام نکتہ شناس پاکیزہ خیال ڈرامہ نویس اس کے متعلق پہلے ہی ایک عرصہ دراز سے نہایت زور دار الفاظ میں عوام کو فہمائش کر رہے ہیں۔ ذرا شلر کے غم و غصہ اور غیض و غضب بھرے الفاظ میں عوام طرف توجہ دیجئے اور دیکھئے کہ گوئٹے جیسا شخص بھی اس صورت حال پر غور کرتے کرتے کیسا غضبناک ہو جاتا تھا۔ لیکن درحقیقت شلر گوئٹے' شیکسپیئر وغیرہ کی تصانیف جرمنی کے پر جوش رزمیہ شاعروں کی بہادری اور دلاوری کے ہنگامہ خیز جذبات پیدا کرنے والے کلام کا کیا مقابلہ کر سکتی ہیں۔ انہوں نے جو کچھ عوام کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس کی یاد اب بھی ہمارے نیم مردہ جسموں میں دوڑتے ہوئے لیکن سرد خون میں جوش پیدا کر سکتی ہے۔ مگر اس کی طرف کوئی توجہ بھی تو دے

www.freepdfpost.blogspot.com

عالمگیر جنگ سے پہلے ہماری قومی تہذیب کی یہ قابل افسوس حالت صرف اسی لئے نہ تھی۔ کہ ہماری وہ طاقتیں جو تمدن اور مختلف فنون میں ایک نئی زندگی اور قوت پیدا کرتی ہیں۔ بالکل کمزور ہو گئی تھیں۔ بلکہ اس کی سب سے بڑی ذمہ داری ہمارے ان قابل نفرت و پر عیب تعلیمات پر تھی۔ جو ہمارے شان دار ماضی کی تمام پاکیزہ یاد گاروں پر کلنگ لگا کر انہیں ہماری نظروں سے گرا رہے تھے۔ اور ہمیشہ کے لئے غائب کرنے کی ناپاک کوششوں میں شب و روز مصروف تھے۔ یہاں تک کہ گذشتہ صدی کے آخری زمانہ میں ہمارے تمام علوم و فنون میں عموما اور ڈرامہ علم و ادب میں خصوصاً تمام خاص طور پر قابل نخریاتوں کو نا ممکن۔ بعید از قیاس' نا قابل عمل وغیرہ ظاہر کر کر کے الٹا انہیں ہیچ و ناکارہ ظاہر کیا گیا تھا۔ اور ان کا مذاق اڑایا گیا تھا۔ کیا زمانہ حال ان عیوب سے بالکل ہی پاک و صاف ہے۔ جن کو زمانہ ماضی کی تصنیفات سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نہایت شرمناک طور پر ہمارے سامنے لایا جاتا ہے۔ کتنے حیرت تعجب اور افسوس کی بات ہے۔

جنگ سے پہلے کے مذہبی و دینی حالات کا یہ نظیر غور و مطالعہ کرنے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ کس طرح ہر ایک ضروری مسئلہ پر بحث و تمحیص کو نا مکمل ہی چھوڑ دیا گیا تھا۔ جس کے باعث قوم کے اعلےٰ اور سمجھ دار طبقے کا وہ اعتقاد و اعتماد جو کسی زمانے میں نہایت عالمگیر اور اٹل تھا۔ آہستہ آہستہ ان پر سے اٹھتا اور بٹتا چلا گیا۔ اور اس کام میں دینیات (چرچ) کے ساتھ کھلم کھلا لڑنے والوں کی نسبت ان لوگوں نے بہت زیادہ حصہ لیا۔ جو بظاہر اس جھگڑے سے بالکل ہی الگ تھلگ نظر آتے تھے (یعنی رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ) جو ایشیا اور افریقہ میں اپنے اپنے عقائد کا پرچار کر رہے تھے۔ لیکن دھرم پرچار کے متعلق ان کی یہ زبردست خواہش مسلمانوں مذہبی عقیدت کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھی۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ یورپ میں عیسائیت کا اثر روز بروز کم ہوتا جا رہا تھا۔ اور پادری لوگ اپنے ان کروڑوں پیروں کو اپنے تعاون سے بالکل محروم رکھ رہے تھے۔ جو عیسائیت کی زندگی سے لاپرواہ ہو چکے تھے۔ یا جن کا اعتقاد و عیسائیت پر سے مل گیا تھا۔ کیونکہ سیاسی نقطہ خیال سے بھی اس کا نتیجہ کچھ نقصان دہ نہیں تھا۔

آج کل بھی کئی علامات اس رگڑ اور کشمکش کی ایسی ہیں۔ جو روز بروز بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ کیونکہ عیسائیت کے مختلف فرقہ جات میں بہت سے مسائل و عقائد اب بھی عملی طور پر انسانی سمجھ بوجھ کی حد سے بہت باہر ہیں۔ جن پر کوئی بھی سمجھ دار شخص اپنی معمولی عقل

www.freepdfpost.blogspot.com

و تمیز سے کام لیتا ہوا ایمان نہیں لا سکتا۔ مگر کسی بھی قوم کے معمولی افراد منطق دلائل کے دیوانے نہیں ہوتے۔ اور ان کی روزانہ زندگی و اخلاق کی بنیاد صرف عقید تمندی بلکہ خوش اعتقادی پر ہی ہوتی ہے۔ اسی لئے مروجہ و مقبول عام مسائل کے مقابلہ میں اسی طرح کے دوسرے مسائل کا پرچار اتنا کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جتنا کہ ان مسائل پر مخالفین کی طرف سے جو اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ ان کا کوئی معقول اور منہ توڑ جواب کامیاب ہو سکتا ہے۔ اور معترضوں کی زبان پر قفل خاموشی لگا سکتا ہے۔ مذہبی مسائل یا عقائد عوام کے دلوں پر اپنا اثر جما لیتے ہیں۔ ان کی بنیاد صرف اس مذہب یا مسئلہ یا عقیدے کے بانی مبانی کی شخصیت پر قائم سمجھی جا سکتی ہے

غرضیکہ ایک سیاسی مدبر کے لئے یہ نہایت ضروری ہے۔ کہ وہ ہر مذہب کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کی کمزوریوں اور نقائص کی بنا پر نہ کرے۔ بلکہ اس کی مضبوطی طاقت اور خوبیوں کے معیار سے کرے۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ کسی سیاسی مدبر کے ایسا کرنے سے پہلے جاہل و کم عقل معترض اپنے معقول و نا معقول اعتراضات کا کلہاڑے سے عوام کے دل سے اس کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکتے ہیں۔ اور اس طرح اس کی برائیوں کے ساتھ ہی ساتھ اس کی تمام بھلائیاں اور خوبیاں بھی تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح جرمنی کے اس وبائے جنگ میں مبتلا ہونے سے بہت پہلے عیسائیت کی طرف سے، جرمن قوم کی بد اعتقادی کی تمام ذمہ داری ان عیسائی فرقوں کے سر پر عائد ہوتی تھی۔ جنہوں نے کہ مذہب کو غلط طور پر استعمال کیا تھا۔ یا جنہوں نے کیتھولک مذہب سے اپنی عقیدتمندی کے اظہار کی دھن میں مذہب کو سیاسیات کے ساتھ جکڑ دیا تھا۔ یہ ان کی ایک بہت ہی بری غلطی تھی۔ اس غلطی نے جرمن پارلیمنٹ کے چند نا قابل اور کوتاہ اندیش ممبروں کی حوصلہ افزائی کر کے انہیں میدان عمل میں سب سے آگے بڑھا دیا۔ جس کا نتیجہ بعد میں عیسائیت کیلئے بہت ہی نقصان دہ ثابت ہوا۔ اور یہ اسی کا پھل تھا۔ کہ ایک ایسے زمانے میں جبکہ ملک ایک نہایت زبردست انقلاب کے ہنگامہ خیز طوفان میں پھنسا ہوا تھا۔ عوام کی مذہبی زندگی کمزور ہو جانے سے مذہب کی تمام اصلی طاقت بھی ایک بہت بڑی حد تک زائل ہو گئی۔ اور مذہب صرف ایک نمودی و نمائشی چیز رہ گیا۔ اور اسی سے دوسری طرف عوام کی خوش اخلاقی اور نیک چلنی کی بھی تباہی و بربادی کا زبردست خوف پیدا ہو گیا۔ جس سے تمام قوم کسی طرح بھی متاثر نہ رہ سکتی تھی۔

www.freepdfpost.blogspot.com

لیکن ہماری قوم عمارت میں آئی ان درزوں اور درازوں کی اب بھی نہایت آسانی سے مرمت کی جا سکتی تھی۔ بشرطیکہ ان پر اور کسی طرح کا بھی کوئی بوجھ نہ لادا جاتا مگر چند اہم واقعات سے پیدا شدہ تاثرات کی بدولت ملک میں جو انقلاب رونما ہوا تھا۔ اس کا کچھ نہ کچھ اثر اس کمزور عمارت پر پڑنا لازمی و لابدی تھا۔ یہ تمام خرابیاں جو حکومت کی ملکی و خارجی پالیسی کو آہستہ آہستہ تہ و بالا کر رہی تھیں۔ کسی دور اندیش تیز نظر مدبر کی دور بین نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکتی تھیں۔ چنانچہ اکثر مدبروں نے ان علامات کو وہی تکلیف اور بیچینی بھری نظروں سے دیکھا۔ اور حکومت کی اس نقصان دہ و مذموم پالیسی میں اصلاح کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ارباب حکومت کی اس بارے میں لاپرواہی کی مذمت بھی کی۔ کیونکہ وہ اس کے اندرونی کھوکھلے پن کو اچھی طرح جانتے تھے۔ لیکن میدان سیاست میں وہ صرف نووارد تھے۔ اس لئے ان کی حکومت کے حلقوں میں کچھ زیادہ اثر نہ رکھتی تھی۔ اور اس وقت بھی اقلیت کی معقول سے معقول بات کو اسی طرح نظرانداز کر دیا جاتا تھا۔ جس طرح کہ آج کل!

ایسے مدبر اپنے متعلق سوچنے میں خواہ کتنے بھی حماقت بیگ کیوں نہ ہوں۔ مگر انہیں ہمیشہ دوسروں کی فکر دامنگیر رہتی ہے۔ ان کی بہت سی خام خیالیوں میں سے ایک خام خیال یہ بھی تھی۔ کہ زمانہ انقلاب کے بعد سے ہی جو پارلیمنٹری حکومت رائج تھا۔ وہ پہلے سے بہت کچھ مختلف تھا۔ مگر حقیقت تو یہ ہے۔ کہ اس کا حال ہمیشہ سے ہی ایسا رہا ہے۔ فرق صرف اتنا تھا۔ کہ پہلے لوگ اس کی نمائشی چمک دمک پر لٹو ہو کر اس کی طرف کھنچے جا رہے تھے۔ مگر اب اس کی قلعی کھل گئی تھی۔ اور وہ اس کی اصلیت سے آگاہ ہو گئے تھے۔ مگر پھر بھی اسے ہی جرمن کے زوال اور تباہی کا باعث قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اس کی تمام ذمہ داری ان خود غرض اور مطلب پرست لوگوں پر ہی تھی۔ جو اپنے مخالفوں کی معقول سے معقول کو بھی ٹھنڈے دل سے نہیں سن سن سکتے۔ اس سے فائدہ اٹھانا تو بہت دور کی بات ہے۔

اس لئے ہر سمجھدار شخص بہ آسانی یہ دیکھ سکتا تھا۔ کہ جرمن پالیمنٹ نے جس کام میں بھی ہاتھ ڈالا۔ وہی نامکمل رہا یا ناکامیاب ثابت ہوا۔ مثلاً اس کے اتحاد و اتفاق کی پالیسی کو ہی لے لیجئے۔ وہ ارباب حکومت کی نا قابلیت کا ماتم کرتی ہوئی دکھائی دے گی۔ اگرچہ انہوں نے دنیا میں امن وامان قائم رکھنے کی کوشش ضرور کی۔ مگر پھر بھی وہ جنگ کو نہ

www.freepdfpost.blogspot.com

روک سکے۔ اسی طرح پولینڈ کے متعلق بھی ان کی پالیسی سراسر ناکام رہی۔ اور انہوں نے پولینڈ والوں کو ناراض کر لیا۔ ساتھ ہی اس کے روس سے بھی فضول کی دشمنی پیدا کر لی گئی۔ ایلکس اور لورین کے سوال کا جو حل انہوں نے کیا۔ وہ بھی بالکل نا قابل اطمینان رہا۔ سر چڑھے فرانسیسی سانپ کا ہمیشہ کے لئے پوری طاقت سے سر کچلنے کی بجائے انہوں نے ویسے ہی باتیں بنا بنا کر اسے چھوڑ دیا اور وہ کرتے بھی کیا؟ ملک بھر میں بڑے عیاروں اور دھوکے بازوں نے مختلف پارٹیوں کے روپ میں اپنے اپنے مضبوط اڈے بنا رکھے تھے۔ مثال کے طور پر وبٹرے کی سنٹرل پارٹی کو ہی دیکھ لیجئے! جس کا ایک عرصے سے خوب بول بالا رہا ہے۔

یہودیوں نے اپنے مارکس پرست سوشلسٹ پریس کی طاقت سے دنیا بھر میں حکومت جرمنی کی جنگی پالیسی کے خلاف جھوٹا پرچار کر کے جرمن قوم کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اور نہ ان سوشلسٹ پارٹیوں نے جرمنی کی قومی فوج کو مضبوط و طاقت ور بنانے میں ہی کچھ مدد دی تھی۔ بلکہ اس سے صاف انکار ہی کر دیا تھا۔ مگر پھر بھی ان سے کچھ باز پرس نہ کر سکتی تھی۔ اس لئے یہی ماننا پڑے گا۔ کہ جنگ آزادی میں جرمن قوم کی شکست کی سب سے بڑی وجہ تھی۔ کہ ہم نے زمانہ امن و امان میں اپنی مادر وطن کی حفاظت و عظمت کے لئے عوام کے دلوں میں کافی طاقت و قوت اور مناسب جوش و خروش پیدا نہیں کیا تھا۔ بلکہ اپنے اس فرض کی ادائیگی میں ہم ہر طرح سے کوتاہی اور بزدلی دکھاتے رہے تھے۔

حکومت کی اس خرابی سے ہی عوام کو بہکا بہکا کر یہ الٹی تعلیم دی جاتی رہی ہے کہ بس حکومت ہی رعایا کی مائی باپ ہے۔ اس لئے عوام کو اپنی بھلائی برائی کے متعلق کچھ بھی سوچنے یا کرنے دھرنے کی ضرورت نہیں۔ پہلے جب حکومت اچھی تھی۔ تو سب کچھ اچھا سمجھا جاتا تھا۔ اور ملک میں ہر طرف سکون و اطمینان کی فضا پھیل رہی تھی مگر جب قدیم و قابل اطمینان حکومت کی بجائے نئی اور غیر تسلی بخش اور کوتاہ اندیش حکومت جاری ہو جائے۔ تو عوام کو کسی طرح چین اور اطمینان ہو سکتا ہے۔ اور وہ نادان بچوں کی مانند کیسے اس پر پورا پورا اعتماد کر کے فرما بردار و جاں نثار رہ سکتے ہیں؟

اب تو حکومت کے خلاف بے شمار شکائتیں اور شکوک و شبہات پیدا ہوتے جا رہے تھے۔ مثلاً موجودہ حکومت کے کرتا دھرتاؤں نے اپنی حکومتی طاقت کے زور سے قومی

www.freepdfpost.blogspot.com

رہنمائی اور نمائندگی کے اختیارات پر بھی قابو حاصل کر لیا۔ پھر ان لالچی اور خود غرض مدبروں نے اپنے تجارتی سودوں اور لین دین کی سپرٹ سے قوم کو سخت نقصان اور بے حد تکلیف پہنچائی۔ اور حکومت کی طاقت اور رعب داب کو کمزور کر کے اپنے حاصل شدہ اختیارات کا ناجائز استعمال کیا۔ خوشامدی چاپلوس اور نا اہل لوگوں کو اعلےٰ عہدوں پر متمکن کر دیا۔ اور اپنی پارٹی بازی کی سپرٹ سے فوجوں کو سر پر چڑھا لیا۔ شہنشاہ کو اپنے شاہی اختیارات کو مناسب طور پر استعمال کرنے کی اجازت دیدی۔ جس کی وجہ سے اس نے بھی اپنی ذمہ داری کا خیال نہ کیا۔ جس کا بار پالیمنٹ کی اکثریت کی نسبت خود شہنشاہ کے کندھوں پر بہت زیادہ تھا۔ کیونکہ جرمنی کی آئینی حکومت کی پاکیزگی اور بے لوثی کا سب دارومدار اسی پر رکھا گیا تھا۔

فوجوں کو اپنی قومی و ملکی عظمت و شان کی حفاظت کے آدرش کو پیش نظر رکھنے اور اس کے لئے ہر طرح کی قربانی کرتے ہوئے مرمٹنے کی تعلیم جو پہلے دی گئی تھی۔ اسے لالچ اور مادہ پرستی کے زیر اثر بالکل کمزور و ناقابل عمل کر دیا گیا تھا۔ پارٹی بازی اور جتھے بندی کی مخالفت میں ایک قومی و ملکی اتحاد و اتفاق کو قائم و مضبوط رکھنے کی جو تعلیم ہمیشہ سے عوام کو ملتی رہی تھی۔ اسے بھی بین الاقوامیت کے خیال سے بیجان کر دیا گیا تھا۔ اور عوام کے لئے ایک سال تک کی رضا کارانہ فوجی خدمات کے طریق کو منسوخ کرکے ان کے جذبہ ایثار و جوش حب الوطنی کو ختم کردیا گیا۔ یہی ان کے لئے زوال کا باعث ہوا۔ کیونکہ اس نے ان کے دلوں سے قومی مساوات کے خیال بالکل دور کر دیا۔ اور اس طرح پڑھے لکھے لوگوں پر جو رضا کارانہ طریق سے فوجی تعلیم حاصل کر کے فوجی لوگوں میں داخل ہو جاتے تھے۔ ان محکموں کا دروازہ بالکل بند کر دیا۔ بلکہ جو اس محکمہ میں داخل ہو چکے تھے۔ انہیں آہستہ آہستہ نکال باہر کیا۔ اس کا نتیجہ کس طرح کچھ اچھا ہو سکتا تھا۔

نام نہاد "ان ٹیلی جنشیا" اخبار نے اعلےٰ خاندانی طبقات کے لوگوں کو جنہیں رضا کارانہ فوجی تعلیم آہستہ آہستہ عوام کے نزدیک لائی جا رہی تھی۔ اس طرح ان سے رفتہ رفتہ دور کئے جانے کی حمایت میں دھواں دھار مضامین تحریر کر کے اعلےٰ و ادنیٰ طبقات کے لوگوں کے درمیان جو خلیج موجود تھی۔ اس کو اور بھی وسیع کر دیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ہماری رضا کارانہ فوجی تعلیم کی سکیم میں کچھ نقائص ضرور تھے۔ لیکن دنیا میں بالکل ہی بے نقص چیز کون سی ہے۔ اس کے برعکس ہمارے دشمن زبردست اور ہوشیار تھے۔ کہ وہ

www.freepdfpost.blogspot.com

ہماری ہر ایک غلطی سے پورا پورا فائدہ اٹھا لیتے تھے۔

ایک زمانہ وہ بھی تھا۔ جبکہ تمام انتخابات کے موقع پر فوجی سپاہیوں نے اپنی رائے کا اظہار کر کے قوم و ملک کی پوری پوری خدمت کی تھی۔ یہودی جمہور نوازی یا اکثریت کے خیال کا پجاری ہوتے ہوئے بھی ہر ایک فوجی سپاہی اپنی ذاتی اور انفرادی رائے رکھتا تھا۔ کیونکہ عہد گذشتہ میں اسے اس امر کی تعلیم دی گئی تھی۔ کہ اس زمانہ میں ایک سپاہی کے لئے کیا کیا اوصاف ضروری تھے۔ نزاکت' نامردی اور بزدلی کے شرمناک بحر ذلالت سے دور رہ کر اپنی مردانہ طاقت و قوت' ہمت و جرات اور دلاوری و جانبازی پر ہی فخر کرنے والے ساڑھے تین لاکھ نوجوان ہر سال فوجوں میں داخل ہوا کرتے تھے۔ اور دو سال تک فوجی تعلیم پانے کے باعث ان کے عالم شباب کی تمام نزاکت اور کمزوری ہمیشہ کے لئے ان سے دور ہو جایا کرتی تھی۔ جس سے ان کے جسم فولاد کی مانند مضبوط ہو جاتے تھے۔ یہ اسی دو سال کی فوجی ڈسپلن اور فرمانبرداری کا نتیجہ تھا۔ کہ ہر ایک نوجوان میں حکومت کرنے کی قابلیت پیدا ہو جاتی تھی۔ اور اپنی معمولی سمجھ بوجھ سے ہی ہر شخص یہ جان سکتا تھا۔ کہ وہ ایک باقاعدہ تعلیم یافتہ فوجی سپاہی ہے۔

غرضیکہ یہ رضاکار فوجیں ہی جرمن قوم کی وہ تعلیم گاہیں تھیں۔ جن میں رہ کر کسی وجہ سے یا کسی لالچ اور حرص یا بغض وحسد کے جال میں پھنس کر کبھی کوئی سپاہی بھول کر اپنے دل میں یہ خیال نہیں لا سکتا تھا۔ کہ اس کی قوم کسی طرح کمزور ہو جائے۔ یا اس کے ہموطن شہری بالکل غیر مسلح رہ کر ناکارہ بنے رہیں غرضیکہ عہد گذشتہ کے دور حکومت میں فوج اور قوم کی اس تیاری و ساخت میں اس زمانے کے ارباب حکومت نے اپنی بے اندازہ قوت و طاقت خرچ کی تھی۔ اور اسی لئے دنیا بھر میں جرمنی حکومت کی خوش انتظامی اور تنظیم بے مثال مانی جاتی تھی۔

اس زمانے کے جرمن حکام اور افسروں کو خواہ آج کل ہم نوکر شاہی کے غلام ہی کیوں نہ کہیں۔ مگر وہ دوسری قوموں کے حکام اور افسروں کی نسبت بدرجہا اچھے تھے۔ کیونکہ ان کے پاس نہ تو ایسے مضبوط و کار آمد ہتھیار ہی تھے۔ اور نہ ایسے ہوشیار سمجھدار فرض شناس اور کبھی بھول نہ کرنے والے افسر و سپاہی ہی غرضیکہ کسی قدر بد اطوار ہوتے ہوئے بھی جاہل اور لا علم رہنے کی نسبت (جیسے کہ آجکل اکثر آدمی نظر آتے ہیں) ایمان دار نیک چلن اور قابل اعتماد بنے رہنا نیز اس کے ساتھ ہی ساتھ اپنے علم و ہنر پر فخر کرتے

www.freepdfpost.blogspot.com

رہنا ہی ہمارے لئے ہزار درجہ اچھا اور قابل تعریف ہے۔ اگر ساتھ ہی اس بد چلنی و بداطوری کے عیب سے بھی ہم پاک ہوں۔ تب تو کہنا ہی کیا ہے ؟

اس وقت جرمن افسر اور نظام حکومت دونوں ہی خاص طور شخص حکمرانی کے اثر سے آزاد تھے۔ کسی طرح کا بھی کوئی غیر مستقل خیال ان کی سیاسیات پر اپنا اثر نہیں جما سکتا تھا۔ مگر انقلاب نے اس کی بالکل ہی کایا پلٹ دی۔ پارٹی بازی کے خیال نے قابلیت و لیاقت کے معیار کو بھی نظر انداز کرا دیا۔ کیونکہ ذاتی صفات کی قدر و قیمت کی بجائے سفارشی ٹٹوؤں کا بول بالا ہو رہا تھا۔ اسی لئے حکومت کے کرتادھرتا یعنی فوجی اور سول افیسروں نے آپس میں مل ملا کر قدیم حکومت کی حیرت انگیز طاقت کے تمام اثرات کو آہستہ آہستہ زائل کر دیا تھا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

قوم اور نسل

تاریخ میں ایسی بے شمار نظیریں مل سکتی ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کس طرح آریہ نسل کا خون دوسری ادنیٰ نسل کی قوموں سے مل گیا۔ اس کا انجام یہ ہوا۔ کہ ہمارے ملک میں بہت سے خاندانوں کا بھی جو آریہ نسل کے محافظ تھے۔ آہستہ آہستہ خاتمہ ہو گیا۔ شمالی امریکہ میں زیادہ تر ایسے ہی جرمن آباد ہیں۔ جنہوں نے ادنیٰ نسل کی قوموں سے بہت کم میل ملاپ کیا ہے۔ اس لئے ان کی نسلی و تہذیبی پاکیزگی جنوبی امریکہ میں آباد لاطینی باشندوں کی نسبت بدرجہا افضل وبرتر ہے۔ جن کا خون وہاں کے اصلی باشندوں کے خون اور نسل کے ساتھ بہت اچھی طرح مل گیا ہے۔

متذکرہ بالا مثال کو پیش نظر رکھ کر نسلی دوغلے پن کے نتائج بڑی اچھی طرح سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے۔ کہ براعظم امریکہ میں آباد جرمن نسل کے لوگوں نے اپنی پاکیزگی کو برقرار رکھتے ہوئے اس ملک پر اپنا قبضہ جما لیا ہے۔ اور آئندہ بھی تب تک وہ اپنی وہی شان قائم رکھنے میں ہر طرح کامیاب رہیں گے۔ جب تک کہ ادنیٰ نسل کی قوموں سے ربط و ضبط بڑھا کر وہ اپنی خوبیوں کو تباہ و برباد نہ کر دیں گے۔ نیز دوغلی اولاد پیدا کرنے کی غلطی کے مرتکب نہ ہوں گے۔

جب کوئی قوم دنیا میں فتح حاصل کر کے دوسروں کو مغلوب کر لیتی ہے۔ اور ان پر ہر طرح اپنا اقتدار قائم کر لیتی ہے۔ تب اس کے لئے پر امن طریقوں سے مفتوح لوگوں کے دلوں پر اپنے رحم و ہمدردی کا سکہ جمائے رکھنا ہی سب سے اچھی بات ہے۔ ایسی حالت میں وہ جو بھی اصول عوام کے ہوں۔ پیش کریں گے۔ وہ کبھی نقصان دہ یا بے چینی پھیلانے والے ثابت نہ ہوں گے۔ اس طرح پہلے سختی اور بعد میں نرمی کی ضرورت پڑتی ہے۔ ورنہ اس کے اثرات یہی ہوں گے۔ کہ وہ قوم انسانیت کی حدود سے گزر کر وحشی پن کے راستہ

www.freepdfpost.blogspot.com

پر قدم بڑھا رہی ہے۔ سیاسی نقطہ خیال سے اس کا انجام صرف ظلم و ستم پر ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے خلاف انسانیت وحشی پن کے ساتھ ہی نسلی تنزل اور دوغلہ پن بھی شروع ہو جاتا ہے۔ قدرتاً اس پر کچھ لوگ ہنستے اور مذاق بھی اڑاتے ہیں۔ لیکن لاکھوں برس سے آہستہ آہستہ اس دنیا یہی حالت ہوتی جا رہی ہے۔ اور یہ تب ہو ہوتا ہے۔ جبکہ انسان یہ بھول جاتا ہے۔ کہ اس کی ہستی دیوانہ پن اور جنون کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ ہزار ہا سال پرانے قدرتی اصولوں پر نہایت سختی کے ساتھ عمل کرنے اور ان کی بدولت حاصل شدہ خدا داد عقل و فہم کے زور و طاقت کی بنیادوں پر قائم ہے اور جب یہ بنیادیں کھوکھلی یا کمزور ہو جائیں گی۔ تب اس کا بھی قائم رہنا ناممکن ہو گا

وہ تمام صفات جن کی دنیا میں کچھ عزت کی جاتی ہے۔ مثلاً علم و ہنر، مختلف فنون و قوت ایجادات وغیرہ وغیرہ ان کی دریافت کا سہرا خاص خاص قوموں کی طاقت عقل و فہم کے سر پر ہی ہے۔ اور بنیادی طور پر شائد وہ سب ایک ہی نسل سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لئے اپنی ہستی کی پائداری و مضبوطی کے لئے تہذیب و اخلاق کو اکثر ان ہی پر انحصار رکھنا پڑتا ہے۔ اور اگر وہ کسی طرح تباہ و برباد ہو گئیں۔ تو دنیا کی تمام خوبصورتی و دلفریبی بھی ان ہی کے ساتھ ہی ساتھ خاتمہ ہو جائے گا۔

اگر ہم (۱) نسل انسانی کو تہذیب عالم کی بنیاد رکھنے والے۔ (۲) اس میں حسب ضرورت اصلاح کرنے والے (۳) اسے تباہ کرنے والے لوگوں کو تین حصوں میں تقسیم کرنا چاہیں۔ تو یقیناً" ان میں سے پہلے فریق میں آریہ نسل ہی جگہ پائے گی۔ جس نے اپنی تعداد وشمار میں کم ہونے کے باوجود بھی دنیا میں دوسری نسلوں اور قوموں کی مدد سے جو اس کے ماتحت آئیں۔ اس نے اپنے فتح کردہ ممالک میں وہاں کی ضروریات کے مطابق ہی ترقی و اصلاح کا دور شروع کر دیا۔ اور اس طرح وہاں کی سرزمین کی طاقت پیداوار آب و ہوا اور اصلی باشندوں کو ایک نام کے ماتحت کام کرنے کی قابلیت اور ان کی دماغی طاقت کے صحیح استعمال سے وہ میدان ترقی میں آگے ہی آگے قدم بڑھاتی چلی گئی اور چند ہی صدیوں کے عرصے میں اس نے اپنے مفتوح ممالک اور قوموں کی مقامی حالت کے مطابق وہاں کی تہذیب میں بھی ضروری رد و بدل کرکے اسے کچھ اور ہی شکل دے دی یہی حقیقتاً" مختلف تہذیبوں کے باہمی اختلاف و مشابہت کا نمایاں باعث کہا جاسکتا ہے۔

لیکن جہاں ان فاتحوں نے زمانہ کی رفتار کے ساتھ ہی ساتھ اپنے خون اور نسل کی

www.freepdfpost.blogspot.com

پاکیزگی کو قائم رکھنے کے اصول کو نظر انداز کرکے مفتوح قوموں اور نسلوں کے لوگوں کے ساتھ میل جول بڑھا کر رشتہ و رابطہ یگانگت بھی پیدا کرنا شروع کردیا وہاں ہی اس پاپ کی بدولت ان میں گراوٹ شروع ہوگئی اور آہستہ آہستہ وہ ایسے گرے کہ انہوں نے اپنی جداگانہ و آزاد ہستی کو بھی ان میں ہی غائب کردیا کیونکہ انسان جو بھی گناہ کرتا ہے اس کی بدولت اس کی عظمت و شان لازمی طور پر کچھ نہ کچھ ہی کم ہی ہوتی ہے۔ بڑھتی ہرگز نہیں۔

دنیا میں ہمیشہ سے اعلیٰ قومیں افضل و برتر مانی جاتی ہیں خواہ کوئی بیرونی مشاہد کار اسے سمجھے یا نہ سمجھے لیکن پھر بھی اگر اور کچھ نہیں تو ان کی غیر معمولی لیاقت و قابلیت ہی ان مشاہدہ کرنے والوں کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی اورانہیں ان کی عظمت و اہمیت کو تسلیم کرنے کے لئے مجبور کرتی ہے۔ کیونکہ اس دنیا میں اکثر آدمی ایسے بھی ہیں جو خود اپنی پوشیدہ و خوابیدہ طاقتوں کو سمجھنے اور جاننے کی قابلیت نہیں رکھتے لیکن اس کی بیرونی علامات مثلاً" مختلف دریافتوں ' تحقیقاتوں ' ایجادوں' عمارتوں اور تصویروں وغیرہ کی بدولت دوسرے انہیں باآسانی پہچان سکتے ہیں مگر خود انہیں اپنے آپ کو جاننے اور سمجھنے میں اکثر بہت دیر لگتی ہے جیسے کسی انسان کی زندگی میں اس کی کوئی خاص قابلیت یا کوئی غیر معمولی وصف صرف اسی وقت ظاہر ہوتا ہے جبکہ کسی پیچیدہ سوال کے سامنے آجانے یا کسی ایسے خاص موقع پر گرد و پیش کے حالات، اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں ویسے ہی قوموں کی زندگیوں میں ان کی عظیم الشان حقیقی طاقتیں بھی جو معمولی حالات میں کبھی دکھائی بھی نہیں دیتیں خاص خاص اہم موقعوں پر ظاہر ہوکر نمایاں صورت اختیار کرلیتی اور انہیں ترقی و عروج کی غیر معمولی منزلوں تک پہنچانے کا باعث بن جایا کرتی ہیں لیکن یہ بھی اسی ایک نسل کی قوموں میں زیادہ تر دکھائی دیتا ہے جو شروع سے ہی انسانی تہذیب کی ترقی یافتہ زندگی کی واحد بنیاد رہی ہے اور اب بھی ہے۔ وہ نسل تہذیب و ترقی کی قدیم پوجاری آریہ نسل ہی ہے اور اس کے سوا دوسری کوئی نہیں!

غرضیکہ اعلیٰ تہذیب کی خاطر خواہ ترقی کے لئے مختلف ادنیٰ تہذیبوں اور ان کی پیروؤں کی موجودگی بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ وہی تو اس وقت اس کی ترقی کا ایک موزوں زینہ ہیں جن کے بغیر کسی اعلیٰ تہذیب کی خوبیاں انسان کی سمجھ میں آسکتی ہیں اور نہ دنیا میں ان کی کچھ قدر وقیمت ہی ہوسکتی ہے۔ مثلاً" جب ابتدائے عالم میں مہذب انسانوں نے

www.freepdfpost.blogspot.com

جانوروں کو پال پال کر ان سے اپنا کام لینا شروع کیا تو اس سے بھی پہلے وہ وہی سب کام اپنے سے کم تہذیب یافتہ لوگوں سے لیا کرتے تھے اسی طرح جب انہوں نے کچھ غیرمہذب قوموں کو اپنا غلام بنا لیا تبھی اس کے بعد حیوانات کی قسمت جاگی کیونکہ پہلے غلاموں سے ہل کھچوایا جاتا تھا۔ بعد میں ان کی بجائے بیل اور گھوڑے جوتے جانے لگے۔ شائد آج کل امن و امان کے بہت سے جھوٹے پوجاری انسانوں سے ہل کھچوانے کو انسانی کمینہ پن کی آخری حد خیال کریں گے مگر انہیں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ انسانی تہذیب کا ترقی کی ان تمام منزلوں میں سے گذرنا۔ کتنا لازمی دلابدی تھا۔ اور بغیر اس کے دیوتا بھی جہالت و لاعلمی کی اس تاریکی کو کیسے دور کر سکتے تھے ؟

درحقیقت انسانی تہذیب کی ترقی ایک لامحدود زینے کی مانند ہے۔ اس پر ہر ایک انسان رفتہ رفتہ نیچے سے ہی اوپر کو چڑھتا ہے یکایک کوئی بھی اوپر نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے آریہ جاتی کو بھی اس آزمائے ہوئے راستے کی پیروی کرنی پڑی۔ مگر ان کا یہ راستہ بالکل صاف تھا۔ ایک فاتح کی حیثیت سے انہوں نے مفتوح لوگوں کو مغلوب کرلیا تھا۔ اس لئے وہ انہیں اپنے قابو میں کرکے ان سے حسب منشاء کام لینے لگے اگر وہ ان سے اپنے لئے کچھ مفید کام لیتے تھے تو اس کے معاوضہ میں وہ صرف ان کی جان کی ہی مناسب طور پر حفاظت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ انہیں ان کی پہلی جنگلی اور وحشیانہ ہستی کی نسبت ایک زیادہ خوبصورت اور ترقی یافتہ ہستی کے سانچے میں بھی ڈھال رہے تھے جسے دوسرے الفاظ میں "آزادی کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔"

اس طرح جب تک آریہ لوگ اپنے آپ کو حکمران سمجھتے رہے تب تک انہوں نے اپنی ماتحت اقوام پر اپنا قبضہ اقتدار ہی قائم نہیں رکھا بلکہ انہیں تہذیب کے اعلیٰ درجوں پر پہنچانے ترقی دینے اور ہاں انہیں قائم رکھنے بھی اپنی سب کوششوں کو لگا دیا پھر جیسے جیسے وہ مفتوح لوگ ترقی کرتے گئے ان کی زبان بھی شائد فاتحوں کی زبان جیسی ہوتی گئی اور اس طرح آہستہ آہستہ فاتح اور مفتوح اور آقا وغلام کی درمیانی خلیج بھی رفتہ رفتہ کم ہونے لگی اور آخر دونوں میں بہ حیثیت ایک انسان کے کچھ بھی فرق نہ رہا۔

مگر کہیں کہیں آریوں نے اپنے خون کی پاکیزگی کا پھر اظہار کردیا۔ اور اپنی بنائی دنیاوی بہشت پر اپنا ہی قبضہ ظاہر کیا۔ لیکن اپنے اس نسلی میل جول کو دیکھ کر وہ بحر فکر میں ڈوب گئے اور ان کے تعجب کی کوئی حد نہیں رہی۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ انہوں نے تہذیب

www.freepdfpost.blogspot.com

کی توسیع کے ساتھ ساتھ اپنے بزرگوں کی نسبت بہت زیادہ ملتے جلتے رہے ہیں۔ حالانکہ وہ ابھی کچھ مدت تک اپنی اس اعلیٰ تہذیب کا اور لطف لے سکتے تھے۔ مگر اس کی طرف سے لاپرواہی اختیار کرکے انہوں نے غلطی کی۔ اس سے یہ حقیقت اچھی طرح ہے کہ قدیم تہذیبوں اور سلطنتوں کو کس طرح زوال پہنچ کر ان کی بجائے نئی تہذیبیں اور سلطنتیں رونما ہوتی رہی ہیں۔

یہودیوں کے دماغی اوصاف میں بھی یہ تبدیلیاں رونما ہوتے ہوئے صدیاں گزر چکی تھیں۔ حتیٰ کہ آج ہم انہیں عیاری و مکاری کا پتلا سمجھتے ہیں۔ حقیقتاً" وہ ہمیشہ ایسے ہی تھے اور آئندہ بھی ایسے ہی رہیں گے۔ ان کی یہ دماغی قابلیت ان کی شخصی ترقی کے باعث نہیں بلکہ غیروں کی دی ہوئی تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے۔ لیکن چونکہ شروع سے ہی یہودیوں کی اپنی کوئی خاص تہذیب نہیں رہی اس لئے ان کی دماغی لیاقت کی بنیاد بھی اوروں کی ہی قائم کردہ ہے۔ اور ہر زمانے میں ان کے خیالات کو اپنے ہمسایوں کی تہذیب و تعلیم سے ترقی و نشوونما حاصل ہوتی رہی ہے اس کے سوا اس کی وجہ اور کچھ بھی نہیں۔

ساتھ ہی اس کے یہ خیال بھی بالکل غلط ہے۔ کہ یہودی ہمیشہ ہی اپنے پڑوسیوں سے اتنے لڑتے انہیں لوٹتے کھسوٹتے رہے ہیں اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے ان میں بھی قربانی و ایثار نفسی کا مادہ موجود ہے۔ حالانکہ اس بارے میں یہودیوں نے کسی بھی طرح کا کوئی رخ کبھی اختیار نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ یہودی قوم جس کے متعلق یہ خیال بھی کیا جاتا ہے کہ وہ بھی کوئی انسانی تہذیب یا نسل قائم کرنے یا مستقبل یا ہستی رکھنے والی جماعت ہے۔ ہر طرح کی ملکی حدود سے آزاد ہے۔ کیونکہ خاص ملکی حدود کے اندر رہنے والی قوموں کے دلوں میں اپنی نسل بزرگی کا جو اندرونی خیال موجود رہتا ہے۔ وہی ان کی عظمت و اہمیت ظاہر کرتا ہے۔ اور اسی سے ان کے قومی و نسلی آدرش کا مقاصد کا پتہ چل جاتا ہے جس قوم میں یہ خیال موجود نہیں وہ کبھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتی کہ وہ بھی کسی ایسی قوم یا نسل کو پیدا کرسکتی ہے جو کسی محدود ملک کو اپنا مسکن یا وطن بنا سکے۔ اس لئے اس کے پاس کوئی بھی ایسی مستقل بنیاد نہیں ہوتی جس پر وہ اپنی تہذیب کو قائم کرسکے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے نمایاں دماغی اوصاف کے باوجود یہودیوں کی کوئی بھی حقیقی تہذیب نہیں اور نہ کوئی ایسا مشکوک تمدن ہی ہے جس پر کہ وہ فخر کرسکیں موجودہ زمانے میں ان کی جو بھی تہذیب دکھلائی دیتی ہے وہ صرف دوسروں سے عاریتاً" لی ہوئی دولت و ثروت ہے اور وہ بھی آج کل

www.freepdfpost.blogspot.com

ان کے قبضہ میں آکر ناپاک ہو رہی ہے۔

ابتدا" شاید آریہ لوگ بھی پردیسی ہی تھے۔ مگر بعد میں رفتار زمانہ سے دوسری قوموں کے ساتھ مل جل کر وہ جہاں بھی گئے وہیں کے باشندے بن گئے مگر یہ صاف طور ثابت ہے کہ وہ کسی بھی حالت میں یہودی نہ تھے اور نہ یہودی ہی آریوں کی مانند پردیسی کہلاسکتے ہیں کیونکہ ان آریہ پردیسیوں کا بھی تو مقرر طریقہ اور پروگرام تھا جس سے ان کی ترقی کا راستہ بھی پختہ بنیادوں پر قائم تھا اور وہ اس پر اپنی تمام ضروری قابلیتوں سے کام لیتے ہوئے آئندہ آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے ان میں اپنے کسی ایک خاص آدرش کی پیروی کرنے کی طاقت بھی نہ تھی اس لئے وہ بظاہر کسی گری ہوئی اور کمزور حالت میں ہوتے ہوئے بھی اپنے آدرش کی طاقت سے اپنی ہستی کو برقرار رکھتے ہوئے ترقی کرسکتے تھے لیکن یہودیوں میں وہ طاقت بھی نہ تھی اس لئے وہ نہ تو پردیسی ہی تھے اور نہ ہی دیسی بلکہ صرف دوسری قوموں کے بھروسے اور ان کے رحم پر زندگی بسر کرنے اور ان کے پیچھے پیچھے چلنے والے ہی تھے۔ اس لئے ہر موقع پر ان کی قضائے زندگی میں جو تبدیلی ہوئی ہے۔ اس کا انحصار ان کی اپنی ہی خواہش پر تھا۔ بلکہ ان قوموں کی فیاضی پر تھا جن کی عنایات کا انہوں نے ہمیشہ ہی نہایت شرمناک استعمال کیا ہے۔ ماسوائے اس کے دوسری پیچھے پیچھے چلنے والوں قوموں سے بھی ان کی فضائے زندگی کچھ بالکل ہی نرالی رہی ہے اور یہ ہمیشہ ہی اپنی نسلی ترقی کے لئے نئے سے نئے سنہری روپہری موقع تلاش کرتے رہے ہیں۔

دوسری قوموں کے ساتھ ان کی قومی زندگی صرف اسی وقت کچھ مشابہت رکھ سکتی ہے۔ جبکہ کسی کو انہیں یہ سمجھانے کا موقع ملے کہ انسانی زندگی کا تعلق جتنا قومی معاملات سے ہے اتنا مذہب سے نہیں مگر انہیں یہ کچھ بہت ہی عجیب سی بات معلوم ہوگی۔ ساتھ ہی اس کے یہ خیال کرنا بھی بالکل ہی غلط ہے کہ دوسری قوموں کے پیچھے پیچھے چلنے کی جو عادت ان میں پیدا ہوگئی ہے۔ اس کے متعلق انہیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ یہ ان کی اندرونی خصلت نہیں ہے کیونکہ یہودی اپنی دانش مندی جتنی بھی زیادہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں اتنا ہی انہیں مکرو فریب سے کام لے کر اپنی اندرونی حقیقی خصلت کی مخالفت کے گناہ کا عظیم ارتکاب کرنا پڑتا ہے یعنی دل سے ایک مختلف مذہب کے پیرو ہونے پر بھی وہ دنیا کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ ویسے ہی اٹالین ' فرنچ' انگریز یا جرمن ہیں' جیسے کہ کوئی اور!

www.freepdfpost.blogspot.com

غرضیکہ زمانہ حال کی اقتصادی ترقی ہر ایک قوم کی زندگی کی فضا میں ایک عجیب و غریب انقلاب پیدا کررہی ہے۔ چونکہ چھوٹی چھوٹی کمزور صنعتیں اور کاروبار آہستہ آہستہ تباہ ہو رہے ہیں اس لئے محنت و مزدوری کرنے والے پیشہ وروں کے لئے یہ مشکل ہو رہا ہے کہ وہ اپنی پہلی سی خوشحالی مالی حالت کو قائم رکھ سکیں۔ اس لئے وہ ایک نہایت ہی معمولی سی حالت میں رہنے کے لئے مجبور ہیں اسی لئے وہ بڑے بڑے سرمایہ دار کارخانوں کے غلام بن کر آہستہ آہستہ انسانی زندگی کے تمام آرام و آسائش سے محروم ہوتے جاتے ہیں۔ حقیقی معنی یہ ہیں کہ ان کے بہت سے پیدائشی حقوق رفتہ رفتہ ان سے چھن رہے ہیں لہٰذا بڑھاپے کا شکار ہونے سے پہلے ہی ان کی سنہری زندگی پیش از وقت خاک میں مل رہی ہے۔

ابھی کچھ بہت عرصہ نہیں گذرا۔ کہ ہماری جرمن قوم کو اس قسم کے کئی اہم سوالوں کا ایک دم مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ لاکھوں کی تعداد میں مرد و عورت دیہات چھوڑ چھوڑ کر شہروں میں آکر آباد ہونے لگے۔ کیونکہ دیہات میں اب ان کے لئے کوئی بھی روزگار نہیں تھا۔ اور زندگی کے دن بھی جیسے کیسے گذرنے ضروری ہی تھے۔ اس لئے انہیں شہروں میں آنے کے لئے مجبور ہونا پڑا اور آہستہ آہستہ شہروں میں ایک نئی جماعت پیدا ہونے لگی۔ جس کی حالت پر ہم نے ابھی تک پورا پورا دھیان نہیں دیا لیکن ایک دن جلد آنے والا ہے جبکہ ہمیں اس سوال پر غور کرنا پڑے گا کہ ہمیں اس نئی جماعت کو بھی شہروں کی معمولی آبادی میں شامل کرکے ان کی مدد سے اپنے کارخانوں اور ان کے کاروبار کو زیادہ مضبوط بنانا چاہئے یا شہروں کی پرانی اور اس نئی آبادی کے درمیان جو خلیج اس وقت نظر آرہی تھی اسے روز بروز زیادہ سے زیادہ وسعت دیتے رہنا چاہئے حتیٰ کہ وہ ایک مستقل صورت اختیار کرلے لیکن ایک طرف تو ہمارا درمیانہ طبقہ اس نہایت ہی مشکل سوال کی طرف سے لاپرواہی اختیار کرکے من مانی کاروائی کر رہا ہے۔ دوسری طرف یہودی مستقبل کے زبردست امکانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں شب و روز لگ رہے ہیں ادھر تو یہودی اپنے روپیہ کی طاقت سے انسانیت کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور ادھر وہ لوگوں کے دلوں پر اپنی پرفریب قربانیوں کا سکہ جما کر اس جنگ میں جو درحقیقت ان کے ہی خلاف ہے خود ہی عوام کے لیڈر بنے ہوئے ہیں انہیں مطلب کے لئے کام میں لانا چاہتے ہیں کیونکہ وہ جھوٹوں کے راجہ یہ تو خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اپنا قصور غیروں کے سر

www.freepdfpost.blogspot.com

کس طرح منڈھا جا سکتا ہے؟ اس لئے جب سے انہوں نے عوام کا لیڈر بننے کا ارادہ کیا تبھی سے یہ اور بھی زیادہ مکار و عیار ثابت ہو رہے ہیں۔

غرضیکہ ان یہودیوں کی طریق عمل کی ابتداء اس طرح سے ہے کہ پہلے تو یہ اپنے آپ کو نہایت سرگرم کارکن ظاہر کرتے ہوئے لوگوں کی قابل رحم حالت سے ہمدردی کا اظہار کرتے رہتے ہیں اور ان کے مصائب و افلاس پر نفرت بھرا غم و غصہ ظاہر کرکے ان کے دلوں میں اپنے لئے اعتبار و اعتماد پیدا کرتے اور بڑھاتے رہتے ہیں مگر عوام کی مشکلات زندگی کا اصلی یا نمائشی مطالعہ کرنے میں سخت دقت رونما ہوتی ہے کیونکہ وہ در حقیقت ان حالات میں کوئی تبدیلی پیدا کرنا نہیں چاہتے اس طرح وہ اپنی ناقابل بیان ہوشیاری و معاملہ فہمی سے اس مجلسی انصاف کے لئے وقتاً" فوقتاً" اپنی آواز بلند کرتے رہتے ہیں جس کی محبت اب بھی اور اس حالت میں بھی آریہ نسل کے بچے بچے کے دل میں ایک خوابیدہ خواہش کی طرح موجود ہے لیکن اس پردے میں بھی یہودیوں کا صرف مقصد چھپا رہتا ہے کہ کس طرح وہ مارکس ازم کے اصولوں کا عوام میں پرچار کرکے ان کی بنیادیں مضبوط کرتے رہیں۔

غرضیکہ وہ اس پراسرار طریق سے ان اصولوں کو عوام کے مناسب اور انصاف پر مبنی مطالبات کے ساتھ شامل کرکے انہیں عوام میں ہردلعزیز بنانا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی اس کے ان کی یہ بھی خواہش رہتی ہے کہ کس طرح عوام اپنے ان مطالبات پر جنہیں یہ لوگ پسند نہیں کرتے یا جو ان کے اپنے مفاد کے خلاف ہیں زور نہ دیں اور آہستہ آہستہ انہیں بالکل ہی چھوڑ بیٹھیں کیونکہ ان کی نظروں میں ان کے متعلق شروع میں ہی آواز اٹھانا ایک سخت غلطی ہے۔

یہودی اپنی دنیاوی تعلیم کے نظام کو بھی کئی حصوں میں تقسیم کرتے ہیں جو بظاہر مختلف ہوتے ہوئے بھی بنیادی طور پر کسی طرح الگ نہیں سمجھے جاسکتے یعنی اس سب اختلافات کے باوجود بھی ان کا تعلق سیاسیات اور مزدور تحریک سے الگ نہیں ہوسکتا۔ ان میں سے مزدور تحریک کی اہمیت تو خاص طور پر قابل غور ہے۔ کیونکہ اپنی زبردست کشمکش اور جدوجہد سے ہی یہ مزدوروں کی طاقت بڑھاتی ہے۔ اور ہر طرح سے ان کی حفاظت کرتی ہے۔ اضافہ مزدوری اور حقوق کے لالچ نیز غیر دوراندیشی اور بہ آسانی موچہ لگانے کی طاقت سے ہی اس تحریک کو یہ ترقی نصیب ہوئی لیکن لیکن مزدور اپنے ان لیڈروں پر پورا پورا اعتماد

www.freepdfpost.blogspot.com

کرنے سے گھبراتے ہیں جو ان کے حقوق کی حفاظت کرنے کے دعویدار ہیں یا ایسے وقت میں جبکہ قوم باقاعدہ اور منظم طور پر انکے جائز مطالبات کی عملی حمایت کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتی۔ وہ خوداپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ آخر انہیں خود اپنے مفاد کی حفاظت کے لئے میدان عمل میں آنا پڑے گا کیونکہ ادھر تو نام نہاد نیشنل بورجیوس پارٹی تواپنی دولت اور سرمایہ داری کے نشہ سے سرمست ہوکر مزدور تحریک کی ہر ممکن طریق پر مخالفت کررہی ہے اور مزدوروں کی طرف سے اپنے اوقات مزدوری میں کمی کرانے' کم عمر بچوں سے کام نہ لئے جانے' عورتوں کی عزت و عصمت اور صحت کی مناسب حفاظت کرانے' کارخانوں کی فضا کو زیادہ صحت بخش بنانے اور مزدوروں نیز ان کے بال بچوں کی رہائش کے لئے زیادہ روشن ہوا دار اور صاف ستھرے مکانات تیار کرانے کے متعلق جو بھی کوششیں کی جاتی ہیں۔ ان سب میں ہی روڑا اٹکانے سے وہ باز نہیں آتی اب آپ خود ہی فیصلہ کرلیجئے کہ ان خود غرض یہودیوں اور ان مطلب پرست کتوں میں کیا فرق ہے جو ایک طرف چوروں سے یہ کہتے ہیں کہ "چوری کرو" اور دوسری طرف سادھ سے کہتے رہیں کہ جاگتے رہو غرضیکہ یہ بدمعاش ٹریڈ یونینوں کی لیڈری پر قابو پانے کے لئے جو بھی کوشش کرتے ہیں اس کا منشاء مدعا صرف یہ ہے کہ جب عوام آنکھیں بند کرکے ان پر اعتماد کرنے لگیں تب ہی وہ اپنی مطلب پرستیوں اور خود غرضیوں کی تکمیل میں انہیں اپنے اشاروں پر نچاتے ہیں اور اس طرح ملک کی اقتصادی ترقی کو تباہ و برباد کرنے میں کامیاب ہوسکیں۔

غرضیکہ جیسے یہودی ہر ایک میدان سے اپنے رقیبوں کو دور رکھنے اور بھگانے کے لئے ہر طرح کی چالیں چلتے ہیں ویسے ہی وہ اپنے لالچ سے بھری حیوانی خصلت کے باعث ٹریڈ یونین تحریک کو بھی وحشیانہ حیوانی طاقت کے قدموں پر گرنے کے لئے مجبور کرنا چاہتے ہیں اگر اس پر بھی کوئی دور اندیش و دانش مند شخص یہودی لالچ کے اس کپت جال میں نہیں پھنستا تو اسے طرح طرح خوف زدہ کرکے اس کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں اور خواہ وہ کتنا بھی ہوشیار کیوں نہ رہے کبھی نہ کبھی کوئی ایسی غلطی کر ہی بیٹھتا ہے جسے سے ان کا الو سیدھا ہوجاتا ہے حاصل کلام یہ کہ اسی طرح یہودی ان ہی ٹریڈ یونینوں کے ذریعہ قوم کی حفاظت کرسکتے تھے۔ آج اس کی اقتصادی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔

مگر سیاسی نظام بھی متذکرہ بالا طریق عمل کے متوازی خطوط پر ہی آگے ترقی کر سکتا

www.freepdfpost.blogspot.com

ہے کیونکہ ٹریڈ یونین تحریک سے ہمدردی رکھتے ہوئے اس میں حصہ لیتے اور عوام کو اس میں شامل ہونے کے لئے تیار کرنے میں ہی قوم و ملک کی ترقی کا راز پوشیدہ ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ روپیہ پیدا کرنے کا بھی یہ ایک ایسا ذریعہ ہے جس کی مدد سے سیاسی مشینری خوب اچھی طرح کام کرسکتی ہے۔ اور یہ تحریک دوسری ہر ایک سیاسی تحریک کو بھی اپنے قابو میں رکھنے اور تیز کرنے کے لئے وہی کام دے سکتی ہیں جو لگام اور چابک گھوڑے کو قابو میں رکھنے اور اس کی چال کو تیز کرنے میں کام دیتے ہیں۔ لیکن بالاخر اسے بھی روپیہ کمانے کے متعلق اپنی اس خواہش کو ایک دن سیاسی مطالبات کی تکمیل کے لئے قربان کردینا پڑتا ہے اور موزوں وقت پر ہڑتال کا بگل بجا دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

اخبارات اور پریس کی مدد سے سیاسی اور مزدور تحریک دونوں کے لئے کم و بیش پڑھے لکھے لوگوں کے دلوں میں بھی ایک ایسی زبردست ہمدردی پیدا ہوجاتی ہے۔ کہ وہ سب قومی و ملکی بہتری و بہبودی کے خیال پر اپنا سب کچھ قربان کردینے کو تیار ہوجاتے ہیں اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک کا سیاسی اور اقتصادی نظام دونوں ہی نہایت مضبوط ہوکر اس کی تمام طاقتیں بہت کچھ بڑھ جاتی ہیں۔

لیکن شیطان یہودی پریس اس بارے میں اپنی مطلب پرستیوں سے مجبور ہے اور وہ ان سب زندگی بخش ذرائع پر کیچڑ اچھال اچھال کر ان کے خلاف غلط فہمیاں پیدا کرنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ وہ ان سبھی لوگوں کی مخالفت کرتا رہتا ہے۔ جو یہودیوں کے جبر و تشدد کی کچھ بھی پرواہ نہ کرکے ان کے خلاف کام کرتے رہنے کا تہیہ کرلیتے ہیں کیونکہ جو لوگ یہودیوں سے خوف زدہ نہیں ہوتے یہودی ان سے خوف کھانے لگتے ہیں اور درحقیقت یہودیوں کی اس خصلت سے عوام کی لاعلمی اور اعلیٰ طبقات سے تعلق رکھنے والے معاملہ فہم و دور اندیش لوگوں کی ان معاملات میں ناتجربہ کاری ہی یہودیوں کو ان کے تمام خود غرضانہ حملوں اور فریب چالوں میں کامیاب کررہی ہیں۔ اعلیٰ طبقات کے لوگوں کی طبعی بزدلی اور کمزوری کے باعث عوام کو یہودیوں کی دروغ بافی اور بے بنیاد مذمت پر بھی یقین کرنے کا موقع مل گیا۔ اس کے لئے عوام کو قصور وار بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ان کی طبیعت میں ہمیشہ ہی بھولا پن پایا جاتا ہے۔ ایسے موقعوں پر حکام بھی یا تو اپنا فرض منصبی ہی بھول جاتے ہیں یا انہیں کچھ بھینٹ پوجا دے کر ان کا منہ سی دیا جاتا ہے ان کا نتیجہ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ وہ اتہام طرز یہودی مجرموں کو مناسب سزائیں [illegible] کی بجائے صریحاً" بے انصافی

www.freepdfpost.blogspot.com

سے بے قصور لوگوں پر ہی نزلہ گرانے لگتے ہیں۔ اور وہی بدمعاش حق شناس حکومت کے دفتروں میں بیٹھے اپنے طریق عمل کی حمایت میں امن عامہ اور انتظامات حکومت کی دہائی مچاتے رہتے ہیں۔

اس طرح اگر ہم جرمن قوم کی تباہی کے باعث پر ایک سرسری نظر ڈالیں۔ تو آخر ہمیں صاف طور پر یہ معلوم ہوجائے گا کہ اس نسلی کشاکش اور یہودی بندر بھبکیوں کی حقیقت کو پوری طرح نہ سمجھنے کا یہ سب کرشمہ تھا۔ ورنہ اگست ۱۹۱۹ء کی شکست کسی اور ہی صورت میں دکھائی دیتی لیکن ہمارے گناہوں اور ہماری غلطیوں کی سزا تو ہمیں ضرور ملنی چاہیئے تھی اگرچہ ان کی بدولت ہماری سلطنت کو کچھ بہت نقصان نہیں پہنچا اور جتنا کچھ بھی پہنچا اس کا باعث ان طاقتوں کی زبردستی اور دھینگا دھینگی ہی تھی جن میں ہماری تباہی کے لئے پیدا کیا گیا تھا مگر پھر بھی ان غلطیوں کی وجہ ہمارے وہ سب سیاسی و اخلاقی اوصاف مارے گئے ہیں جو ہمیں اس گراوٹ سے بچاسکتے تھے اور جن کی بربادی کے لئے یہ متذکرہ بالا دھوکے باز جماعت پچھلے کئی سال سے کوشاں تھی۔ کیونکہ گذشتہ حکومت نے ان چالبازیوں اور عیاریوں کا شکار ہوکر اس نسلی سوال کو بالکل ہی نظرانداز کردیا تھا۔ جو اس دنیا میں ہماری سیاسی زندگی کا واحد سہارا بن سکتا تھا۔

کیونکہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ نسلی پاکیزگی میں کوئی خرابی پیدا ہوجانے سے خاندانی اہمیت و عظمت ہمیشہ کے لئے خاک میں مل جاتی ہے اور جس خاندان سے یہ پاکیزگی غائب ہوجاتی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ تباہی و بربادی کی دلدل میں پھنس جاتا ہے اور آخر کار اس خاندان کی آئندہ نسلوں کی کمزوری کے باعث اپنی خاندانی عظمت و اہمیت کی سب یاد بھی اس کے صفحہ دل سے ہمیشہ کے لئے ایسی مٹ جاتی ہے گویا کہ اسے موجودہ ذلت و پستی کے سوا اور کچھ بھی نصیب ہی نہیں ہوا تھا۔

اس طرح قومی اصلاح کے متعلق سبھی کوششیں باہمی امداد و ترقی کے لئے سبھی مجلسی سرگرمیاں اقتصادی بہتری و بہبودی کے بارے میں سبھی تمام تجاویز سائنٹفک نشوونما کی سبھی خواہشت یکے بعد دیگرے فضول و بے سود ثابت ہوتی گئیں حالانکہ ان ہی سب باتوں پر کسی قوم کے نظام کی مضبوطی و پائداری کا انحصار ہوتا ہے لیکن یہاں بدقسمتی سے متذکرہ بالا وجوہات کی بدولت ترقی و عروج کی بجائے الٹا تنزل نصیب ہوگیا گیا اور آخر اپنی ان اندرونی کمزوریوں کے باعث ہی سلطنت تباہ ہوگئی۔ یعنی کہ جوں جوں ریش (جرمن

www.freepdfpost.blogspot.com

پارلیمنٹ) کی طاقت بڑھ گئی اور اسے بچانے کے متعلق سب کوششیں بے کار ہوتی گئیں کیونکہ ممبران پارلیمنٹ اور ارباب حکومت نے اپنی کوتہ نظری کے باعث فوری فوائد کو مدنظر رکھ کر ان حقیقی اور بنیادی باتوں کی طرف کوئی خاص توجہ دینے کی ضرورت ہی کبھی محسوس نہیں کی۔

یہی وجہ تھی کہ اگست ۱۹۱۴ء میں جرمن قوم کی کوئی بھی خواہش پوری نہ ہونے کے باوجود حکومت جنگ عظیم دوم میں کود پڑی اور یہ امر مجبوری تمام کو اس کا ساتھ دینا پڑا۔ کیونکہ بظاہر یہ جنگ "مارکس ازم اور نام نہاد امن پسندی کے طوفان عظیم کے مقابلہ میں اپنی ہستی کی حفاظت کے لئے چھیڑی گئی تھی۔ لیکن حقیقت تو یہ تھی کہ کسی کو بھی اپنے ان بغلی گھونسلوں اور آستیں کے سانپوں کا کچھ دھیان نہ تھا۔ جو ٹٹی کی اوٹ میں شکار کھیلنا چاہتے تھے اس طرح ان کے راستے میں جو بھی رکاوٹیں ڈالی گئیں سبھی بے سود ثابت ہوئیں اور آخر بدقسمتی نے جرمن قوم کے سر سے اس کی دیرینہ عظمت و بزرگی کا تاج اتار کر ایک مرتبہ اسے ذلت وتباہی کے غار میں دھکیل ہی دیا۔ آہ

عجب ناداں ہیں وہ جن کو عجب تاج سلطانی
فلک بال ہما کو دم میں بخشے ہیں مگس رانی

www.freepdfpost.blogspot.com

جرمن ورکرز پارٹی کا عروج

اس حصہ کے آخر میں اگر میں اپنی ترقی کن تحریک جرمن ورکرز پارٹی کے عروج کا کچھ ذکر کرکے ان واقعات کا بھی مختصر سا تذکرہ کردوں جن کا میرے ساتھ گہرا تعلق ہے تو شاید کچھ بے جا نہ ہوگا۔ مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس تحریک کے بنیادی مقاصد پر یہاں مفصل بحث کی جائے کیونکہ وہ بحث اتنی اہم اور دلچسپ ہوگی کہ وہ اس مختصر سی جگہ میں سما نہ سکے گی۔ اس لئے میں کسی دوسرے موقع کے لئے ملتوی رکھتا ہوں۔

یہاں میں اس تحریک کا مختصر سا ذکر کرتا ہوا یہ سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ قومی لفظ کے اصلی معنی کیا ہیں اس مضمون میں ہم کا لفظ میں ان سینکڑوں بلکہ ہزاروں محب وطن اشخاص کے لئے ہی استعمال کروں گا۔ جن کے دل حصول آزادی کے لئے بے قرار تھے لیکن میرے پاس ان کے اس اضطراب اور بے چینی کو صحیح طور پر ظاہر کرنے کے لئے کافی الفاظ نہیں۔ اس تحریک میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شروع سے ہی ان کا ایک ہی لیڈر رہا ہے اور لاکھوں لوگوں نے اس کے ساتھ تعاون کیا ہے۔ ان کا مقصد بھی وہی تھا جس کے لئے قوم ہزاروں سال سے مضطرب ہے ان کا لیڈر ہی اس عالمگیر عالم خواہش کا اعلان کرتا ہے اور ان پرانے خیالات کو نئے سانچوں میں ڈھال کر قوم کے سامنے پیش کرتا ہے اور سب کے ساتھ ہی ساتھ فتح کے راستے پر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

لاکھوں دلوں کی بے قراری و اضطراب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عوام اپنی موجودہ حالات میں ایک زبردست تبدیلی چاہتے ہیں جو لوگ انتخابات کے شیدائی ہیں اور جو اس وقت حد درجہ تک بڑھی ہوئی شیطنت کا خاتمہ دیکھنے کے لئے مضطرب ہیں وہ اس حقیقت کے خاموش گواہ ہیں اور نوجوانوں کی اس تحریک کو جلد سے جلد پھلتا پھولتا دیکھنے کی خواہش

www.freepdfpost.blogspot.com

مند ہیں۔

اپنی حفاظت کے لئے قومی خواہش کی یہ تکمیل ہماری قوم کی سیاسی طاقت کے سوال پر ہی تمام و کمال انحصار رکھتی ہے کیونکہ تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ کسی خارجہ پالیسی کا فیصلہ اور کسی غیر طاقت کے رسوخ کی پائداری اتنی سامان جنگ پر منحصر نہیں جتنی کہ اپنی طاقت مقابلہ پر ہے۔ مثلاً" ہر ایک عہد نامہ آدمی ہی کرتے ہیں۔ اسلحہ جات نہیں کرتے جب آدمی ہی کمزور اور بے حوصلہ ہوں تو سامان حرب کی فراوانی انہیں کیا سہارا دے سکتی ہے اس طرح برطانیہ کی دوستی بھی اسی وقت کچھ قدر و قیمت رکھتی ہے جبکہ کوئی قوم اپنی جنگی مضبوطی اور فوجی دباؤ کے لئے انگریزوں کی رہنمائی اور ان کے تخیل سے فائدہ اٹھانے کی طاقت رکھتی ہو جس کا نتیجہ اکثر فتح ہی ہوتی ہے اور اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ برطانیہ کو دوسری قوموں کی مانند زیادہ فوج یا زیادہ سامان حرب کی کیوں ضرورت نہیں ؟

جرمنی میں پھر آزاد اور قومی حکومت قائم کرنے کی غرض سے جدوجہد کی طاقت پیدا کرنے کے لئے یہ اشد ضروری تھا کہ نوجوانوں کی یہ تحریک عوام پر ہردلعزیزی حاصل کرنے اور موجودہ ناقص فضا کی اصلاح میں اپنی پوری پوری کوششیں لگا دیتی۔ لیکن ہماری جرمن ورکرز پارٹی ابھی اتنی کمزور تھی کہ ملک میں قومی خیالات پیدا کرنے اور انہیں نشوونما دینے کی طاقت ابھی اتنی کم تھی کہ اس کے ذرا بھی سر ابھارتے ہی ہر طرف سے یہ کوشش شروع کئے جانے کا احتمال تھا کہ اسے فوراً" ڈالا جائے گا اور مناسب طور پر مضبوط و طاقت ور نہ ہونے دیا جائے گا اسی حماقت کے زیر اثر جرمن قوم کا درمیانہ طبقہ اس سے پہلے بسمارک کی جاری کردہ اصلاحات کی مخالفت کرکے انہیں بے سود ثابت کر چکا تھا لیکن پھر بھی ان کی حلقی بزدلی اور بودے پن کا خیال کرکے ہمیں ان کسر مخالفت سے کچھ بہت زیادہ گھبرانے کی ضرورت نہ تھی۔ اگر کچھ ضرورت تھی تو صرف یہ کہ ہم کسی طرف سے کوئی مخالفت شروع ہونے سے پہلے پہلے ہی پوشیدہ طور پر سب سے پہلے اپنے پیر خوب اچھی طرح مضبوط کرلیتے تاکہ آئندہ کوئی بھی مخالفت طاقت ہمارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکتی کیونکہ بین الاقوامی ہمدردی پر بھروسہ رکھنے والی ہماری مخالف جماعت اپنی دوسری خام خیالیوں میں ہی محو تھی اور ہماری طرف اس کی کچھ بھی نہ تھی۔

ہماری قدیم قومی خصلت کا اگرچہ وحشیانہ جبر و تشدد کی طرف کچھ رجحانات نہیں تھا۔ مگر ہمارے یہودی لیڈر چونکہ جبراً" نہایت بے رحم اور حیوانی جذبات سے پر تھے۔ اس لئے

www.freepdfpost.blogspot.com

وہ ہماری جرمن قوم میں بھی تشدد پسندی کا یہ عیب داخل کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا یہ یقین تھا کہ جرمن قوم کو اپنے مکرو فریب کے جال میں تاقیامت پھنسائے رکھنے کی خواہش مند جماعتوں اور فریقوں کے یہ خود غرض لیڈر اپنی قومی حفاظت کے متعلق ہماری ہر ایک سرگرمی کو جب بھی وہ انہیں کامیاب ہوتی سی دکھائی دے گی تبھی کچل ڈالنے کی سرتوڑ کوشش کریں گے مگر تاریخی نقطہ نظر سے یہ امید کرنا بھی محض ناممکن سا تھا کہ ہماری جرمن قوم اپنے مار آستین قومی دشمنوں سے جو ایک عرصے سے اسے اپنا غلام بنائے ہوئے تھے کوئی نہایت ہی زبردست کشمکش کئے بغیر ہی پھر اپنی آزادی حاصل کرنے اور اس بام ترقی پر پہنچنے میں کامیاب ہوسکے گی جہاں پہنچنے کی وہ قدرتاً" خواہش مند نظر آتی تھی۔

غرضیکہ جس طرح جرمن قوم کے دلوں میں ان زبردست خیالات کو نہایت پختگی اور مضبوطی کے ساتھ پیدا کئے بغیر جرمنی کی قومی آزادی کے متعلق کوئی بھی نمایاں کوشش ہر پہلو سے ناممکن نظر آتی تھی۔ اسی لئے ۱۹۱۹ء میں یہی مناسب معلوم ہوا کہ اس نئی تحریک کا واحد مقصد یہ رکھا جائے کہ جرمن جاتی کے دلوں میں قومی آزادی کے لئے ایک نہایت ہی زبردست خواہش پیدا کردی جائے اوراس مقصد میں کامیابی پانے کے لئے یہ ضروری سمجھا جائے گیا کہ :۔

۱۔ فی الحال اس کے لئے کسی خاص قربانی کی کوئی ضرورت ظاہر نہ کی جائے کیونکہ جس تحریک کا ابتدائی مقصد صرف یہ ہو کہ اس کیلئے مناسب طور پر سرگرم کارکن حاصل کئے جائیں اسے شروع میں کسی بڑی مالی امداد کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں ہوتی اور نہ لوگوں میں قربانی پوری پوری سپرٹ پیدا ہوئے بغیر ان میں سے کسی قربانی کا مطالبہ کرنا ہی کچھ بہت مفید ہوسکتا ہے۔ یہ مطالبہ صرف اسی وقت کامیاب ہوتا ہے جبکہ لوگ کسی مقصد کی تکمیل کو اپنی زندگی کو موت کا سوال سمجھنے لگیں اور انہیں خود بخود یہ محسوس ہونے لگے کہ ہماری طرف سے کوئی زبردست قربانی کے بغیر اس مقصد کے خطرے میں پڑجانے اور ہمیشہ کے لئے ملیا میٹ ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

۲۔ ادھورے اور نامکمل ذرائع نیز خود غرضی آمیز مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کسی بھی حمایت میں عملی طور پر قومیت کا کوئی بھی خیال کبھی پیدا نہیں ہوسکتا۔ صرف مضبوط و مکمل ذرائع اور بالکل بے غرضانہ مقاصد کی مدد سے ہی یہ ہونا ناممکن ہے کیونکہ عوام میں تو گورو مانے جاکر عزت پانے اور عہدے حاصل کرنے کے بھوکے لوگ بہت ہی کم ہوتے ہیں۔

www.freepdfpost.blogspot.com

اس لئے ان سے صرف وہی لوگوں کچھ ہمدردی پاسکتے ہیں جو ان کے اس دلی راز سے اچھی طرح واقف ہیں اور عوام کی کمزوری نہیں بلکہ ان کی قوت ارادی کی پختگی و مضبوطی کی دلیل ہے۔

۳۔ عوام کی حقیقی سپرٹ کو جاننے اور پہچاننے کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ اپنے مقاصد کو پیش نظر رکھ کر ان کے کے لئے پوری پوری سیاسی رگڑ سے اپنے مخالفوں کو ہر پہلو سے کمزور، برباد اور بے حوصلہ کردینے کی سرگرم کوشش کی جائے۔

۴۔ قوم کے کسی فریق کو جو کسی وجہ سے علیحدہ ہوگیا ہو۔ پھر قوم میں شامل کرکے اسے قوم کا ایک حصہ مان لینے سے اعلیٰ جماعتوں کے مساوی حقوق میں کچھ تنزل نہیں ہوتا۔ صرف ادنیٰ جماعت آہستہ آہستہ ترقی کرکے عروج حاصل کرتی جاتی ہے۔ اس لئے ادنیٰ جماعتوں کو ترقی کے لئے یہ نہایت ضروری اور فائدہ مند ہے کہ وہ اعلیٰ جماعتوں کے برابر حقوق اور اس سے مساوی درجہ حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ جدوجہد کرتے رہیں۔ انہیں یہ بھی ہرگز نہ بھولنا چاہئے کہ موجودہ متوسط طبقہ بھی کسی اعلیٰ سرکاری افسر یا عہدیدار کی حمایت یا مدد سے اپنے اس درجہ کو نہیں پہنچا بلکہ صرف اپنے لیڈروں اور رہنماؤں کی دور اندیشی و دانائی سے ہی پہنچتا ہے۔

کسی بھی کارکن کے عہدے یا درجہ تک پہنچنے کے لئے بہ حیثیت ایک فریق یا جماعت کے کوئی بھی خود غرضی یا بغض یا حسد مانع نہیں ہوسکتا تھا لیکن بین الاقوامی لیڈروں کا رخ ہماری قوم اور وطن دونوں کی طرف نہایت خوفناک اور ہیبت انگیز تھا اور قدم قدم پر ہماری ترقی کے راستے میں رکاوٹ پیدا کی جارہی تھی یہی ٹریڈ یونین جماعتیں اگر ہماری آزادی اور سیاسیات کے متعلق جذبات قوم پرستی سے پر ہوتیں تو ان کے لاکھوں ممبر قوم و ملک کے لئے نہایت مفید اور سرگرم کارکن ثابت ہوسکتے تھے۔ اور اس کا انجام یہ ہوتا کہ ہم بہت سی فضول اور فروعی اقتصادی پیچیدگیوں میں پھنسنے سے بچ جاتے۔ جس سے ہمارے پیارے وطن کی حالت کچھ سے کچھ ہوجاتی۔ اس طرح جو بھی تحریک جرمن عوام کو قومی خدمات میں مصروف کرکے بین الاقوامی پاگل پن سے محفوظ رکھ سکے اور جو خیالات آزاد قوم پرستی کے جذبات کے مخالف ہیں نیز جو لوگ بے کس اور بے بس محنتی مزدوروں پر کارخانہ داروں اور زمینداروں کے ہر ظلم و ستم کو روا و بجا خیال کرتے ہیں ان کی نہایت کی زبردست مخالفت کرتی۔ وہی تکالیف و مصائب کے طوفان عظیم سے ملک و قوم کا بیڑا پار

www.freepdfpost.blogspot.com

کرنے میں کامیاب ہو سکتی تھی۔

کیونکہ عام باشندگان ملک کی بہتری و بہبودی کا کچھ بھی خیال نہ کرکے اور قوم کی مالی و اقتصادی مشکلات کی طرف کچھ بھی توجہ نہ دے کر ہی کارکنان حکومت عوام کی آزادی خیالات کے خلاف ایک بہت بڑا گناہ کر بیٹھے ہیں اور عوام کے اعتماد و اعتبار سے انہیں جو طاقت حاصل ہوئی ہے۔ اس سے وہ ویسا ہی غلط وناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ کوئی کارخانہ دار یا زمیندار عوام کی طاقت عمل کو ان ہی کی تباہی و بربادی کے لئے مختلف طریق پر استعمال کرکے ان کے ہی گاڑھے پسینوں کی کمائی سے ان کی جڑیں کھود کر کرسکتا ہے۔ اس لئے ہم نے اپنی اس نئی تحریک کی کامیابی کے لئے سب سے پہلے صادق نیک دل اور بے غرض کارکنوں کی ایک نہایت زبردست جماعت کی ضرورت محسوس کی اور اپنا یہ فرض سمجھا کہ جس طرح بھی ہو سب سے پہلے لوگوں کو بین الاقوامی دیوانہ پن اور جہالت کے جال سے نجات دلانے کی کوشش کرکے قومی افلاس و ناداری کا خاتمہ کریں۔ اور انہیں ملک و قوم کی موجودہ ناگفتہ بہ حالت سے آگاہ کرکے ان کے دلوں میں یہ زبردست خواہش پیدا کردیں کہ وہ ہر ممکن طریق سے اس ناقابل برداشت حالت کو تبدیل کرنے کے لئے آمادہ و کمربستہ ہوجائیں لیکن یہ تب ہی ممکن تھا جب کہ ان کا دل نہایت زبردست و مضبوط اور پختہ قومی جذبات و ترقی کن خواہشات سے ایسا بھرپور ہو کہ اس میں کسی اور مخالفانہ خیال کے سمانے کا ذرہ بھی گنجائش باقی نہ رہے۔

در حقیقت ہمارا دلی مقصد یہ تھا کہ کسی طرح بھی ہمارے اس قومی قلعہ بندی میں ایسے دشمن و غدار پیدا نہ ہوسکیں۔ جو اندر ہی اندر خفیہ طور سے اسے کمزور کرنا ہی اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس میں جو شخص بھی داخل ہو۔ وہ اس موجودہ فضا کو جو سراسر قوم پرستی اور حب الوطنی کے خلاف تھی۔ جلد سے جلد تباہ کرنا ہی اپنا سب سے پہلا اور سب سے مقدس فرض تصور کرلے۔ اس لئے یہ نہایت ضروری تھا کہ اس تحریک ہو نہایت دانائی دور اندیشی اور معاملہ فہمی سے چلایا جائے تاکہ اس کی جڑیں مضبوط ہوکر یہ پختہ بنیادوں پر قائم ہوسکے۔ لیکن اس کے لئے عوام میں اس تحریک کے اصولوں کا پرچار لازمی تھا۔ کیونکہ بغیر اس کے عوام کے دلوں میں اس کا رسوخ و اثر پیدا ہونے کی کوئی اور صورت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ مگر یہ پرچار اپنے مضمون اور صورت کے لحاظ سے اس طرح ہونا لازمی تھا۔ جس سے قوم کے معمولی سے معمولی افراد تک بھی اس کی آواز پہنچ جاتی۔

www.freepdfpost.blogspot.com

قول و فعل میں پاکیزگی اور سادہ دین سے ہی عوام کے دلوں پر اس تحریک کی اہمیت و عظمت کا سکہ خاطر خواہ طور سے جمایا جاسکتا تھا اور ایک عام جلسے میں اسی پرچارک کو سب سے زیادہ موزوں اور سب سے بڑھ کر لائق و قابل شخص سمجھا جاتا ہے جو حاضرین کو عالم اور کم سمجھ خیال کرکے سیدھی سادی اور سچی باتوں کو اس طرح انہیں سمجھانے کی کوشش کرے جس طرح کہ بھولے بھالے بچوں کو کوئی بات سمجھائی اور سکھائی جاتی ہے۔ سیاسی اصلاحات کے متعلق کسی تحریک کو صرف اسی طرح یقینی طور پر کامیاب بنایا جاسکتا ہے کہ من مانے طریقوں سے مخالف طاقتوں پر اپنا رعب اثر ڈالنے کی کوشش کرنے کی بجائے سب سے پہلے ان سیاسی طاقتوں کو اپنی مٹھی میں لانے کی کوشش کی جائے جن پر مخالفوں کی تمام طاقت و قوت کا انحصار ہے اور ان تمام طاقتوں میں سب سے بڑی سیاسی طاقت عوام میں ہردلعزیزی اور ان کی خیر اندیشی کی طاقت ہے جس کے بغیر اگر باغی اصلاح پسند حکومت کے سب کل پرزوں پر بھی قبضہ حاصل کرلیں تو بھی وہ اپنے مقصد میں کبھی بھی پوری طرح اور مستقل کامیابی حاصل نہیں کرسکتے۔ یہ تو صرف تب ہی ہوسکتا ہے جبکہ عوام کے دل میں پورا پورا اعتماد جم جائے کہ ان کی نئی حکومت پرانی کی نسبت رعایا کیلئے زیادہ پر اطمینان و آرام بخش ہوگی۔ اور وہ قدم قدم پر یہ محسوس کرتے جائیں کہ نئی حکومت اپنے ان وعدوں کو سچے دل سے پورا کرنے کی کوششوں میں مصروف بھی ہے جو اس نے عنان حکومت ہاتھ میں آنے سے پہلے عوام کے ساتھ کئے تھے۔ لیکن ۱۹۱۹ء کے موسم سرما کی نوچ گھسوٹ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس وقت کی جرمن حکومت کے متعلق یہ خیال ہرگز پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے جب سیاسی طاقت کا حصول ہی عملی طور پر سیاسی اصلاح پسندوں کی تکمیل مقاصد کا ابتدائی زینہ ہے تو ایک اصلاحی تحریک کو اپنی قائمی کے پہلے دن سے ہی اپنے آپ کو عام رعایا کی ایک عالمگیر تحریک سمجھ کر یہ ذہن نشین کرانے کی سچے دل سے کوشش کرنی چاہئے کہ وہ کوئی ایسی جماعت ہرگز نہیں کہ جسے میں چند پڑھے لکھے اشخاص کھانے کھیلنے اور موج اڑانے کے لئے شامل ہوگئے ہوں بلکہ ایک ایسی جماعت ہے جس میں رعایا کا ایک ادنیٰ سے ادنیٰ شخص بھی بغیر کسی تمیز و تخصیص کے شریک ہوکر دوسرے ممبروں کے ساتھ ہر لحاظ سے برابری و مساوات کا دعویٰ رکھ سکتا ہے صرف قابلیت اور لیاقت بلکہ اس سے بھی زیادہ صداقت و بے غرضانہ خدمت کی یہ ہی ایک شرط ہے۔

اس طرح ہماری یہ نوجوان تحریک بھی اپنے زور پیدائش سے ہی موجودہ پارلیمنٹ اور

www.freepdfpost.blogspot.com

اس کے طریق عمل کی مخالف تھی جس کا بنیادی اصول کثرت رائے کے فیصلے کی اندھا دھند پیروی تھا۔ خلاف اس کے ہم اس اصول کے حامی اور موید تھے کہ ایک دور اندیش اور بیدار مغز رہنما ہی عوام کے مقاصد کو پورا کرسکتا ہے۔ اور ان کے تمام فیصلہ جات و احکامات کو عملی جامہ پہنا سکتا ہے اور سب بڑے چھوٹے سیاسی امور میں عوام کو اس کی ہی ذمہ داریوں اور طاقتوں پر پورا پورا بھروسہ رکھنا چاہئے ہماری اس تحریک کے نہایت اہم فرائض میں سے ایک فرض یہ بھی تھا کہ وہ اس متذکرہ بالا اصول کا دنیا بھر کی تمام قوموں میں پرچار کرکے اس پر عمل درآمد کرانے کی کوشش کرے۔ لیکن اس کا یہ منشاء و مدعا ہرگز نہ تھا کہ کسی قومیت کی ایک صورت کو بدل کر اس کی بجائے دوسری صورت قائم کرنے کی کوشش کی جائے بلکہ اسے ہی ان بنیادوں پر قائم کیا جائے جن کے بغیر کوئی مطلق العنان و خود مختار جمہور نواز آزاد حکومت زیادہ دیر تک قائم ہی نہیں رہ سکتی غرضیکہ یہ جرمنی میں کوئی شخصی یا جمہوری حکومت پیدا اور قائم کرنے کی بجائے سب سے پہلے ایک ایسی مضبوط اور زبردست جرمن قوم کو جنم دینا چاہتی تھی جس کے سامنے ملک کے ہر شہر یا جمہوری حکمران کا سر تسلیم خم رہے اور اسے یہ ہمت و جرات نہ ہوسکے کہ وہ قوم کی متفقہ مرضی و منشاء کے خلاف کوئی ایک قدم بھی ادھر یا ادھر اٹھا سکے۔

مگر کسی تحریک کے اندرونی نظام کا سوال کسی ایک اصول پر اتنا انحصار نہیں رکھتا جتنا کہ اس اصول پر عمل کرتے ہوئے اس کا مناسب استعمال پر منحصر ہے۔ اس لئے وہی نظام سب سے اچھا ہے جو کم و بیش ہر وقت ہی اپنی ہستی کی اہمیت کو تمام لیڈروں اور ان کے پیروؤں کو محسوس کراسکتا ہو کیونکہ اس نظام کا سب سے پہلا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسے تصفیہ شدہ خیال کا عوام میں عالمگیر طور پر پرچار کرے جو ہمیشہ کسی ایک ہی بیدار مغز مہاپرش کے روشن دماغ کی اختراع ہوا کرتا ہے اور پھر اس کے مطابق ہی خود بھی عملی صورت اختیار کرتا ہوا دنیا میں نشوونما پاتا رہے اور دوسروں کو بھی اس طریق پر چلاتا رہے اور اس طرح جیسے ان کے پیروؤں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ اور اس کی شاخیں بھی جگہ جگہ پھیلتی اور قائم ہوتی ہیں۔ اور ہر جگہ وہاں کے مقامی باشندوں کو ان کے اس آئندہ سیاسی نظام میں میں دل و جان سے شامل ہونے کے لئے آمادہ و کمربستہ کرتی جاتی ہیں۔

www.freepdfpost.blogspot.com

ہماری اس تحریک کا اندرونی نظام ایسا رکھا گیا کہ اس کی تمام سرگرمیوں کی نگرانی ایک ہی جگہ میونخ سے ہوتی رہتی ہے اس کے غیر مشکوک اور راسخ اعتقاد اور قابل اعتماد ممبروں کو ایک خاص صیغہ کے ماتحت ان کے قومی فرائض کے متعلق تعلیم دی جائے۔ اور آئندہ ان خیالات کے پرچار کے لئے ایک تعلیم گاہ جاری کی جائے۔ پھر اس کی کامیابی پر اسی ایک مرکز کی طاقت بڑھانے کی غرض سے اس کے اختیارات میں ضروری اضافہ حاصل کیا جائے اور دوسری مقامی شاخیں اس وقت تک نہ جاری کی جائیں جب تک کہ میونخ کی مرکزی طاقت کا پورا پورا اثر و رسوخ قائم نہ ہوجائے۔

لیڈری کے لئے صرف قوت ارادی کی مضبوطی کا ہی ضرورت نہیں بلکہ اس قابلیت کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ جس سے اپنی خالص لیاقت کی بدولت عوام میں قابو رکھنے کی طاقت بھی حاصل ہوسکے۔ اور ان سب اوصاف کی یکجائیت ہی سب سے زیادہ قابل ترجیح سمجھنی چاہئے کیونکہ ہر ایک کی کامیابی کا انحصار عوام کی دلی عقیدت پر ہے اس کے ساتھ ہی روا داری و برداشت بھی نہایت ضروری ہے۔ تاکہ اس تحریک کے حامی اپنے مخالفوں کی مخالفت کی کچھ بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے برابر اپنے منزل مقصود کی طرف بڑھے چلیں اور کسی کے بھڑکانے یا جوش دلانے سے بھی اپنے سیدھے راستے سے ایک قدم ادھر ادھر نہ ہوں۔

علاوہ اس کے یہ سوچنا بھی ایک بہت بڑی غلطی ہے کہ ایک تحریک کسی دوسری کے ساتھ مل کر طاقت ور ہوسکتی ہے خواہ ان دونوں کا مقصد ایک بھی کیوں نہ ہو کیونکہ ہر ایک تحریک کی کامیابی کا راز اس کے پیروؤں کی عقیدت مندی اور ان کے اس جوش و خروش میں ہی مضمر ہے جس سے متاثر ہوکر وہ اپنے مخالفوں پر حملہ کرتے ہیں یا ان کے حملوں کا جواب دیتے ہیں جب کوئی خیال خود صحیح ہونے کے علاوہ مختلف ہتھیاروں سے مسلح ہوکر دوسرے پر حملہ کرنے کی ہمت و جرات کا بھی اظہار کرے تب ہی اسے ناقابل فتح سمجھا جاسکتا ہے اور اس کی ہر ایک مخالفت ہی اس کی اندرونی قوت کو بڑھانے اور اسے ظاہر کرنے والی ثابت ہوسکتی ہے اس لئے ہماری تحریک کے پیروؤں کے لئے بھی یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ اپنے قومی دشمنوں کے اظہار نفرت اور موجودہ حکومت کے طریق عمل سے بالکل ہی خوفزدہ نہ ہوں لیکن پھر بھی انہیں ان دونوں سے بہت ہوشیار اور چوکنا رہنا پڑے گا اور یہ سمجھنا ہوگا کہ جو شخص بھی یہودی پریس کی گالیوں اور ان کے حملوں سے بچا

www.freepdfpost.blogspot.com

ہوا ہے وہ سچا جرمن نیشنل سوشلسٹ نہیں۔

ہماری اس تحریک کو شخصیتوں کا ہر طرح احترام کرنا واجب ہے کیونکہ ہر ایک شخصیت اپنی انسانیت کی حقیقی قدر و قیمت کا اظہار کرنے والی ہوتی ہے اور ہر شخص کے خیالات اور اس کے کام کی تکمیل اس شخص کو اپنی ہمت و جرات اور قوت عملی کا نتیجہ ہوتا ہے اس لئے سکی عظمت و اہمیت کا جتنا بھی اعتراف کیا جاتا ہے وہ اس کی فدا کارانہ محنتوں اور سرگر بوں کے لئے اس کا شکریہ ادا کرنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں اس کے ساتھ ہی ساتھ ان لوگوں کا جو اس طرح اپنے قابل کارکنوں کی عزت افزائی کرتے ہیں اپنا اندرونی نظام بھی مضبوط و طاقتور ہوتا جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اپنے لیڈوروں کی گمنام شخصیتوں اور ان کے اثر و رسوخ کی کمی کے باعث سے ہی شروع شروع میں ہماری تحریک کو بہت سی مشکلات درپیش آئیں اور ان کی بدولت ہی ہماری کامیابی اس وقت مشکوک سی نظر آنے لگی۔ کیونکہ در حقیقت ہم میں سے کسی کے متعلق بھی عوام کچھ نہ جانتے تھے اور میونخ میں تو ہماری تحریک کا نام تک بھی کسی نے کبھی نہ سنا تھا اس لئے اس وقت اس چھوٹی سی تحریک کو بڑی شکل و صورت دے کر اس کے نام کو ہر شخص کی زبان و دل کے لئے عزیز بنانا اور اس کے ممبروں کی تعداد کو ترقی دے کر اس کے دلوں میں اس کے لئے سچا پریم اور حقیقی عزت پیدا کرنا ہی ہم لوگوں کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا مقصد تھا اور یہی باتیں اس کے لئے ہم سب سے زیادہ مفید ہو سکتی تھیں۔

ان سب باتوں کو پیش نظر رکھ کر ہم نے پہلے اپنے اجلاس ماہواری شروع کے اور بعد میں انہیں پندرہ روزہ کردیا۔ ان اجلاسوں کے دعوتی کارڈ کچھ چھپے ہوئے ہوتے تھے۔ اور کچھ فوراً" اسی وقت دستی لکھ لئے جاتے ہیں مجھے یاد ہے کہ ایک روز ہم نے ایسے اسی ٹکٹ لوگوں میں تقسیم کئے اور شام کو دیر تک ہم لوگوں کی آمد کی انتظار میں بیٹھے رہے۔ اور آخر سات آدمیوں کی حاضری کو ہی غنیمت سمجھ کر ہمیں اپنا کام شروع کرنا پڑا۔ کیونکہ خوش قسمتی سے جلسے ہم سے پہلے سات کورم مقرر کر چکے تھے ورنہ شائد وہ جلسہ ہی اس روز ملتوی کرنا پڑا۔

ہم لوگ اپنے افلاس و ناداری کے باعث چندہ بھی بہت کم دینے کے لئے مجبور تھے۔ مگر ہم نے ہمت نہ ہاری اور چند روز بعد ہی میونخ کے ویچر نامی ایک کھلے اور آزاد مقام پر

www.freepdfpost.blogspot.com

ایک کمرہ لے کر ہم نے اس جلسہ میں منعقد کئے جانے کا اعلان کردیا۔ جس میں ہمیں بعید از قیاس کامیابی حاصل ہوئی۔ کیونکہ اس روز شام کے سات بجے جب جلسے کی کاروائی شروع ہوتی تو حاضرین کی تعداد ایک سو گیارہ تک پہنچ چکی تھی میونخ کالج کے ایک پروفیسر صاحب نے اس روز کے خاص لیکچرار تھے اور مجھے بھی ان کے بعد وقت دیا گیا تھا چنانچہ میں نے کوئی تیس منٹ تک تقریر کی مگر اس محدود سے عرصہ میں ہی اپنے مقصد کو اچھی طرح صاف کرکے میں اپنے دعویٰ کو قابل اطمینان طور پر ثابت کردیا۔ اگر پہلے مجھے یہ یقین بالکل نہ تھا کہ میں ایسی اچھی طرح بول سکوں گا مگر میری اس تیس منٹی تقریر سے ہی حاضرین میں ایک نئی سی جان پڑگئی اور اس کا اتنا اثر پڑا کہ حاضرین نے ہماری تحریک کو پورے جوش و خروش سے چلانے کے لئے وہاں بیٹھے بیٹھے ہی تین سو مارکس کے قریب چندہ دے دیا جس سے ہمارا ایک بہت بڑا فکر دور ہوکر ہماری حوصلہ افزائی ہوئی۔

اس زمانے میں ہماری تحریک کے صدر ہرہیر رہے تھے جو ایک پیشہ ور اخبار نویس تھے انہوں نے اگرچہ اپنے پیشے کی باقاعدہ تعلیم پائی تھی۔ لیکن جو اوصاف ایک پارٹی لیڈر میں ہونے چاہئیں۔ ان کی ان میں بہت کمی تھی کیونکہ وہ ایک فصیح مقرر نہ تھے۔ اگرچہ ان کا روزانہ کام نہایت غور و خوض اور سوچ وچار کا تھا مگر پھر بھی اس وصف کی کمی سے ان میں ایک منظم جماعت کی رہنمائی کی طاقت مفقود تھی ہماری شاخ میونخ کے صدر ہیرڈ یلسلر اگرچہ اچھے قابل کارکن تھے مگر بول وہ بھی اچھی طرح نہ سکتے تھے صرف یہی نہیں بلکہ ان میں وہ سپاہیانہ خو بھی نہ تھی کیونکہ انہوں نے ابھی تک میدان جنگ کی شکل تک بھی کبھی نہ دیکھی تھی اس لئے وہ خصلتاً" تذبذب اور کمزور طبیعت کے انسان تھے نہ انہوں نے وہ تعلیم کہیں پائی تھی جس سے ایک انسان اپنے طریق عمل میں پورا پورا یقین نہ رکھنے اور نرم دل کی بیماریوں سے آزردہ رہ سکتا ہے۔ اس لئے ان دونوں لیڈروں میں سے کوئی بھی اپنی سرگرمیوں میں فاتح اور کامیاب ہوسکنے کی امید نہ کرسکتا تھا اور میں اس وقت تک ایک نو آموز سپاہی تھا۔

مگر زیادہ تر جرمن باشندے مارکس ازم کے دھوکے باز پیروؤں کی اس تحریک سے متنفر ہوچکے تھے۔ جس کا مقصد عوام کو اپنے قابو میں لاکر اس بین الاقوامی "مارکسٹ پارٹی" کے اشارہ پر نچانا تھا۔ جو یورپ بھر کے سٹاک ایکسچینج (مختلف کارخانوں اور بنکوں وغیرہ کے حصص کی سٹہ بازی) پر اپنا قبضہ جمائے ہوئے تھی۔ لیکن ہماری جرمن مزدور پارٹی کسی غیر

www.freepdfpost.blogspot.com

کے اشارے پر چلنا بالکل ہی پسند نہ کرتی تھی اور اپنی قومی بہتری اور بہبودی کے لئے خود ہی سوچنا اور کام کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے اس نوجوان تحریک کو کامیابی کے راستے پر چلاتے ہوئے عوام کا اعتقاد و اعتماد اس مستقل و مضبوط کرنے کے لئے ۲۰-۱۹۱۹ء کے موسم سرما میں ہم نے ایک موچہ جما دیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ عوام کے دلوں میں ہماری تحریک کے لئے ایک ایسا بذبہ عقیدت پیدا ہوجائے جو زمانہ مستقبل میں پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلا دینے والا ثابت ہو۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ علاقہ **ڈیجیور** سٹریس کے مقام "ڈیوٹ شس ریج" کے ایک جلسہ کی شان دار کامیابی نے میرے عقائد کی صداقت اور پختگی کو میرے لوح دل پر اور بھی اچھی طرح نقش کردیا تھا کیونکہ اس جلسہ میں دو سو سے زیادہ حاضری تھی۔ اور اس عوام کو کشش کرنے اور ان سے مالی امداد حاصل کرنے غرضیکہ دونوں پہلوؤں میں ہمیں روز بروز خاطر کامیابی حاصل ہوتی جارہی تھی چنانچہ اس سے اگلے ہی مہینے میں ہمارے جلسے کی حاضری چار سو تک پہنچ گئی۔ مگر ابھی تک کس طرح بھی یہ نہ کہا جاسکتا تھا کہ ہماری اس تحریک کا کوئی ایسا فیصلہ شدہ پروگرام تھا جس سے جلدی ہی اسے پوری پوری ہردلعزیزی حاصل ہوسکتی تھی کیونکہ اس کمی کے باعث ہم اپنی تحریک اور اس کے محدود سے مقصد کو عوام کے سامنے پیش کرتے ہوئے اسے کامیابی کی منزل تک پہنچانے کا کوئی بھی ایک خاص راستہ لوگوں کو نہیں دکھلا سکتے تھے اور نہ اس پر چلنے کے فائدہ ہی ان کے ذہن نشین کراسکتے تھے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ کوئی خاص طریق عمل طے ہوئے بغیر کسی خیال کا بھی انکل پچو طور پر بیاں کردینا بہت مشکل ہوتا ہے اور پھر اس کی تشریح و توضیح میں طرح طرح کا اختلاف رائے ہوکر بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اور اس طرح مختلف اور متضاد تشریحات کرتے رہنے سے اس تحریک کے ساتھ ہی ساتھ قوم و ملک کو بھی بے حد نقصان پہنچتا ہے کیونکہ لوگ یہ فیصلہ نہیں کرسکتے کہ انہیں کس شخص کی بات ماننی چاہئے۔ اور کس کی نہیں اور اس طرح تذبذب میں پھنس کر سب کو ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

میں اپنی اس نوجوان تحریک کو ایسے "بے زبان کارکنوں" کے جال میں پھنسنے سے بچانے کے لئے جو ہمیشہ پس پردہ رہ کر کام کرنا چاہتے ہیں کسی خاص فہمائش کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ کیونکہ ایسے کارکن صرف بزدل ہی نہیں بلکہ اکثر کاہل اور ناقابل بھی پائے

www.freepdfpost.blogspot.com

جاتے ہیں ورنہ کوئی شخص جو کسی سوال کے متعلق کچھ جانتا ہے چند آنے والی مصیبتوں کو صریحاً" دیکھ بھی رہا ہے اور ان کی روک تھام کے طریقے سے کچھ کچھ واقف ہیں کب خامش رہنا گوارہ کرسکتا ہے۔ لیکن اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ ضرور کمزور دل اور اپنے فرض سے ناواقف یا لاپرواہ بھی کہا جائے گا۔ اور کسی بھی کام کی کامیابی کے لئے اس پر کبھی بھروسہ نہیں کیا جاسکے گا۔ ایسے شخص صرف ڈرپوک اور نالائق ہی نہیں ہوتے بلکہ دھوکے باز اور مکار بھی ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنی بہانہ سازیوں سے اوروں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ان کی جانبازیوں اور قربانیوں سے خود فائدہ اٹھانے کے لئے ہی میدان سیاست میں داخل کرتے ہیں۔ لیکن کبھی آگے بڑھنے کی ہمت و جرات نہیں کرسکتے وہ در حقیقت دوسروں کے سر انجام دیئے ہوئے کاموں سے ہمیشہ دل ہی دل سے نفرت کرتے ہیں۔ مگر کھلم کھلا اس نفرت کے اظہار کی بھی ہمت نہیں رکھتے لیکن ہر تحریک میں مردانہ وار حصہ لینے اور کسی بھی مخالفت کی کچھ پرواہ نہ کرکے بے خوفی سے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان عمل میں ڈٹ جانے والے شیر مرد اپنے دلی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کبھی نہیں جھجکے اور ان کی حفاظت و پرچار میں سب طرح کی سختیاں سہنے اور قربانیاں کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں وہ چند ایک ہی ہزاروں چوری چوری اور چپکے چپکے کام کرنے والوں سے بہت زیادہ بااثر اور قابل اعتبار ثابت ہوتے ہیں۔

چنانچہ میں نے ۱۹۲۰ء میں یہ تجویز پیش کی۔ کہ عوام کی ایک نہایت عظیم الشان کانفرنس منعقد کی جائے ہر ہیر نے جو اس وقت پارٹی کے لیڈر تھے میری اس تجویز کی مخالفت کی اور آخر باعزت طور پر پارٹی کے لیڈری کے بار سے سبکدوش ہوگئے اور ہرانیٹن ڈیکسار نے ان کا عہدہ سنبھالا اور اس تحریک کے پرچار کا کام خود میں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور بغیر کسی پس وپیش کے میں اس میں مصروف ہوگیا آخر اس کانفرنس کے لئے ۲۴ فروری کی تاریخ مقرر ہوئی اور اس کے تمام انتظامات کا بار بھی رفتہ رفتہ میرے سر پر پڑ گیا۔ مگر میں نے بھی اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور شب و روز کام میں مصروف رہنے لگا۔

ہمارے قومی جھنڈے کا رنگ سرخ تھا۔ اس لئے وہ ایک خاص کشش رکھتا تھا۔ اور مخالفوں کو جلانے اور بھڑکانے کے لئے بھی اس میں ایک خاص طاقت تھی اس سے ان کے دل اور دماغ پر بھی ہمارا اچھا اثر پڑا۔

ہماری کانفرنس کے اجلاس کی تاریخ انعقاد آپہنچی اور میں اس میں شریک ہونے کے

www.freepdfpost.blogspot.com

لئے صبح سات بجے ہاؤس فیسٹ ہال کی طرف روانہ ہوا جو پلازا میونخ میں واقع تھا۔ اس وقت میرا دل مسرت سے پر تھا۔ وہاں پہنچ کر جب میں اس وسیع ہال کو دو ہزار مردوں اور عورتوں سے ٹھسا ٹھس بھرا دیکھا تو میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔

پہلے مقرر کی تقریر کے بعد میری باری آئی ابھی مجھے تقریر کرتے ہوئے کچھ بہت زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ میرے اوپر اعتراضات کی بوچھاڑ شروع ہوگئی اور ہال میں ایک عجیب جوش و خروش پھیل گیا۔ بڑی مشکل سے ہمارے چند قابل اعتماد ساتھیوں اور میدان جنگ کے رفیقوں نیز ان کے دوستوں نے اس جوش کو قدرے ٹھنڈا کرکے جلسے میں امن و امان پیدا کیا اور میں آگے تقریر جاری کرسکا۔ مگر اس آدھ گھنٹے میں ہی نہ جانے وہ سب جوش و خروش کہاں غائب ہوگیا اور بیس پچیس منٹ تک میری تقریر سننے کے بعد ہی ہزارہا مرد و زن جن سے وہ ہال پر تھا۔ سب دم سادھے خاموش سانس روکے چپ چاپ میری تقریر کو اس طرح بغور سنتے ہوئے دکھائی دیئے گویا کہ سب میرے لفظ لفظ سے متفق تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے کس نامعلوم خیال اور کس نادانستہ الفاظ نے ان کے دل و دماغ پر اتنا اثر ڈال کر ان کے تمام جذبات و خواہشات میں یہ حیرت انگیز تبدیلی پیدا کردکھائی تھی۔

بس پھر کیا تھا؟ شہر میں انقلاب کی ایک آگ سی بھڑک اٹھی جس کے نور میں تلواروں کی چمک دمک بھی ممکن نظر آنے لگی۔ اور میرے دل میں ایک بار پھر یہ امید پیدا ہوگئی کہ جلد ہی خواب غفلت میں بے سدھ پڑی ہوئی جرمن قوم اپنی گمشدہ آزادی اور برباد شدہ قدیم عظمت و شوکت کو پھر حاصل کرنے کے لئے میدان عروج و اقبال میں مردانہ وار قدم بڑھائے گی۔

آئندہ باب میں ہی ان اصولوں کی زیادہ تفصیل کے ساتھ تشریح و توضیح کروں گا جنہوں نے مستقبل کے لئے ہمیں اپنے پروگرام کا فیصلہ کرنے میں مدد دی ہے۔ حالانکہ اپنے آپ کو ہم سے ہر پہلو میں افضل و برتر سمجھنے والے اور دنیا کی نظروں میں بھی ممتاز و ذی مرتبہ مانے جانے والے لوگوں نے ہمارا مذاق اڑایا اور ہم پر برے سے برے آوازے کسے میں نے بھی اپنی طرف سے کچھ کسر نہ چھوڑی لیکن ہمارے طریق عمل کی کامیابی نے آخر یہ ثابت کردیا کہ ہمارے خیالات زمانے اور عوام کی خواہشات کے بالکل مطابق تھا۔ اور ہمارے مخالف ہر طرح غلطی پر تھے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

www.freepdfpost.blogspot.com

عالمگیر قومی اصول اور ہماری پارٹی

یہ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ہماری یہ نئی تحریک عوام پر کوئی خاص اثر ڈالنے کے لئے اس وقت تک پوری پوری طاقت حاصل نہیں کرسکتی تھی۔ جب تک شروع سے ہی کس کے پیروؤں کے دلوں میں یہ پکا اعتماد نہ جم جاتا۔ مگر یہ سب سرگرمیاں اور شورو غل محض آئندہ انتخابات پارلیمنٹ میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہی نہیں۔ بلکہ نئے عالمگیر اصولوں کی بنیاد پر جرمنی میں ایک نئی مجلس زندگی کی روح پھونکنے کے لئے عمل میں آرہی ہے۔ مگر پھر بھی اس پر ان سب پارٹی بازی کے چھل بنوں کا اثر لازمی طور پر پڑتا تھا۔ جو اس وقت نت نئے روپ میں کام کرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ان میں سے ایک تو جو سب سے اہم اور نمایاں تھا۔ وہ آئندہ انتخابات کے نتائج کا خوف تھا۔ جس کے زیر اثر ہرایک رٹی ہمیشہ ہی اپنی کامیابی کے لئے طرح طرح کی چالبازیوں سے کام لیا کرتی ہے۔ اور آئے دن عجیب سے عجیب خیالات کو نئے سے نئے طریق پر لوگوں کے سامنے پیش کیا کرتی تھی۔ لیکن انتخابات کے بعد پورے پانچ سال تک کامیاب ممبروں کے لئے ایوان پارلیمنٹ میں جاکر حاضری دے آنے کے سوا اور کچھ بھی کام نہ رہ جاتا تھا۔ اور پھر ملک و قوم کی کوئی فکر کبھی نہ ستاتی تھی۔

اب بھی قوم کی اس شان دار خدمت کا یہ خیال ہی انہیں پارلیمنٹری رجسٹروں اور کاغذوں پر دستخط کرنے کے لئے مجبور کیا کرتا ہے۔ جس کے معاوضے میں انہیں ملک میں ہر طرح کی عزت و شہرت نصیب ہوا کرتی ہے۔ اس لئے پارلیمنٹ اور اس کی ممبری کے نام پر ہونے والی ان تمام رہو کے بازیوں کا خیال عوام کے لئے اور سب باتوں سے بہت زیادہ تکلیف دہ ثابت ہونے لگا تھا۔ مگر ہمارے عوام کی یہ دماغی حالت بھی ان کے دلوں میں مارکس ازم کی منظم طاقت کے خلاف کوئی زبردست جوش و خروش پیدا نہیں ہونے دیتی

www.freepdfpost.blogspot.com

تھی۔ اور نہ پارلیمنٹ کے آنریبل ممبر ہی اس طرف کچھ توجہ دینے کی کوئی ضرورت کبھی محسوس کرتے تھے اسی لئے متوسط طبقہ کی سبھی پارٹیوں کے دلی رجحان کو دیکھ کر عام رعایا کے دل میں اکثر یہ خیال پیدا ہوتا تھا۔ پارلیمنٹ میں سوائے لڑائی جھگڑوں کے اور ہوتا ہی کیا ہے؟ اور اس آپا دھاپی میں اصل اصولوں کی پروا ہی کون کرتا ہے ؟

یہی وجہ تھی کہ ان پارٹیوں میں سے کسی میں بھی وہ زبردست طاقت عمل نظر نہ آتی تھی۔ جو عوام کے خیالات پر کچھ اثر ڈال کر ان کے دلوں میں کسی پارٹی کے لئے پورا پورا اعتقاد و اعتماد پیدا کرسکتی۔ لیکن ایسی حالت میں جبکہ ایک فریق ہزار بار نا کامیاب اور قصور وار ثابت ہونے کے بعد بھی ہر طرح کے تشدد آمیز ہتھیاروں سے آراستہ ہوکر کسی مستقل طور پر قائم شدہ اصول یا رواج پر حملہ کرنا شروع کردیتا ہے۔ تو مخالف جماعتوں میں بھی ایک نیا جوش و خروش پیدا ہوجاتا ہے۔ اور وہ سب ہی اپنی تمام سستی اور کاہلی کو بالائے طاق رکھ کر اس سے بھی زیادہ سرگرمی کا اظہار کرنے لگ جاتی ہیں۔ اس طرح عملی نقطہ خیال سے ہر دلعزیز یا مقبول عام الفاظ کی قدر و قیمت بھی کچھ فرضی اور قیاسی سی رہ جاتی ہے اور لفظ " دہرم " کی مانند ان کی تشریح و توضیح بھی مختلف متضاد طور پر ہونے لگتی ہے۔ کیونکہ ان کی بنیاد عوام کی خوش اعتقادی کے سوا اور کسی بھی چیز پر نہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ کوئی بھی دنیاوی اصول خود ہزار بار بھی بے نقص اور نوع انسان کے لئے فائدہ بخش کیوں نہ ثابت ہو۔ وہ کسی گری ہوئی قوم میں اس وقت تک نئی زندگی پیدا نہیں کرسکتا۔ جب تک کہ اس میں جدوجہد اور کشمکش کی طاقت موجود نہ ہو۔ اور ایک سرکیف جماعت اس کی حمایت میں کھڑی ہوکر اپنی بے غرضانہ قربانیوں سے اپنے طریق عمل کو تمام قوم و ملک کے لئے معفت بخش ثابت نہ کردے۔ چنانچہ موجودہ سیاسی مسائل کے متعلق بھی ہمارے خیالات ایسے ہی ہونے چاہئیں کہ وہ سبھی عوام کے لئے یکساں فائدہ مند ہوں۔ اور کسی خاص جماعت یا فرقہ یا نسل کے آدمیوں سے ان کا کوئی تعلق نظر نہ آئے۔ بلکہ وہ صاف طور پر ملک و قوم کی اقتصادی ضروریات سے پیدہ شدہ مختلف پہلوؤں میں کام کرنے والی سیاسی طاقتوں کے نمایاں نتائج ظاہر ہوں۔

تہذیب و اخلاق کے نقطہ خیال سے مختلف نسلوں کی قابلیت میں کوئی فرق محسوس نہ کرنا ایک بڑی بھاری غلطی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر مختلف فرقوں اور مختلف اشخاص کو بھی ایک جیسا مہذب خوش اخلاق اور قابل ماننا پڑے گا جو کہ صریحاً" ناممکن ہے۔ اس

www.freepdfpost.blogspot.com

طرح بین الاقوامی مارکس ازم بھی دنیا کو ایسے ہی ایک عام صورت میں ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس کا یہ عقیدہ یہودی کارل مارکس کے زمانے سے اب تک اسی طرح چلا آیا ہے۔ اگر اس کی بنیاد اس یا ایسے ہی کسی دوسرے زہریلے اصول پر نہ ہوتی تو اس کے عقائد و مسائل کو اتنی کامیابی ہرگز نصیب نہیں ہوسکتی تھی۔ جتنی کہ ہوئی ہے۔ کارل مارکس درحقیقت ان بے شمار آدمیوں میں سے ایک تھا جو اس بگڑی ہوئی دنیا کے بیرونی طور پر مندمل شدہ زخموں کے اندر اس زہر کی موجودگی کو پہچان گیا تھا۔ اور اپنے طلسمی فن کی مدد سے اس لئے باہر نکال لایا تھا۔ تاکہ اس کی مدد سے وہ دنیا بھر کی آزاد قوموں کو تباہ و برباد کرکے اپنے یہودی بھائیوں کی کچھ بہتری و بہبودی کرسکے۔ جن کا اپنا نہ کوئی ملک تھا اور نہ کوئی متحد قوم۔ اس طرح آج کل جو متفرق خیالات دنیا میں عام طور پر پھیلے ہوئے ہیں مارکس ازم کے اصول ان سب کا ہی ایک نہایت دانش مندانہ لب لباب ہیں اور اسی لئے ان سبھی خیالات کے پیروؤں میں وہ مقبول عام ہو رہے ہیں۔ لیکن دنیا کے اس حصے یعنی جرمنی میں انسانی تہذیب و اخلاق کے اندر آرین عنصر کچھ ایسے عجیب و غریب طریقے پر ملا ہوا ہے۔ کہ وہ اس سے کسی طرح بھی الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر یہ عنصر کسی طرح خارج ہوگیا یا اندر جذب ہوکر غائب ہوگیا تو کرۂ زمین پر ایک مرتبہ پھر بدتہذیبی اور بد اخلاقی کا تاریک پردہ چھا جائے گا۔ اس لئے جو شخص بھی دنیا پر قوم پرستی کی نظروں سے نگاہ ڈالنے گا اسی پر یہ صاف طور پر ظاہر ہوجائے گا کہ انسانی تہذیب کی ہستی میں جو بھی کتربیونت کی جاتی۔ اس کا اثر اس نسل قوم پر ضرور ہی تباہ کن پڑتا ہے۔ جو اس تہذیب کو اب تک برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اور اس لئے قومی نقطہ خیال سے یہ ایک ایسا جرم ہے جس کے لئے جتنی بھی لعنت ملامت کی جائے کم ہے۔ کیونکہ وہ شخص بھی بھگوان کی شان میں سخت گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے۔ وہ اپنے سورگ سے نکالے جانے کا باعث خود ہی بن جاتا ہے۔

ہم سب یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ دن بھی ضرور آنے والا ہے جبکہ بنی نوع انسان کے سامنے چند ایسے مسائل ہوں گے جن کا حل معمولی انسانوں کی طاقت سے باہر ہوگا۔ اور اس وقت کسی نہایت ہی شریف نسل کے انسانوں کو دنیا اپنی رہنمائی کے لئے دعوت دے گی۔ اور وہی تمام کرۂ ارض کی مجموعی طاقتوں کی امداد سے ان مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

ہر زمانے میں تمام دنیا کے لئے کسی ایک طریق عمل کا تصفیہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے ۔ جبکہ اس کے الفاظ نہایت صاف اور غیر مبہم ہوں۔ اس لئے ہماری سیاسی پارٹی کے اصول بھی ایسے ہی بنائے گئے۔ جیسے کہ کسی مذہب کے ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی اس کے یہ بھی ضروری تھا۔ کہ اس کے ہاتھ میں کچھ ایسی طاقت اور کوئی ایسا ہتھیار بھی ہوتا جو بوقت ضرورت اسی طرح اس کی حفاظت کرسکتا جس طرح کہ آج کل مارکس ازم کا نظام بین الاقوامیت کے خیال کی حفاظت کر رہا ہے اور اس کے لئے راستہ کھولتا چلا جارہا ہے۔ چنانچہ اسی مقصد و مدعا کو پیش نظر رکھ کر ہماری نیشنل سوشلسٹ جرمن ورکرز پارٹی نے بھی اپنا کام شروع کردیا۔

اس وقت مجھے محسوس ہوا کہ تمام دنیا سے تعلق رکھنے والے مختلف مسائل پر جو مختلف اصول حاوی ہوتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک خاص اور بنیادی اصولوں کو اخذ کرکے انہیں کم و بیش مذہبی عقائد کی سی شکل میں عوام کے سامنے پیش کرنا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ وہ آسانی سے سمجھ کر بہوئیت عملی پر جامہ پہنا سکیں۔ اور اس طرح ان کی بدولت ان سب میں ایک عملی اتحاد و یکجہتی پیدا ہو جائے۔ یعنی دوسرے الفاظ میں نیشنل سوشلسٹ جرمن پارٹی ایک عالمگیر قومی مسئلہ کے متعلق تمام ضروری اصولوں کو منظور کرنا اپنا فرض خیال کرے۔ اور اس بارے میں تمام عملی امکانات ' ضروریات زمانہ' انسانی طاقتوں اور کمزوریوں کو مدنظر رکھ کر اپنا ایک ایسا سیاسی عقیدہ تیار کرے جو ہر آئندہ زمانہ میں اس کی عالمگیر قومی مسئلہ کی آخری فتح کی ابتدائی شرط قرار دیا جاسکے۔ اور جب یہ نیا عقیدہ تیار ہوکر اس کی تکمیل و تعمیل کے لئے مناسب ذرائع کا فیصلہ ہوجائے۔ تو اس کی مطابقت میں عوام کی ایک نہایت زبردست اور وسیع اور عالمگیر سنتھا کو جنم دے کر اس کی طاقت کو ناقبل شکست بنا دے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

حکومت اور اس کے فرائض

مگر ۲۰-۱۹۱۹ میں ہی بوسیدہ اور بے اثر درمیانے طبقے کی طرف سے جو بین الاقوامی اصولوں کا پجاری تھا۔ ہماری نوجوان تحریک کے خلاف یہ الزام لگایا جانے لگا کہ یہ حکومت وقت کے خلاف ہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس زمانے کے تمام سیاسی پارٹیوں کے مدبر ہم نوجوانوں کو ہر طرح کچلنا اور تباہ کرنا اپنا حق سمجھنے لگے۔

ہمارا قصور صرف یہ تھا کہ ہم ایک ایسا یا عالمگیر مسئلہ عوام کے سامنے پیش کرنے کی ہمت کر رہے تھے جو انہیں پسند نہ تھا۔ اور اپنے اس جوش میں وہ یہ تک بھول گئے تھے۔ کہ خود ان کا یہ متوسط سرمایہ اور طبقہ بھی چند روز پہلے ہی کھلم کھلا یہ شکایت کرتا رہا ہے۔ کہ حکومت اب یکساں طور پر تمام قوم کی نمائندہ نہیں رہی۔ اس لئے اگرچہ اس کی نمائندہ حیثیت کی مناسبت و معقول تعریف نہیں کی جاسکتی۔ مگر پھر بھی ہمارے سرکاری سکولوں میں جو استاد لڑکوں کو سرکاری قوانین کی تعلیم دیتے ہیں انہیں حکومت کی ہستی کو حق بجانب ثابت کرکے اسکی تعریف کے راگ کم و بیش گانے ہی پڑتے ہیں۔ کیونکہ حکومت ان کی "مائی باپ" ہے۔ اور وہ اس سے ہی تنخواہ پاتے ہیں۔ اس لئے کسی ملک کا آئین حکومت جتنا بھی خراب ہوتا ہے۔ اور جتنے بھی زیادہ احمق و نا اہل کسی حکومت کے کارکن ہوتے ہیں۔ اتنی ہی ان کی زیادہ تعریف کی جاتی ہے۔اور ان کی ہستی کو ملک کے لئے زیادہ ضروری ظاہر کیا جاتا ہے۔ مثلاً" کسی شاہی کالج کا کوئی بھی پروفیسر کسی ایسے ملک میں جہاں حکومت اس بیسویں صدی میں بدترین مصیبت خیال کی جاتی ہو۔ حکومت کے اصلی اصولوں کے متعلق نہ کبھی کچھ لکھ ہی سکتا ہے۔ اور نہ ہی پڑھا سکتا ہے۔ اور اس کے لئے بلاشک و شبہ یہ کام نہایت ہی مشکل ثابت ہوتا ہے۔

اگرچہ ایسے لوگوں کو بھی تین فریقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک تو وہ جو ملک کو

www.freepdfpost.blogspot.com

ایسے لوگوں کا ایک مجموعہ سمجھتے ہیں۔ جو کم و بیش رضاکارانہ طور پر ایک آئین حکومت کے ماتحت رہنا منظور کرلیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی نگاہوں میں حکومت کی ہستی ہی اس کے دعویٰ کا کافی ثبوت ہے کہ اس کی پاکیزگی میں کسی طرح بھی کوئی خلل پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ وہ انسانی دماغ کے اس احمقانہ خیال کی عملی تعمیل میں "نام نہاد حکومت کے احکام" کی ایسی ہی فرمانبرداری ضروری سمجھتے ہیں۔ جیسی کہ ایک اپنے مالک کے حکم کی کرتا ہے۔ اور اس طرح وہ صرف اپنی انگلی کے اشارے سے ہی ایک ذریعہ کو آخری مقصد بنا ڈالتے ہیں۔ کیونکہ ان کی رائے میں حکومت رعایا کی خدمت کے لئے نہیں بلکہ رعایا حکومت کی خدمت اور پرستش کے لئے ہوتی ہے۔ اور یہی ایک طرح سے اس حکومت کے ہر افسر کی سپرٹ ہوجاتی ہے۔

دوسرا فریق یہ سمجھتا ہے کہ حکومت کا فرض صرف حکم چلانا نہیں۔ بلکہ اسے اپنی رعایا کی بہتری اور بہبودی کا بھی خیال ضرور رکھنا چاہئے۔ لیکن اس فریق کے لوگ بھی " آزادی " کے متعلق اکثر ایک غلط نظریہ قائم کرلیتے ہیں۔ کیونکہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ صرف کسی حکومت کی ہستی ہی اسے پاکیزہ و مقدس نہیں بنا دیتی بلکہ اسے اپنی معقولیت و پاکیزگی کے متعلق ہر امتحان میں کامیاب بھی ثابت ہونا چاہئے۔ ہمارے معمولی درمیانہ طبقہ کے جرمن ہم وطنوں میں بالخصوص آزاد خیال جمہور پسندوں (لبرل ڈیموکریٹس) میں اسی خیال کے لوگ اکثر پائے جاتے ہیں۔

یہ تیسرا فریق جو اپنے تعداد کے خیال سے سب سے زیادہ کمزور ہے اس کا خیال یہ ہے کہ حکومت ایسی طاقت ہے جس کی بدولت ہم ایک زبان بولنے والی ایک متحدہ قوم کے متعلق چند خیالی و قیاسی پالیسیوں کو (جن کا ابھی تک کوئی پورا پورا فیصلہ بھی نہیں ہوسکا ہے) عملی جامہ پہنا سکتے ہیں اور اس طرح اس کی مدد سے قوم کو مضبوط بنا سکتے ہیں۔"

مجھے درحقیقت یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوتا تھا۔ کہ جن لوگوں کے نیک نیتی کے ساتھ یہ خیال تھے ان میں سے بھی اکثر گذشتہ ایک سو سال کے عرصہ میں "جرمن ہن" کے لفظ کے ساتھ مذاق کرتے رہے ہیں۔ اورانہوں نے کبھی حقیقی طور پر اس کا مطلب سمجھنے اوراس کی اہمیت و عظمت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی مجھے یہ اچھی طرح یاد ہے کہ میرے ابتدائی شباب کے زمانے میں بھی کس طرح لوگ اس لفظ کی بدولت حیرت خیز غلطیوں میں پھنس جاتے تھے۔ یعنی اس وقت بھی پان جرمن (جرمنوں کے عالمگیر اتحاد کے

www.freepdfpost.blogspot.com

حامی) حلقوں میں یہ آواز سنی جاتی تھی کہ حکومت کی مدد سے ہی آسٹریا اور سالون (Solvan) علاقہ جات کے باشندے کو جرمن قوم میں کامیابی کے ساتھ شامل کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ یہ کبھی خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ کہ کسی طرح کبھی کسی حبشی یا چینی کو محض اس لئے جرمن کہا جاسکتا ہے کہ اس نے جرمن زبان سیکھ لی ہے۔ نیز وہ عمر بھر اسے بولتے رہنے کے لئے تیار ہے۔ اور جرمنی کی کسی سیاسی پارٹی کے حق میں رائے دینے کے لئے بھی آمادہ ہے۔ کیونکہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری نسل میں دوغلا پن شروع ہوجائے گا۔ اور ہمارے اوپر اس کا یہ اثر پڑے گا کہ وہ تو جرمن کیا ہوں گے ہم میں ہی جرمن پن کا جو عنصر باقی رہ گیا ہے۔ وہ بھی تباہ و برباد ہوجائے گا۔ کیوں کہ دلل کا تعلق زبان کے ساتھ بالکل نہیں بلکہ خون کے ساتھ ہے۔ اور کسی غیر جرمن کو جرمن بنانے کی کوشش صرف اسی صورت میں کامیاب ہوسکتی ہے۔ جبکہ اس کا خون بھی کسی طرح بدلا جاسکتا ہو۔ ورنہ اس کا انجام یہی ہوگا کہ اعلیٰ نسل کے خون کے ساتھ مل کر اپنی سب عظمت و اہمیت کھو بیٹھے گا۔ اس کے ثبوت میں تاریخ بھی یہ شہادت دے رہی ہے کہ جس ملک کو ہمارے بزرگوں نے بزور شمشیر فتح کرکے وہاں جرمن کاشتکاروں کو آباد کردیا وہی ہمارا ہوا ہے لیکن جب انہوں نے ہماری قوم کے خون میں کسی غیر خون کو داخل کرنے کی کوشش کی ہے۔ تب ہی ہماری اپنی قومی خصوصیتوں پر اس کا ناپسندیدہ اثر پڑا ہے۔ اور وہ زائل ہونے لگ گئی ہے۔ اس لئے سب سے بڑا اصول جسے ہمیں مدنظر رکھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ حکومت یا ریاست ہی ہماری منزل مقصود تک پہنچنے کا صرف ایک راستہ ہے۔ اور ایک ایسی بنیاد ہے جس پر اس قومی تہذیب کی ایک عظیم الشان عمارت قائم کی جاسکتی ہے۔ جو اس تہذیب برکتوں سے پہلے مالا مال ہوکر اپنے اندر یہ قابلیت پیدا کرچکی ہے۔"

غرضیکہ دنیا میں حکومت اور ریاست کے ہزارہا نمونے کیوں نہ موجود ہوں۔ لیکن اگر آرین تہذیب کے نام لیوا اور اس کے محافظ دنیا سے مٹ گئے تو پھر صفحہ عالم پر کوئی دوسری ایسی تہذیب باقی نہ رہ جائے گی۔ جو اپنی دماغی عظمت کے لحاظ سے زمانہ حال کے اعلیٰ ترین قوموں کے ہم پلہ ہونے کا دعویٰ کرسکے۔ بلکہ میں تو اس سے بھی ایک قدم آگے جاکر یہ کہوں گا کہ چونکہ انسان ہی حکومتیں اور ریاستیں قائم کرتے ہیں۔ اس لئے یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ کہ اگر بالفرض اس اعلیٰ دماغی قابلیت وعظمت کے محافظوں کی کمی یا غلطی کے باعث ان کی وہ اعلیٰ تہذیب مفقود بھی ہوجائے تو ان کی وہ نسل بھی ان کے ساتھ ہی

www.freepdfpost.blogspot.com

ساتھ غائب ہوجائے اس لئے یہ کہنا پڑے گا کہ کوئی حکومت یا ریاست بھی کوئی خاص تہذیبی معیار پیدا نہیں کرسکتا۔ وہ صرف اس نسل کو اپنے اندر شامل کرسکتی ہے جو تہذیب و اخلاق کا فیصلہ کرنے والی ہوتی ہے۔"

سب قومیں (بلکہ اگر نسلیں کہا جائے تو اور بہتر ہوگا) یہ مفید تہذیبی قابلیت اور تخلیقی طاقت اپنے اندر خفیہ طور پر پوشیدہ رکھتی ہے۔ خواہ ظاہر حالات کیسے بھی ان کے خلاف کیوں نہ ہوں۔ اور ان سے مجبور ہوکر وہ خود ہی ان کی نشوونما کی ممانعت بھی کیوں نہ کردیں۔؟ اس لئے یہ شدید ظلم ہوگا اگر جرمن لوگوں کو زمانہ مسیح سے پہلے کے وحشی و بے تہذیب جنگلی لوگوں کی نسل کہا جائے۔ جن سے کہ ان کا کبھی بھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ کیونکہ ان وحشیوں کے قدیم شمالی مسکن کو موسمی سختیوں اور شدتوں نے تو انہیں کبھی اس امر کی اجازت ہی نہیں دی کہ وہ اپنی اس تخلیقی قوت کو کسی زمانے میں بھی مناسب طور پر نشوونما دے سکتے۔ لیکن ہاں اگر اس وقت قدیم یونانی جرمن تہذیب دنیا میں موجود نہ ہوتی۔ اور وہ لوگ زیادہ معتدل اور موافق آب و ہوا والی جنوبی سرزمینوں میں آپہنچتے اور انہیں اپنی ترقی اور نشوونما کے لئے وہ ابتدائی سہولتیں نصیب ہوجاتی جو اوروں کو ملتی رہی ہیں۔ یعنی کہ ان کا بھی واسطہ اپنے سے ادنیٰ نسلوں کے ساتھ پڑتا جن سے کہ وہ اپنی تہذیبی نشوونما میں مدد لے سکتے تو یقیناً" وہ بھی اپنی پوشیدہ تحقیقی طاقتوں کی امداد سے ایک ویسی ہی شاندار تہذیب کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہوجاتے جیسی کہ یونانی تہذیب تھی مگر خوش قسمتی یا بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوا اور نہ اب ہی ہونا ممکن ہے۔

اس لئے ہر ایک حکومت کا سب سے بڑا مقصد یہ ہونا چاہئے۔ کہ وہ اپنی تہذیب و اخلاق کی اشاعت سے اپنے ان قدیم نسلوں عناصر کی حفاظت کرتی رہے لہٰذا ہمیں بھی آرین نسل سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی حیثیت سے اپنے قومی حکومت کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہوئے صرف ایک ایسی قومیت کی زندہ تنظیم کو ہی اپنے آورش کے طور پر نظروں کے سامنے رکھنا چاہئے۔ جو نہ صرف ہماری قومی ہستی کو ہی برقرار رکھے بلکہ اس کی دماغی تخیل اور تخلیقی طاقتوں کو بھی نشوونما دیتا ہو۔ اسے آزادی کے بلند ترین مدارج تک پہنچانے میں کامیاب ہوسکے۔ لیکن باہمہ حکومت کی طرف سے ہم پر جو دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ وہ ایک شدید ترین غلطی کا نتیجہ کہا جاسکتا ہے۔ جس کا انجام ہمارے لئے نہایت مصیبت خیز اور تباہی بخش ہوسکتا ہے۔ ہم نیشنل سوشلسٹ سے اس حقیقت سے بھی ناواقف نہیں کہ

www.freepdfpost.blogspot.com

دنیا ہمیں بدترین انقلاب پسند کہتی ہے اور اس لئے ہمارے خیالات کی مذمت کرتی ہے۔ لیکن ہمارے خیالات و افعال پر ہماری اپنی یا کسی اور کی کسی منظوری یا مذمت کا کچھ بھی اثر نہیں پڑنا چاہئے۔ بلکہ ہمیں نہایت ہمت و استقلال سے صرف اس صداقت پر قائم رہنا چاہئے جسے کہ ہم تسلیم کرچکے ہیں اور جسکی پاکیزگی کی اہمیت اور عظمت پر ہم ایمان لا چکے ہیں۔ تبھی ہم یہ یقین کرسکتے ہیں کہ ہماری آئندہ نسلوں کا زیادہ صاف روشن تخیل نہ صرف ہمارے موجودہ طریق عمل کو اچھی طرح سمجھ سکے گا بلکہ یہ بھی تسلیم کرے گا کہ ہم صداقت پر تھے۔ اور اس لئے وہ ہماری اورہمارے کاموں کی بھی عزت کرے گا۔

ایک حکومت کے اعلیٰ مشن کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں یہ بھی ہرگز نہ بھولنا چاہئے۔ کہ اس اعلیٰ مشن کا جائے مقام لازمی و ابدی طور پر قوم کا دل ہے۔ اس لئے حکومت کا فرض صرف اس حد تک محدود ہے کہ وہ قوم کی آزادانہ نشوونما کو ترقی دینے کے لئے اپنی طاقت تنظیم سے پورا پورا کام لیتی رہی اور اس میں کسی طرح سے بھی کوئی کمی رونما نہ ہونے دے۔ لیکن اگر ہم سے یہ پوچھا جائے کہ ہم کیسی جرمن حکومت چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں صریحی طور پر یہ فیصلہ کرلینا چاہئے کہ ہم حکومت کے ذریعہ کیسے انسان پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ان انسانوں کی مدد سے کس مقصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ہمیں مطلوب ہے۔

لیکن بدقسمتی تو یہ ہے کہ ہماری جرمن قوم کے درمیانی طبقے میں اب نسلی یگانگت و یکسانیت بھی قائم نہیں رہی۔ اور نہ اس کے مختلف حقیقی اجزاء کو یکجان بنانے کا عمل ہی اتنی نشوونما حاصل کرسکا ہے۔ جس کی بناء پر ہم یہ دعویٰ کرسکیں کہ ہم ایک نئی نسل پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ بلکہ برعکس اس کے جنگ سی سالہ کے بعد سے ہمارے قومی و نسلی جسم میں جس زہریلے خون کی ملاوٹ جاری ہے۔ اس نے نہ صرف ہمارے خون میں ہی خرابی پیدا کردی ہے۔ بلکہ ہماری روح بھی متاثر ہونے لگی ہے۔ کیونکہ ہمارے آبائی وطن کی کھلی حدود اور ان کے نواحات میں غیر جرمن قوموں کی موجودگی۔ پھر سب سے بڑھ چڑھ کر ہماری ریش (قومی پارلیمنٹ) کے اندرون ترین حصوں میں اس غیر خون کا مسلسل داخلہ ہمیں اسے مکمل طور پر جذب کرنے کا موقعہ و مہلت بھی تو نہیں دیتا۔ کیونکہ یہ بھاؤ بغیر کسی روک ٹوک کے برابر جاری ہے۔

مزید برآں اب جرمنوں میں وہ جتھا بندی کا قدرتی احساس بھی باقی نہیں جو ایک ہی خون اور ایک ہی نسل کی قوموں میں ہوا کرتا ہے۔ اور ان کی حفاظت کیا کرتا ہے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

خصوصاً" اس وقت جب کہ انہیں غیر قوموں کی طرف سے تباہی و بربادی کا کوئی خطرہ عظیم درپیش ہو۔ اور اس کی احساس کی عدم موجودگی نے ہمیں ناقابل بیان نقصان پہنچایا ہے۔ کیونکہ اس نے بہت سے چھوٹے چھوٹے حکمران پیدا کردیئے ہیں۔ جن کے اپنے اپنے پایہ تخت جدا جدا ہیں۔ جو اسے کسی حقیقی و شان کا مستحق بنا سکتا ہے۔ اس لئے اب ہمیں اس مردہ مشین کی بجائے جو صرف اپنی بیکار ہستی کے لئے قائم رہنے کا دعویٰ کر رہی ہیں کوئی ایسی زندہ مشین قائم کرنی چاہئے جس کا واحد مقصد کسی اعلیٰ تخیل کی نشوونما اور اس کی خدمت گذاری ہو۔

جرمن ریش کو ایک اعلیٰ حکومت کی حیثیت سے تمام جرمنوں کو اپنے سایہ عاطفت میں جگہ دینی چاہئے اور انہیں اپنے گرد و پیش میں جمع کرنا چاہئے اسے نہ صرف جرمن قوم کے بہترین حقیقی نسلی عناصر کو منتخب کرکے ان کی حفاظت کا فرض سرانجام دینا چاہئے بلکہ انہیں مناسب نشوونما دے کر عظمت و اہمیت کے درجہ تک پہنچانا چاہئے۔ لیکن یہ بھی تو بالکل قدرتی ہے کہ جو حکام آج ہماری حکومت اور ہماری امت کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ وہ اپنی موجودہ حالت میں ہی بے حد خوش و خرم ہوں۔ جبکہ انہیں حکومت کی گاڑی کو رسمی طور پر چلتے رکھنے کے لئے کوئی خاص جدوجہد نہیں کرنی پڑتی۔ یہ صنعت کسی ایسی حالت کی جس میں لٹا نہیں نئی سے نئی چیزوں کے حاصل کرنے کے لئے خاص کشمکش کرنے کی اشد ضرورت پڑے گی اس وقت وہ حکومت کا مقصد صرف انہیں زندہ رکھنے کا ہے۔ کیونکہ ان کی زندگیاں بھی تو جیسا کہ وہ نہایت زور سے دعویٰ کئے کرتے ہیں "حکومت کی ہی ملکیت ہے" اس لئے ان کے خیال میں انہیں محفوظ رکھنا حکومت کا فرض اولین ہے۔

لیکن جب ہم اپنے نئے خیالات کی حفاظت میں جنگ و جدل کرتے ہیں جو حقیقی صورت حالات کے عین مطابق ہیں۔ تو ہمیں ان لوگوں میں سے بہت ہی کم ساتھی ملتے ہیں۔ جو کہ جسمانی طور پر اور افسوس ہے۔ کہ کثیر التعداد حالات میں دماغی طور پر بھی بالکل ہی بے کار اور مردہ ہو چکے ہیں۔ اگرچہ عین ممکن ہے کہ صرف اسمی کے طور پر کہیں کہیں ہمیں ایسے بوڑھے بزرگ بھی چند ایک مل جائیں جن کے دل و جان و دماغ تروتازہ ہوں لیکن وہ لوگ تو کسی صورت میں بھی ہمارے کسی کام نہیں آسکتے۔ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی زندگی کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ موجودہ صورت حال میں کسی طرح کی بھی کوئی تبدیلی نہ ہونے دیں اور اسے جیون کی نیوں بنائے رکھیں۔

www.freepdfpost.blogspot.com

لہٰذا ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر ہمیں تمام قوم میں سے اعلیٰ درجہ کی قابلیت اور طاقت و قوت کی ایک خاص قلیل فیصدی بھی ایسی حاصل ہوجائے جو ایک واحد مقصد کے لئے متحد و متفق ہو اور بے جان و بے حس عوام سے وہ نمایاں طور پر الگ نظر آئے تو یہ قلیل فیصدی بھی قدرتی طور پر باقی تمام اکثریت پر حاوی آکر ان کی مالک و محصار بن بیٹھے گی۔ کیونکہ دنیا کی تاریخ ان اقلیتوں کی ہی بنائی ہوئی ہے۔ جو بعد میں قوم کی قوت ارادی اور استقلال و حوصلہ کے ایک بڑے حصے کو اپنے ساتھ شامل کرنے میں کامیاب ہوجائیں۔

اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو صورت پہلے اکثر لوگوں کو کمزور اور وقت پر معلوم ہوتی ہے وہی حقیقت میں فتح کی ایک لابدی اور لازمی صورت ہوتی ہے۔ کیونکہ کسی کام کی اہمیت عظمت اور مشکلات کو دیکھ کر ہی اکثر بہترین جنگ آزما خود بخود اس کی حمایت و حفاظت کے لئے میدان جنگ میں آ ڈٹتے ہیں۔ اس لئے کامیابی کا راز ہمیشہ ایک مقصد کا بہترین انتخاب میں مضمر رہتا ہے۔

ہمیں یہ کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ ہر ایک نسلی دو غلے پن کا نتیجہ جلد یا بدیر مخلوط اولاد کے تنزل میں رونما ہوا کرتا ہے۔ جب تک کہ اعلیٰ عنصر اس اختلاط میں غالب رہتا ہے۔ تب تک اس کی ہستی قائم رہتی ہے۔ جب وہ رفتہ رفتہ مغلوب ہوجاتا ہے تبھی اس کے خاتمے کی ابتداء شروع ہوجاتی ہے۔ جس کا انتہا انجام کار رفتار بربادی ہے۔ لیکن ایسی حالت میں نسل برقرار رکھنے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ نئی قوت تولید و طاقت زندگی حاصل کرنے کی غرض سے پھر اسی قدرتی عمل کو شروع کیا جائے۔ خواہ اس کی رفتار کتنی بھی سست کیوں نہ ہو؟ جس سے آہستہ آہستہ وہ ادنے قسم کا زہریلا خون خارج ہوجائے۔ اس طرح نسلی پاکیزگی پھر بڑھتی جائے گی اور وہ دوغلے پن کا عمل آہستہ آہستہ بالکل رک جائے گا۔

اس لئے ایک حکومت کا یہ پہلا فرض ہونا چاہئے کہ وہ نسل کی بہتری کے لئے شادی رسم کو ایک دائمی بے عزتی اور تنزل کا باعث ہرگز نہ بننے دے۔ بلکہ اس اس حالت سے اٹھا کر ایک ایسی سنستھا (انسٹی ٹیوشن) کے طور پر پاکیزہ و مقدس بناتی چلی جائے۔ جس کا مقصد ایسے انسان پیدا کرنا ہو۔ جو بھگوان کی مورتی (LORD IMAGE) کہلا سکیں نہ کہ ایک ایسی خوفناک ہستی ہوں۔ جو نصف انسان اور نصف بندر کا مرکب مانا جائے۔

انسانی حقوق کی بناء پر اس خیال کے خلاف اظہار ناراضگی کسی طرح بھی موزوں و مناسب نہیں خصوصاً" آج کل کے زمانہ میں جبکہ ہر ایک گرے سے گرے انسان کو بھی یہ

www.freepdfpost.blogspot.com

آزادی حاصل ہے کہ اپنی حیوانی خواہشات کا غلام ہوکر اپنی ہی جیسی ناکارہ آوارہ من مانی اولاد پیدا کرتا چلا جائے۔ کیونکہ اس طرح جہاں وہ ایک طرف اپنے قوم و ملک پر ایک نازیبا بوجھ لاد کر اس کی مصیبتوں اور تکلیفوں میں ناگفتہ بہ اضافہ کرتا ہے وہاں دوسری طرف اپنی اولاد کو بھی ناگفتہ بہ آفتوں اور مصیبتوں کا شکار بناتا ہے۔ بالمقابل اس کے ہر ایک دوا فروش کی دوکان پر بلکہ ہر ایک بازاری اور پھیری لگانے والی نام نہاد ڈاکٹر اور حکیم کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ تندرست سے تندرست اور مضبوط سے مضبوط مردوں اور عورتوں کے ہاتھوں مانع حمل ادویات فروخت کرکے انہیں اولاد پیدا کرنے اور اس کی پرورش کرنے کی پاک ذمہ داریوں کو اپنی نفس پرستیوں پر قربان کرتے رہنے کی ترکیب دیتے رہیں۔ مگر آئندہ آنے والی "باضابطہ حکومت" میں قوم پرست درمیانہ طبقات کے بہادر شہریوں کے لئے صرف اسی صورت میں اولاد پیدا کرنا جرم قرار دیا جائے گا۔ جبکہ والدین آتشک' سوزاک' تپ دق یا کسی اور ایسے ہی پشتینی و درانتی امراض کا شکار ہوں جن سے کہ دائم المریض بچے پیدا ہونے کا احتمال ہو۔ اور آج کل کے طریق عمل کے بالکل خلاف لاکھوں تندرست توانا بہترین صحت مند مردوں اور عورتوں کا محض اپنی نفس پرستیوں کے لئے پیدا کرنے کی ذمہ داری سے پہلوبچانا قوم و ملک بلکہ اخلاق و تہذیب کے خلاف ایک زبردست جرم سمجھا جائے گا۔ کیونکہ یہ موجودہ صورت حال نو کوتاہ اندیش اور تخیل کے بے عملی کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہی جاسکتی اور جب یہ حالت نہ رہیں گی۔ تبھی لوگوں اور ان نمائندہ حکومت کو اپنے دل و دماغ پر پورا پورا زور ڈال کر وہ ذرائع تلاش کرنے پڑیں گے۔ جن سے کہ قوم کے ان تندرست و صحت مند نمائندوں یعنی بچوں کی مناسب پرورش و حفاظت ہوسکے تاکہ وہ بھی اپنے وقت پر اپنی آئندہ نسلوں کی مفاد کی ایسی ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ خوبی و خوش اسلوبی سے حفاظت و خدمت کرسکیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ ہماری موجودہ حکومت میں اپنی عزت و عظمت کے خیال اور آدرشوں کی کتنی خوفناک کمی ہے۔ اور کوئی شخص بھی اس کمی کو محسوس کرکے ان خوبیوں کو پیدا کرنا اور نشوونما دینا نہیں چاہتا جو کہ آئندہ نسلوں کے لئے بہترین طور پر فائدہ مند ثابت ہوسکیں۔ بلکہ جیسے بھی برے بھلے آج کل گذارہ ہو رہا ہے اسے ہی سب برابر جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ ایسی حالت میں ایک قومی حکومت کا ہی یہ فرض ہے کہ اس وقت ہر پہلو سے ملک و قوم کو جو نقصان ہو رہا ہے۔ اسے پورا کرنے کے لئے ہر طرح کی کوشش

www.freepdfpost.blogspot.com

کرے۔ قوم کی عام زندگی میں نسل کے خیال کو مرکزی اہمیت دے کر اسے سب کے سامنے مناسب طریقہ پر حل کرے۔ اور ہمیشہ اس بارے میں محتاط رہے کہ اس کی پاکیزگی میں کبھی کوئی خلل واقع نہ ہو۔ نیز یہ اعلان کردے کہ بچے قوم کا نہایت ہی بیش بہا اور گراں قیمت سرمایہ ہیں اس لئے اسے نہایت احتیاط سے یہ دیکھنا چاہئے کہ بچے نہ صرف تندرست اور مضبوط ہی پیدا ہوں "بلکہ ان کی پرورش بھی مناسب آرام و آسائش اور غور و پرداخت سے ہوتی رہے۔" جو شخص بھی وراثتی بیماریوں یا شخصی **ناقابلیتوں** کا شکار ہوں ان کے لئے بچے پیدا کرنا سخت باعث شرم سمجھا جائے اور وہ اولاد پیدا نہ کرنے میں ہی اپنی عزت وحرمت کا خیال کریں۔ اس کے برخلاف قوم کو تندرست اور صحت مند بچوں سے محروم رکھنا باعث ندامت خیال کیا جائے۔ حکومت کو بہترین و جدید ترین طبی ذرائع سے ان متذکرہ بالا مسلمہ صداقتوں کی حمایت و عملی خدمت کرنا چاہئے اور جو لوگ صریحی طور پر ناگفتہ بہ بیماریوں یا دیگر **ناقابلیتوں** کا شکار ہوں۔ انہیں اولاد پیدا کرنے کے قابل قرار دے کر ان افعال تولید کو قابل سزا قرار دینا چاہئے اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ اس ملعون و مادہ پرستی کے زمانہ میں جب کہ بچے پیدا کرنا والدین کے لئے باعث لعنت سمجھا جا رہا ہے کسی بھی اولاد پیدا کرنے کے قابل تندرست عورت کی طاقت تولید ماری نہ جائے۔

حکومت ہر شخص کو مناسب تعلیم و تربیت دے کر یہ حقیقت اس کے ذہن نشین کروا دے کہ بیمار اور کمزور باعث شرم ہی نہیں بلکہ ایک قابل افسوس بدقسمتی ہے جو شخص بھی اپنی خود غرضی سے اپنی اس بدقسمتی کا بوجھ کسی دوسری معصوم ہستی کی گردن پر لادتا ہے۔ وہ ایک سخت مجرمانہ اور شرمناک فعل کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور جب ایک بیمار مگر بے قصور شخص اپنی کوئی ذاتی اولاد پیدا کرنے کا خیال بالکل ہی چھوڑ دیتا ہے اور اسکی بجائے اپنی پدرانہ الفت و محبت کسی دوسرے بچے کی طرف منتقل کردیتا ہے جس کی صحت و تندرستی یہ امید دلاتی ہے کہ وہ بڑا ہوکر ملک و قوم کا ایک تنومند اور مضبوط فرد بنے گا تو وہ در حقیقت ایک نہایت شریفانہ اور قابل تعریف کام کرتا ہے۔ اس کام سے بھی حکومت عوام کی سرگرمیوں کو ان کی دماغی اور ذہنی خوبیوں سے بھی آراستہ و پیراستہ کرتی چلی جائے گی۔ مگر اپنے اس فرض کو سرانجام دیتے ہوئے حکومت کو اپنے دل میں اس امر کا کچھ بھی خیال کبھی دلانا چاہئے کہ عوام اس کے اور اس کام کی اہمیت و عظمت کو ٹھیک طور پر سمجھتے ہیں یا

www.freepdfpost.blogspot.com

نہیں، اور اسے ان میں ہر دلعزیزی حاصل ہوتی ہے یا غیر ہر دلعزیزی کیونکہ ہر ایک نیکی بذات خود اپنا معاوضہ ہے۔ اور آخر اس کا انجام بخیر ہوتا ہے۔

شادی کے متعلق قوم کی ذہنیت میں یہ زبردست تبدیلی پیدا کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔ کیونکہ موجود حالت میں جبکہ انسان اپنے گھوڑوں کتوں' بلیوں' وغیرہ پالتوں جانوروں کی نسل کو بہتر بنانے کی فکر میں شب و روز مبتلا رہتے ہیں۔ تو کتنے افسوس اور شرم کی بات ہے کہ انہیں اپنی نسل کو اچھا اعلیٰ اور مضبوط بنانے کا کچھ بھی خیال نہیں ہوتا۔ جہاں ایک آدمی تو سب کچھ جانتا اور سمجھتا ہوا بھی کمال خاموشی سے اس غلط تیاگ اور ویراگ میں مست رہتا ہے وہاں دوسرا ہر طرح کی رنگ رلیاں کرتا ہوا موج اڑاتا رہتا ہے۔ شادی کے متعلق متذکرہ بالا تبدیلی اس دنیا میں کسی طرح بھی ناممکن نہیں سمجھنی چاہئے جہاں کہ سینکڑوں اور ہزاروں شخص صرف دھرم اور مذہب کے نام پر برہمچریہ اور تجرد کی زندگی بسر کرنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں۔ اگر کوئی قوم اپنی ایسی کمزوریوں کے باعث نقصان برداشت کرتی ہے۔ جن سے وہ اچھی طرح آگاہ ہے۔ اور جن خرابیوں کو وہ تسلیم بھی کرتی ہے۔ (جیسی کہ آج کل ہمارے درمیانے طبقے کی حالت ہے اور جو نہایت ہلکے پن سے یہ کہہ دینے کا کچھ عادی سا بن گیا ہے کہ اس بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔") اس کی تباہی و بربادی میں شک و شبہ ہی کیا رہ سکتا ہے۔

ہم سب کو آئندہ اس مکر و فریب کا شکار ہونے سے صاف انکار کردینا چاہئے کیونکہ ہمارے درمیانہ طبقہ اپنی خرابیوں کے لحاظ سے اب اپنی آخری حد تک پہنچ چکا ہے اور اس میں انسانیت کی بہتری و بہبودی کے لئے کوئی زبردست جدوجہد کرنے تک کی طاقت بھی بالکل نہیں رہی۔ یہ حالت بے حد بری ہے اور میری رائے میں اس کا باعث کوئی دیدہ دانستہ عیب نہیں پیدا۔ - - - - - - - - - بلکہ صرف بے ہمتی اور سستی ہے جس سے بے شمار بیماریاں خود بخود پیدا ہوجاتی ہیں ایک عرصہ دراز سے بور جیوس پارٹیوں کے نام سے بہت سی سیاسی کلبیں قائم ہیں لیکن انہوں نے کیا کیا ہے ؟ سوائے اس کے کہ وہ مختلف جماعتوں اور پیشوں کی نمائندگی کرکے ان کے خود غرضانہ مفادات کی حتی الواسع حفاظت کرتی رہی ہوں اس سے صاف ظاہر ہے کہ درمیانہ طبقہ کے مدبروں کی ایک جماعت جیسی کہ ہماری یہ پارٹی بھی ہے مردانہ وار جدوجہد کے سوا اور سب ہی کچھ کرسکتی ہے۔ خصوصاً" ایسی حالت میں جبکہ اس کے فریق مخالف میں صرف محتاط دوکاندار ہی شامل نہ ہوں۔ بلکہ

www.freepdfpost.blogspot.com

عام جمہور بھی ہوں۔ جو کہ بیدار ہو کر پورے جوش و خروش اور مستقل مزاجی کے ساتھ ہر طرح کی جدوجہد اور کشمکش میں حصہ لینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

ایسی حالت میں حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ قوم کے نوجوان عنصر کو اپنے ہاتھوں میں لے کر انہیں آہستہ آہستہ قوم کو مضبوط اور طاقتو بنانے اور اس کی ترقی و بہبودی کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایک موزوں اور قابل آلہ کار کے طور پر ہر طرح استعمال کرتی رہے۔ اسے اپنے اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر سب سے پہلے اُن کی تعلیم کی طرف توجہ دینا چاہئے لیکن اس تعلیم کا مقصد زیادہ تر یہ نہ ہو کہ ان کے دماغوں میں مختلف علوم ٹھونس ٹھونس کر بھر دیئے جائیں۔ بلکہ یہ ہو کہ ان کے جسموں کو فولاد جیسے مضبوط اور ہر پہلو سے تندرست اور ہر بیماری سے پاک بنایا جائے۔ ان کے بعد ان کی دماغی قابلیتوں کو بڑھانے کا سوال پیدا ہوگا۔ پھر اس میں بھی چال چلن کی پختگی اور پاکیزگی کا درجہ سب سے افضل و برتر سمجھنا چاہیے۔ اس کے لئے ضروری ہوگا کہ ان کی قوت ارادی اور جرات و استقلال کو بڑھانے کی طرف خاص توجہ دی جائے۔ اور اس پہلو میں ان کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی جائے نیز اہم ذمہ داریاں اپنے سر پر لینے اور انہیں پایہ تکمیل تک پہنچانے سے جو خوشی و مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی عظمت و اہمیت انہیں اچھی طرح سکھلائی جائے۔ تب کہیں خالص کتابی علوم و فنون کی تعلیم کا نمبر آنا چاہئے۔

اس لئے ایک قومی حکومت کو ہمیشہ اس اصول کو مدنظر رکھ کر کام کرنا ہوگا کہ ایک معمولی سا تعلیم یافتہ اور تندرست جسم نیز پختہ پاکیزہ چال چلن والا نوجوان جو پر مسرت اور خود اعتمادی اور قوت ارادی سے بھرپور ہو ملک و قوم کے لئے بدرجہا زیادہ بہتر اور کار آمد ہے۔ بہ نسبت ایک کمزور اور دائم المریض شخص کے خواہ اس کے پاس یونیورسٹی کی اعلیٰ ڈگریاں کیوں نہ ہوں اس لئے ایک قومی حکومت کے زیر سایہ جسمانی نشوونما اور تربیت کا کام پرائیویٹ اشخاص کے سپرد نہیں ہونا چاہئے اور اس قومی ضرورت میں دوسرا یا تیسرا درجہ دے کر بچوں اور نوجوانوں کے والدین کے لئے ہی چھوڑ دینا چاہئے بلکہ اسے نسل کی برقراری و مضبوطی کے لئے سب سے زیادہ ضروری سمجھ کر سب سے اول درجہ دیا جانا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر پورے پورے غور و خوض سے دیکھا جائے تو حکومت کی ہستی ہی صرف اس کی حمایت و حفاظت کے لئے ہوتی ہے اور حکمرانوں کی کسی ملک و قوم کو ضرورت ہی کیا ہے۔؟ لہٰذا ہر ایک قومی حکومت کو اپنی تعلیمی کام کو اس طرح تقسیم کرنا چاہئے کہ

www.freepdfpost.blogspot.com

بچوں کے جسم اپنے بچپن کے ابتدائی زمانے سے ہی آئندہ زندگی کی سختیوں کو برداشت کرنے اور جھیلنے کے قابل بنائے جاسکیں۔ اور اس امر کی خاص احتیاط رکھنا چاہئے کہ کہیں ڈرپوک اور آرام طلب "گھر گھسوؤں" کی نسل پیدا نہ ہوجائے۔

ایک قومی حکومت میں یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ سکولوں میں جسمانی ورزش کے لئے خاص اوقات مخصوص ہوں۔ اور کوئی ایک دن بھی ایسا نہ گذرنے پائے جس میں بچوں کو کم از کم ایک گھنٹہ صبح اور ایک گھنٹہ شام جسمانی ورزش نہ کرائی جائے۔ خواہ وہ کھیل کود کی صورت میں ہو یا جمناسٹک و قواعد کی۔ خصوصاً" ایک کھیل تو ایسا ہے جسے کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن بدقسمتی تو یہ ہے کہ بہت سے قوم پرست حضرات اسے حقارت بھری نظروں سے دیکھ کر "گنواروں اور اجڈوں کا سا کہہ دیا کرتے ہیں۔ وہ کھیل کیا ہے " باکسنگ یعنی مکہ بازی " اس کے متعلق عام تعلیم یافتہ لوگوں میں عموماً" جو غلط خیالات پھیل رہے ہیں وہ ناقابل یقین ہیں کیونکہ وہ ایک نوجوان کے لئے یہ تو قدرتی ضروری اور باعث عزت سمجھتے ہیں کہ اسے لڑنا آتا ہو اور لڑنا بھی ڈویل جو دو آدمی بغیر کسی اور کی مدد کے تلواروں پستولوں اور دیگر خطرناک ہتھیاروں سے لڑا کرتے ہیں لیکن مکہ بازی کو وہ "گنوار" اور "اجڈ پن" خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ مقابلہ اور لڑائی کا کوئی دوسرا کھیل ایسا نہیں جو مکہ بازی کی مانند حملہ آوری کی سپرٹ کو نشوونما دیتا ہو۔ اور اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہو۔ اس میں بجلی کی سرعت کے ساتھ فیصلہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور جسم میں مضبوطی چستی و چالاکی آجاتی ہے۔ دو نوجوانوں کے لئے تلواروں وغیرہ کے ذریعہ اپنی باہمی لڑائی جھگڑے کا فیصلہ کرنے کی نسبت مکوں سے ہی فیصلہ کرلینا میری رائے میں کسی طرح بھی گنوار پن' اجڈ پن اور وحشی پن نہیں کہلا سکتا۔

اگر ہماری دماغی تربیت یافتہ جماعت کو صرف اعلیٰ درجے کے نفاست پسندانہ طور طریقی کی ہی تعلیم نہ دی جاتی۔ بلکہ ان کی بجائے یا اس کے ساتھ ہی اسے مکہ بازی کی بھی پوری پوری تعلیم ملی ہوتی۔ تو وہ دلدوز و سینہ سوز نظارے ہرگز دیکھنے میں نہ آتے جو خوامخواہ اکڑفوں دکھلانے والے انیٹھنے خانوں اور میدان جنگ سے جان بچا کر بھاگنے والوں اور ایسے ہی دیگر ناکارہ لوگوں کی بدولت جرمن انقلاب کے دنوں میں ہمیں دیکھنے نصیب ہوئے ہیں۔ یہ صرف اسی لئے ممکن تھے کہ ہمارے ہائی سکولوں نے جوانمرد سپاہی پیدا نہیں کئے۔ بلکہ ان کے بجائے صرف افسر' انجینئر' ماہر قانون وکیل اور ماہر علم و ادب ادبا اور ان

www.freepdfpost.blogspot.com

سب کو دماغی طور پر زندہ رکھنے والے پروفیسر ہی پیدا کئے۔ اسی لئے ہمارے دماغی رہنما اپنے امتحانات کے شاندار نتائج تو ہمیشہ دکھلاتے رہے۔ لیکن ان سے ہماری قوت ارادی کو اتنی نشوونما کبھی حاصل نہیں ہوئی کہ وہ مخالفانہ نکتہ چینی بھی مردانہ طور پر برداشت کر سکیں۔

ہماری جرمن قوم اس وقت ایسی افسوس ناک حالت کو پہنچ گئی تھی۔ کہ جو بھی چاہتا تھا وہی اسے ٹھوکر لگا دیتا تھا۔ اس لئے ضرورت یہ تھی کہ اس کے دل میں ایک ایسی حوصلہ افزاء طاقت پھونکی جائے۔ جس سے اس میں خود اعتمادی پیدا ہوسکے۔ نیز قوم کی آئندہ نسلوں میں ان کے لڑکپن کی ابتداء سے ہی خود اعتمادی کی نشوونما دینے کی کوشش کی جائے۔ ان کی تمام تعلیم و تربیت میں یہ مقصد پیش نظر رہے۔ کہ ان کے دل پر یہ خیال نقش ہوجائے کہ وہ ایک ایسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں جو دنیا میں سب سے زیادہ افضل و برتر ہے۔ ساتھ ہی اس کے اپنی جسمانی اور دماغی قابلیت کی بدولت نوجوانوں کے دلوں میں یہ پختہ اعتماد پیدا ہوجائے کہ ان کی قوم دنیا میں ناقابل فتح ہے کیونکہ اس سے پہلے بھی جس طاقت و قوت سے ایک زمانہ میں جرمن فوجوں کو فتح نصیب ہوگئی تھی وہ یہ خود اعتمادی کی ہی طاقت تھی جن سے ان کے ہر ایک سپاہی کا دل بھرپور تھا اور جسے ان کا ہر ایک افسر و رہنما ہر وقت محسوس کرتا تھا۔ اسی عقیدے کی بدولت ہم ایک مرتبہ پھر بھی آزادی حاصل کرسکتے ہیں۔ لیکن یہ عقیدہ صرف لاکھوں اور کروڑوں لوگوں کے مشترکہ و متفقہ اعتماد او اعتقاد سے ہی پیدا ہوسکتا ہے۔ اس لئے کسی کو بھی اس بارے میں کوئی غلطی نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ ہماری قوم کی آزادی و خود مختاری کی تباہی کا خاتمہ جتنا عظیم وسیع ہوا ہے اتنی ہی عظیم و وسیع کوشش بھی ہونی چاہئے جو اس آزادی و خود مختاری کو پھر بحال کرنے کے لئے کی جائے اور اس کے لئے صرف ضرورت ہے۔ ایک نہایت ہی زبردست قومی قوت ارادی کی۔ ایک نہایت مضطرب کن پیاس کی۔ اور ایک تڑپا دینے والے پر از جذبات جان نثاری کی۔ تب ہی ہمیں وہ چیز بحال کرنے میں کامیابی نصیب ہوسکتی ہے۔ جس کی کہ ہم اس وقت سب سے زیادہ ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔

ایک قومی حکومت کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ صرف سرکاری سکولوں میں ہی جسمانی طاقت و قابلیت کی نشوونما دینے پر زور نہ دے۔ بلکہ جب نوجوانوں کو سکول جانے اور تعلیم پانے کے دن ختم ہوجائیں تب بھی وہ اس بات کا پورا پورا خیال رکھے کہ جب تک کوئی نوجوان اپنی جسمانی نشوونما کو جاری رکھ سکے تب تک ہی وہ اس کے لئے بزرگی عظمت و

www.freepdfpost.blogspot.com

برکت کا باعث ثابت ہوتی رہے۔ کیونکہ یہ خیال کرنا ایک بہت بڑی حماقت اور بیوقوفی ہوگا کہ جب کوئی نوجوان اپنی تعلیم ختم کردے۔ تب ہی حکومت بھی یکایک اس کی نگرانی کے حق سے سبکدوش ہوجاتی ہے اور وہ صرف اسی وقت پھر اس طرف توجہ دے سکتی ہے۔ جب کوئی نوجوان فوجی ملازمت میں داخل ہو۔ کیونکہ ملک و قوم کے نوجوانوں کی جسمانی تربیت اور نشوونما کی نگرانی حکومت کا حق نہیں بلکہ ایک ایسا فرض منصبی ہے جو ہمیشہ اور ہر حالت میں یکساں طور پر جاری رہتا ہے اور کبھی ختم ہو ہی نہیں سکتا۔

صیغہ فوج کا بھی صرف یہی فرض نہیں کہ وہ ایک انسان کو یہ سیکھا دے کہ "مارچ" (چلنے کا طریقہ) کس طرح کیا کرتے ہیں اور "اے ٹن شن" (توجہ سے کھڑا ہونا) کس طرح ہوا کرتے ہیں؟ بلکہ اسے اپنے سب نوجوان رنگروٹوں کو ہتھیاروں کا استعمال بھی ضرور سکھانا چاہئے۔ اور ساتھ ہی اس کے انہیں اپنی آئندہ زندگی میں تعلیم کو بھی جاری رکھنا چاہیئے اور اس اسکول میں ہر ایک لڑکے کی کایا پلٹ ہوکر اسے ایک ایسا آدمی بننا چاہئے جو صرف فرمانبرداری ہی نہ سیکھتا رہے بلکہ زمانہ مستقبل میں فرمان جاری کرنے اور حکم دینے کی قابلیت حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکے۔ وہ نہ صرف اس وقت ہی خاموش رہنا سیکھے جب کہ اس پر فائز و منصفانہ طور پر کوئی الزام لگایا جائے بلکہ اگر ضرورت آپڑے تو بے انصافی کو بھی خاموشی کے ساتھ بغیر کسی چون و چراہ کے بخوشی برداشت کرسکے اور اس پر بے قرار ہوکر تلملا نہ جائے۔ اس طرح اپنی ذاتی طاقت و قوت سے مضبوط نیز باہمی رفاقت اور میل جول کی سپرٹ سے بھرپور ہوکر ہی (جو اسے اپنے دوسرے ساتھیوں کی مانند ہر وقت محسوس ہوتی رہنی چاہیئے) ایک نوجوان لڑکا اپنی قوم کا ناقابل فتح ہونے پر ایک سچا اعتماد و اعتقاد حاصل کرسکتا ہے۔ بغیر اس کے اور کسی طرح نہیں!

جب اس کی فوجی ملازمت یا زمانہ ختم ہوجائے تو اسے دو طرح کے کاغذات پیش کرنے کے قابل ہونا چاہئے۔ ایک تو اس کے قانونی کاغذات میں جن سے یہ ثابت ہو کہ وہ حکومت ملک کا ایک باضابطہ شہری ہے اور اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ تمام پبلک معاملات میں حصہ لے سکے۔ اور دوسرے اپنی صحت کے متعلق سرٹیفکیٹ جو یہ تصدیق کرے کہ وہ پوری طرح صحت مند اور ہر طرح شامل کے قابل ہے۔

اسی طرح لڑکیوں کی تعلیم میں بھی ان کی جسمانی تربیت پر پورا پورا زور دیا جانا چاہئے۔ اس کے بعد چال چلن کی نشوونما اور سب سے پیچھے دماغی لیاقت و قابلیت پر لیکن

www.freepdfpost.blogspot.com

لڑکیوں کی تعلیم کا مقصد انہیں زمانہ مستقبل میں اچھی مائیں بنانا ہو۔

زمانہ جنگ میں بارہا یہ شکایت سنی گئی ہے کہ ہمارے سپاہی اپنی زبان پر قابو رکھنے کے بالکل ناقابل تھے۔ اس لئے یہ نہایت ہی مشکل تھا کہ ہم اپنے بیش بہا سے بیش بہا راز بھی دشمنوں کے راز جوئی سے محفوظ رکھ سکتے۔ لہٰذا ہمیں یہ سوچنا چاہئے۔ کیا جنگ سے پہلے کبھی ہمارے صیغہ تعلیم نے اس طرف کوئی توجہ دی ہے۔ کہ نوجوانوں کے لوح دل پر یہ بھی نقش کیا جائے کہ خاموشی بھی مردانہ اوصاف میں سے ایک ناقابل قدر وصف ہے جیسا کسی شاعر نے کہا ہے کہ

خموشی معنی دارد کہ در کفنن نے آید

نہیں! کبھی نہیں! اب بھی ہمارے سکولوں کی اس طرف کوئی توجہ نہیں اور وہ اسے ایک بالکل معمولی اور ہیچ سی بات سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ معمولی اور ہیچ سی بات ہی حکومت کے لاکھوں اور کروڑوں روپہ کے قانونی اخراجات میں صرف کروا دیتی ہے۔ کیونکہ ہتک عزت کے جتنے بھی مقدمات عدالت میں آتے ہیں ان میں ننانویں فیصدی زبان پر قابو نہ رکھے کے باعث ہی دائر ہوتے ہیں۔ حالانکہ لاپروائی سے کہی ہوئی باتوں کا جواب بھی ویسی۔۔۔۔۔ ہی لاپروائی سے ہی دیا جاسکتا ہے۔ اور اس صورت میں کبھی بھی لڑائی نہیں بڑھ سکتی۔ ہماری قومی تجارت کو بھی اس سے بہت نقصان پہنچتا ہے۔ کیونکہ کارخانہ داروں کے راز لاپرواہی سے افشاء کردیئے جاتے ہیں۔ پھر ملک کی حفاظت کے لئے پوشیدہ طور پر خاموشی کیساتھ جو تیاریاں کی جاتیں ہیں وہ بھی بات کا بتنگڑ بن کر پھیل جاتی ہیں۔ کیونکہ زبان پر قابو رکھنا تو لوگوں نے سیکھا ہی نہیں۔ اس لئے وہ ہر وقت بک بک ہی کرتے رہتے ہیں۔ ایام جنگ میں اس بک بک کی بیماری سے ہی فتح شکست میں تبدیل ہوکر جنگ کے شرمناک نتائج کا باعث بن سکتی ہے۔ اس لئے ہمیں یہ محسوس کرنا چاہئے کہ لڑکپن میں جس نیک عادات کو سیکھا جائے۔ بڑے ہوکر بھی وہ نہیں سیکھی جاسکتی۔

آج کل تو ہمارے سکولوں میں اعلیٰ صفات کو نشوونما دینے کی غرض سے ارادتاً" تو کوئی کوشش کی ہی نہیں جاتی۔ لیکن اس بارے میں ایک بالکل ہی نیا طریقہ اختیار کیا جانا چاہئے۔

غرضیکہ قابل اعتماد ہونا ہر طرح کی قربانیوں کے لئے آمادہ کمربستہ رہنا اپنی زبان پر قابو رکھنا یہ ایسی صفات ہیں جن کی ہر ایک بڑی قوم کو ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔ اس لئے

www.freepdfpost.blogspot.com

ہمارے سکولوں میں ان کی تعلیم و تربیت بھی بدرجہا زیادہ ضروری ہے بہ نسبت دیگر بے شمار فضولیات کے جن سے ہمارے سکولوں کا نصاب بھرا پڑا ہے۔ اسی طرح ہر قومی لیڈر کو اپنے تعلیمی پروگرام میں کیرکٹر کے بنانے اور جسم کو نشوونما دینے پر پہلو بہ پہلو مساوی اور پورا پورا زور دینا چاہئے۔ اس قسم کی مسلسل تعلیم سے بہت سے اخلاقی نقائص (جو اس وقت ہمارے قومی جسم میں وراثتی معلوم ہوتے ہیں اس لئے جن کا دور کیا جانا ناممکن دکھائی دیتا ہے) اگر بالکل ہی دور نہ ہوسکیں گے تو کم از کم ایک بہت بڑی حد تک کم تو ضرور ہوجائیں گے۔

اکثر لوگوں نے یہ شکایت بھی کی ہے کہ ۱۹۱۸ء کے ماہ نومبر اور دسمبر میں ہماری فوجوں کو ہر ایک محاذ میں سخت ناکامیابی رہی ہے۔ اور شہنشاہ سے لے کر ادنیٰ ڈویژنل کمانڈر تک کوئی ایسا فیصلہ کرسکتا۔ جس سے کہ صورت حال کچھ تو بدل جاتی۔ یہ ہیبت ناک حقیقت بھی ہمارے طریق تعلیم کی ہی لعنت کا اظہار کرتی ہے کیونکہ اس عظیم الشان مصیبت کے وقت ہماری وہ کمزوری نمایاں طور پر ظاہر ہوگئی جو دوسری حالتوں اور چھوٹے چھوٹے معاملات میں ہمیشہ نامعلوم طور پر ہمارے ساتھ رہی ہے۔ سامان جنگ کی کسی کمی نے نہیں بلکہ قوت ارادی کی اس کمی نے ہی آج ہمیں اس حالت کو پہنچا دیا ہے۔ کہ ہم کہیں بھی مضبوطی اور مستقل مزاجی کے ساتھ مقابلہ نہیں کرسکتے۔ یہ کمزوری ہماری قوم میں بہت گہرائی تک اثر کر چکی ہے۔ اور یہی ہمیں کسی خطرے کے وقت کوئی زبردست فیصلہ کرنے سے روکے رکھتی ہے۔ اور طرح طرح کے اندیشے ہمارے دلوں میں پیدا کرتی رہتی ہے۔ شاید ہم یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ کسی اہم اور عظیم الشان کام کی سرانجام دہی ایسا ہی آسان کھیل ہے کہ اس میں کبھی کسی خوف و خطر کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ ہماری طاقت فیصلہ کی اس افسوس ناک کمی کے متعلق ہمارا ایک جرمن جرنیل کسی طرح محض اتفاقیہ اور نادانستہ طور پر ایک قدیم یونانی فارمولا معلوم کرنے میں کامیاب ہوگیا اور اس نے یہ کہا "کہ میں کبھی کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس میں مجھے "اکیاون فیصد" کی امید نہ ہو۔ میری رائے میں بس یہ "اکیاون فیصد" ہی جرمنوں کی شکست اور تباہ کن شکست کی سب سے بڑھ کر ذمہ دار ہے۔

آج کل ہر طرح کی ذمہ داریوں کے نام سے ہمیں جو خوف آتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے۔ کہ اس کی تمام ذمہ داری اس تعلیم پر ہے جو ہمارے نوجوانوں کو دی جاتی ہے اور جو ہماری قومی زندگی کے ہر صیغے میں ایک پرانی بیماری کی طور پر گھر کرگئی ہے

www.freepdfpost.blogspot.com

اور سب سے بڑھ چڑھ کر ہماری پارلیمنٹری حکومت میں نمایاں ہے۔ اس لئے جیسے کہ ایک قومی حکومت کو قوم کے ہر فرد بشر کے دل میں ارادے اور فیصلے کی طاقت پیدا کرکے اسے نشوونما دینا چاہئے۔ بالکل ویسے ہی اسے بچپن کے ابتدائی زمانے سے نوجوانوں کے دلوں میں پورے پورے جوش مسرت کے ساتھ ذمہ داریوں کا بار اپنے سر پر لینے نیز اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کا کھلے دن سے اعتراف کرنے کی ہمت و جرات بھی پیدا کرنی چاہئے۔

سائنس وغیرہ کی تعلیم جو کہ آج کل سرکاری نصاب کا سب سے بڑا مقصد دکھائی دیتا ہے۔ قومی حکومت کی طرف سے چند تبدیلیوں کے ساتھ بعد میں دے جاسکتی ہے۔ ان تبدیلیوں میں سب سے اہم اور سب سے پہلی تبدیلی تو یہ ہے کہ نواجوں کے دماغوں پر بہت سے ایسے مضامین کا بوجھ نہ ڈالا جائے جن میں سے نوے فیصدی کی انہیں آئندہ زندگی میں کبھی کوئی ضرورت نہیں پڑتی مثلاً" ذرا دیکھئے کہ ایک معمولی سرکاری ملازم جو اپنی عمر کی ۳۶ ویں یا ۴۰ ویں سال میں کسی "جمنازیم" (دن کے سرکاری سکولوں) یا "ریال سکول" (جدید سکول) سے تعلیم پاکر نکلتا ہے۔ اسے وہاں جو کچھ سکھایا جاتا ہے۔ اس میں سے کیا کیا اس کے کام آتا ہے؟ گذشتہ صفحات میں سرسری طور پر ذکر کیا جاچکا ہے۔ ہمارے نوجوان طلباء کی ایک تعداد کثیر کے لئے تو وہی نصاب تعلیم بہت کافی ہے۔ جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ بعد میں کسی خاص زبان یا شعبہ علم و ہنر کے مطالعہ کی ضرورت اگر محسوس ہو تو وہ آزادانہ طور پر صرف اس مضمون کی تعلیم آخری ممکن حد تک حاصل کرسکتے ہیں۔ اس طرح سب لڑکوں کو جسمانی تربیت اور دیگر مضامین و اوصاف کے متعلق جن کا پہلے ذکر کیاجاچکا ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے لئے بہت کافی وقت مل سکے گا۔

تواریخ کی تعلیم کے طریقے میں مضامین کی تبدیلیوں کی بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس وقت اس مضمون کی جو بھی تعلیم دی جاتی ہے اس کا نتیجہ ۹۹ فیصدی قابل افسوس ہوتا ہے صرف چند بڑے بڑے آدمیوں یا واقعات کے نام اور ان کی پیدائش وغیرہ کی تاریخوں کے سوا اس میں عموماً" اور کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔ مختلف واقعات سے بڑے بڑے اہم نتائج اخذ کرنے کا طریقہ تو آج کل بالکل ہی مفقود ہے۔ اور یہی وہ اشد ضروری باتیں ہیں۔ جو کہ نوجوانوں کو سکھلائی جانی چاہئیں۔ مگر آج کل نہیں سکھلائی جاتیں۔ بلکہ انہیں قابل طلباء کی اپنی لیاقت و قابلیت کے رحم پر محض اس لئے چھوڑ دیا جاتا ہے ۔ کہ وہ تاریخوں کے اس جنگل اور واقعات کے اس سیلاب میں سے خود ہی انہیں اخذ کرتے رہیں جو کہ ان میں

www.freepdfpost.blogspot.com

سے نوے فیصدی کبھی بھی نہیں کرسکتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ علم تاریخ سے حاصل ہونے والے اصلی فوائد سے ہمیشہ محروم رہ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ تواریخ پڑھانے میں ہمیشہ اختصار ہی کو مدنظر نہ رکھنا چاہئے کیونکہ تاریخ محض واقعات کی واقفیت کے لئے نہیں پڑھائی جاتی بلکہ اس لئے پڑھائی جاتی ہے کہ ان واقعات سے ہم اپنی موجودہ اور آئندہ قومی زندگی کے لئے مناسب سبق بھی حاصل کرسکیں۔ اس لئے زمانہ قدیم کے حالات سے بھی ہمیں پوری پوری واقفیت حاصل ہونی چاہئے اور اس سے بالکل ہی قطع تعلق کسی صورت میں بھی فائدہ مند نہیں ہوگا۔ صحیح طور پر اورمناسب آزاد خیالی کے ساتھ رومن تاریخ کی تعلیم صرف آج کل کے زمانے میں ہی نہیں بلکہ آئندہ بھی ہر زمانے میں ہمارے لئے بہترین تعلیم ہوسکتی ہے۔ اس لئے قومی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اس طریق پر "تاریخ عالم" تیار کرائے جس میں نسل کے مسئلہ کو ایک خاص اور نمایاں اہمیت حاصل ہو۔

آج کل ہمارے سکولوں اور خصوصاً" مڈل و ہائی سکولوں میں پیشہ ورانہ قابلیت کی طرف جو توجہ دی جاتی ہے۔ وہ اس امر حقیقت سے ہی صاف ظاہر ہے کہ تین طرح کے مختلف سکولوں میں تعلیم پاکر بھی لڑکے ایک ہی پیشے میں داخل ہوسکتے ہیں۔ اس لئے شروع میں صرف عام تعلیم پر ہی زیادہ زور دیا جانا چاہئے۔ اور جنہیں خاص مضامین یا پیشوں میں تعلیم پانے کی ضرورت ہو۔ ان کے لئے بھی آج کل کی مانند معمولی ثانوی سکولوں میں کوئی انتظام کیا جائے۔ ہماری قومی حکومت کو ان خرابیوں کو فوراً" دور کرنے میں کوئی پس و پیش ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔

دوسری اہم تبدیلی جس کی ہمارے سکولوں میں سخت ضرورت ہے۔ یہ ہے کہ خاص پیشہ ورانہ یعنی ٹیکنیکل تعلیم کو عام تعلیم سے بالکل جدا کردیا جائے۔ کیونکہ اس سے تعلیم کا اتنا خیال پیدا نہیں ہوتا جتنا کہ زبردستی کا۔ اس لئے ہمیں یہ اصول کبھی نہیں بھولنا چاہئے۔ کہ صنعتی و حرفتی تعلیم و تجارت بھی اسی وقت پھل پھول کر ملک و قوم کو کچھ فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔ جبکہ ان کی بنیاد اعلیٰ ترین آدرشوں پر قائم ہو کیونکہ ان کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ ان سے صرف ذاتی طور پر مادی و مالی منفعت حاصل کی جائے۔ بلکہ یہ ہو کہ ہمارے نوجوانوں میں قربانی و ایثار نفسی کی طاقت پیدا ہوکر اس سے خوشی و مسرت حاصل کرسکنے کی قابلیت بھی انہیں حاصل ہوجائے۔

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ایک تخیل کے طور پر لفظ "حکومت یا ریاست" (سٹیٹ) کی

www.freepdfpost.blogspot.com

اس وقت تک کوئی بھی صاف تعریف ہمارے سامنے موجود نہیں آج کل حکومت کے زیر سایہ مقامی حب الوطنی کے سوا اور سبھی کچھ لوگوں کو سکھایا جاتا ہے۔ جرمنی میں تو اس تعلیم کا مطلب کچھ ایسا ہی معلوم دیتا ہے۔ کہ اس سے ان چھوٹے چھوٹے والیان ریاست کی دھندلی سی شان کو چار چاند لگائے جائیں جن کی کثیر التعدادی ہی آج ہماری قومی عظمت اور اہمیت کے راستے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ بن رہی ہے اسی لئے اور محض اسی لئے ہمارے ہم وطنوں کو بہ ہیئت مجموعی جرمن تاریخ کا جو علم ہے وہ نہایت نامکمل و ناقص ہے اور ان حالات میں کسی شخص کے دل میں بھی ملکی و قومی معاملات کے لئے کوئی حقیقی دلچسپی اور سرگرمی پیدا نہیں ہوسکتی۔ کوئی بھی یہ نہیں جانتا کہ آج کل کے طالب علموں کے سامنے اپنی قوم کے اصلی مہاں پرشوں کو کس طرح شاندار دیروں کی صورت میں پیش کیا جائے تاکہ دنیا بھر کی توجہ ان پر مرکوز ہوسکے اور ان کی پاک ہستی عوام کے دلوں میں کوئی ٹھوس جذبہ پیدا کرسکے۔

جب سے جرمنی میں انقلاب رونما ہوا ہے۔ شاہ پرستی کا تو بس خاتمہ ہی سمجھئے اب تو صرف واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے ہی تاریخ کا مطالعہ کیاجاتا ہے اور موجودہ حکومت کو قوم پرستانہ سرگرمیوں میں کوئی بھی خوبی نظر نہیں آتی۔ اور جو کچھ وہ پسند کرتی ہے۔ وہ یہاں تاقیامت بھی ہوتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ کیونکہ اس زمانے میں جب کہ دنیا میں قوم پرستی کے اصولوں کا رواج ہے۔ اور جمہوریت کے لئے کچھ زیادہ جوش و خروش دکھائی نہیں دیتا۔ اس کے لئے یہ امید کرنا کہ کوئی مخالف طاقت اس امر کا زیادہ کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرسکے گی بالکل بعید از قیاس ہے۔ کیونکہ اس بارے میں کوئی بھی شک و شبہ نہیں ہوسکتا۔ کہ اگر جرمن قوم کا نعرہ جنگ "جمہوری حکومت" ہوتا تو وہ ان ساڑھے چار سال تک ہرگز یوں صبر و تحمل سے کام نہ لیتے اور کبھی کی اپنی جمہوری حکومت قائم کرلیتے۔ یہ جمہوری حکومت باقی دنیا میں بھی اسی لئے ہردلعزیز ہو سکی ہے کہ ایک کمزور آدمی کو وہی لوگ پسند کیاکرتے ہیں جنہیں کہ اس سے کام لینا پڑتا ہے۔ وہ اس کی بجائے کسی طاقت ور اور مضبوط آدمی کو پسند نہیں کرسکتے اور جمہوری طریق حکومت سے ہمارے دشمنوں کو جو رغبت و ہمدردی ہے وہ بھی اس کے خلاف نہایت زبردست نکتہ چینی کا باعث ہوسکتی ہے۔ کیونکہ ہمارے دشمن جرمن جمہوریت کو صرف اس لئے پسند کرتے ہیں اور س کے جاری رہنے کی اجازت دے سکتے ہیں کہ ہمیں غلام بنانے اور تباہ کرنے کے کام کو درجہ تکمیل تک پہنچانے

www.freepdfpost.blogspot.com

کے لئے انہیں اس سے بہتر معاون اور کوئی بھی نہیں مل سکتا۔

ورنہ قومی حکومت کے لئے تو یہ لازمی ہوگا کہ وہ اپنی زندگی کے لئے مناسب طور پر جدوجہد کرے۔ کیونکہ "ڈز کی تجاویز" سے اسے حفاظتی جدوجہد میں پوری پوری مدد نہ دے سکے گی۔ اس لئے اسے ان تجاویز کو لازمی طور پر نظرانداز کردینا پڑے گا۔ اسی لئے یہ قومی حکومت اپنی صورت شکل اور طریق و اطوار میں جتنی بھی زیادہ مکمل اور مضبوط ہوگی۔ اتنا ہی زیادہ اس کے مخالف اسے پسند کریں گے اس صورت میں اس کے شہری ہی اس کے بہترین محافظ ثابت ہوں گے۔ اور ان زندہ مردوں اور عورتوں کی جیتی جاگتی قلعہ بندی سے بڑھ کر جن کی حب الوطنی اور قوم پرستی سے پر مجنونانہ سرگرمیوں میں ہی ان کی تمام طاقت اور قوت پوشیدہ ہوگی اور کوئی کسی دوسری قوم کے ہتھیار یا قلعے اس کی حفاظت ہرگز نہ کرسکیں گی۔

اس سلسلے میں تیسری تبدیلی جس کی کہ میں سفارش کرتا ہوں وہ سائنٹفک تعلیم سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ قومی حکومت سائنس کو اپنی قومی عزت وعظمت کی روز افزوں ترقی کا ایک زبردست ذریعہ خیال کرے گی۔ اس لئے صرف "تاریخ عالم" ہی نہیں بلکہ "موجودہ تہذیب کی تاریخ" کی تعلیم بھی ہمیں اسی نقطہ خیال سے دینی پڑے گی۔ ہماری نظروں میں ایک موجد صرف اس لئے ہی بڑا اور قابل عزت نہیں ہوگا کہ وہ ایک موجد ہے۔ بلکہ اس کی مقدس ذات پر ہمیں اس وجہ سے اور بھی زیادہ ناز و فخر ہوگا کہ وہ ہمارا ہم وطن اور ہم قوم ہے۔ اس لئے ہم تاریخ جرمنی میں سے بزرگ ترین عظیم الشان شخصیتوں کو تلاش کرکے انہیں اپنے نوجوانوں کے سامنے قومی مہا پرشوں کی حیثیت سے پیش کریں گے۔ اور انہیں ان کی عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا سکھلائیں گے۔ اور اس طرح ان کے دلوں میں قوم پرستی و حب الوطنی کے پاک جذبات سے اتنا لبریز کردیں گے کہ وہ ناقابل تسخیر ہوجائیں۔

محض کسی خاص جماعت و فرقہ کا خیال رکھتے ہوئے قوم پرستی جیسی کوئی چیز کسی صورت میں بھی پیدا نہیں ہوسکتی۔ ایک شخص صرف اس حالت میں اپنی قومیت پر فخر کرسکتا ہے۔ جب کہ اسے کوئی ایسی جماعت نظر ہی نہ آتی ہو۔ جس پر کہ اسے کس طرح شرمندگی کا احساس پیدا ہوسکے۔ کیونکہ ایک ایسی قوم جس میں سے نصف افراد مصیبت ' طرح طرح تفکرات اور عیوب کا شکار ہوں۔ کب کسی شخص کے لئے باعث فخر ہوسکتی ہے؟

www.freepdfpost.blogspot.com

حقیقتاً" جب کوئی قوم اپنے جسم و روح وغیرہ کے ہر حصہ و ہر پہلو میں خوب مضبوط و مستحکم ہو تب ہی اسے دیکھ کر ہمارے دل خوشی و مسرت سے ناچتا ہوا اس کی ہستی پر اپنا ناز و فخر کا بجا طور پر اظہار کرسکتا ہے۔ ورنہ اس کے حال زار پر افسوس ہی کرنا پڑے گا۔

اس میں شک نہیں کہ دنیا میں بڑی بڑی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں اب سوال صرف یہ ہے کہ ان انقلابات عظیم کا نتیجہ آریہ نسل کی قوموں کے لئے اچھا ہوگا یا یہودیوں کو ہ کے لئے مالا مال کردے گا۔ اس لئے ایک قومی حکومت کا یہ بھی فرض ہوگا کہ وہ اپنی نسل کو محفوظ رکھتے ہوئے۔ اپنے نوجوانوں کو مناسب تعلیم دے کر اسے ہر پہلو سے اس قابل بناتی جائے کہ وہ اس کرۂ زمین کی مختلف قوموں کے ہر بڑے سے بڑے اور اہم سے اہم فیصلے کی مناسب طور پر تکمیل کرسکیں۔ اور اس بارے میں جو بھی قوم میدان عمل میں سب سے پہلے اپنی قابلیت کا اظہار کرے گی فتح کا سہرا بھی اسی کے سر پر بندھے گا۔ اس لئے جس طرح کہ عام تعلیم فوجی ملازمت کے لئے قابلیت کا ایک مناسب معیار سمجھی جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح فوجی ملازمت بھی نسلی نقطہ خیال سے تعلیم کی تکمیل کا واحد معیار تصویر کی جاتی ہے۔

اگرچہ قومی حکومت میں جسمانی نشوونما اور دلی و دماغی قابلیت کو بہت اہمیت حاصل ہوگی۔ مگر پھر بھی ان میں سے بہترین و قابل ترین اشخاص کا انتخاب نہایت ہی ضروری ہے لیکن آج اس طرف کچھ بھی توجہ نہیں دی جاتی۔ اور عموماً" بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے موزوں خیال کیا جاتا ہے۔ جو اعلیٰ طبقے کے خوشحال والدین کی اولاد ہوں اور جنہوں نے فارغ البالی سے پرورش پائی ہو۔ حقیقی لیاقت و قابلیت کو اس کے مقابلے میں بالکل ہی ادنیٰ درجہ دیا جاتا ہے حالانکہ ان کا اندازہ بالکل نسبتی طور پر کیا جانا چاہئے۔ مثلاً" ایک معمولی کسان لڑکا ایک عالی خاندان کے صاحب زادے کی نسبت بہت زیادہ لائق و قابل ثابت ہوسکتا ہے اگر موخر الذکر کو برخوردار اپنی تمام وراثتی و پیدائشی سہولتوں کے باوجود بھی عام تعلیم میں کسی معمولی شہری بچے سے بہتر ثابت نہ ہوسکتا ہو کیونکہ محض گھوٹا بازی سے جو علم حاصل ہوتا ہے۔ وہ کبھی کسی میں طاقت ایجاد پیدا نہیں کرسکتا اس کا تعلق تو اندرونی ذہانت و قابلیت سے ہوتا ہے۔ مگر آج جرمنی میں اس کی کچھ بھی قدر و قیمت نہیں۔ اس لئے اس پہلو میں بھی سخت احتیاط اور جدوجہد سے کام لینا ہوگا۔ اور اس کی نہایت زبردست ضرورت ثابت کرنی پڑے گی۔

www.freepdfpost.blogspot.com

قومی حکومت کے لئے ایک اور بھی اہم تعلیمی کام ہے۔ وہ یہ کہ مختلف ملکی و قومی سوالات کے متعلق فیصلے کا کام عوام کی موجودہ پارٹیوں کے رسوخ اور سرگرمیوں تک محدود نہ رہے۔ بلکہ ملک کے تمام باشندوں میں سے بہترین اور سب سے زیادہ سمجھدار صاحب لوگوں کو اس طرف کشش کرنے میں پوری پوری کامیابی حاصل کی جائے۔ ہر ایک حکومت کا یہی فرض ہے جسے پورا کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس کا یہی فرض نہیں کہ وہ ہر معمولی سمجھ بوجھ والے بچے کو قومی سکولوں میں متذکرہ بالا خاص قسم کی تعلیم دے بلکہ اس کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ ان کے سامنے اپنی اس تعلیم سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے مواقع بھی کافی تعداد میں پیش کرے۔ اور اسے اپنا یہ ایک ضروری فرض خیال کرنا چاہئے کہ ہر جماعت و طبقہ کے بچوں کو ان کی دماغی قابلیت کے مطابق اور کسی تمیز و تخصیص کے بغیر اعلیٰ سرکاری تعلیم گاہوں میں تعلیم پانے کے پورے پورے موقع دیئے جائیں۔ اور ہر طرح ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی کہ جرمنی میں دماغی کام کاج کرنے والا طبقہ دیگر عوام سے اتنا الگ ہوگیا ہے کہ بظاہر ان دونوں میں کوئی بھی یگانگت و اتحاد کا راستہ نظر نہیں آتا۔ اس لئے وہ طبقہ عوام کے جذبات و تخیلات کو بھی پوری طرح نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے ہمارے موجودہ مدبر جتنے بھی زیادہ صاحب دماغ ہیں۔ اتنے ہی وہ کوئی عملی کام کرنے میں زیادہ کمزور ثابت ہوتے ہیں لہٰذا جنگ کے متعلق ہماری تیاریوں اور اعلیٰ درجے سائنٹیفک اسلحہ جات کی بہم رسانی میں کمی کی یہ وجہ نہیں تھی۔ کہ جو دماغ ہماری قوم پر حکومت کر رہے تھے۔ وہ کم تعلیم یافتہ تھے بلکہ اس کا حقیقی باعث یہ تھا کہ وہ اتنے زیادہ پڑھ لکھ گئے تھے کہ وہ عملی کام کرنے کے لئے کافی ہمت اور سرگرمی کا اظہار نہیں کرسکتے تھے۔ اور یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمیں اپنی قومی زندگی کے لئے ایک ایسے شخص کی ماتحتی میں جنگ کرنا پڑا۔ جو کہ ایک کمزور دل فلاسفر تھا اگر بیتھ مین ہال وگ (BETH MANN HOLLWIG) کی بجائے کوئی اور مضبوط دل گردے والا انسان ہمارا رہنما ہوتا تو پرائیویٹ (PRIVATE) گرینے ڈیر کی بہادرانہ اور جانبازانہ قربانی ہرگز اس طرح اکارت نہ جاتی ماسوائے اس کے جن لوگوں میں سے ہمارے فوجی افسر منتخب کئے جاتے تھے۔ ان کی جھوٹی شیخی اور فوں فاں نے ہی ان بدمعاشوں کے لئے جنہوں نے ماہ نومبر میں انقلاب کی آگ بھڑکائی تھی۔ بہترین معاون پیدا کردیئے انہوں نے ہی نہایت شرمناک طریقے پر قومی بہتری و بہبودی کے اس کام کا گلا گھونٹ دیا۔ جو کہ ان کے سپرد کردیا گیا تھا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

اور ایسے حالات پیدا کردیئے جن سے ہمارے دشمنوں کی فتح یقینی ہوگئی۔

اس پہلو میں رومن کیتھولک چرچ نے ایک ایسی نظیر قائم کی ہے۔ جس سے ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ اس کے پادریوں کو تجرد (برہمچریہ) کی زندگی جو بسر کرنی پڑتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان پادریوں کی کوئی اولاد نہ ہونے کے باعث اس کے آئندہ پرچارک عوام میں سے بھرتی کئے جاتے ہیں۔ اور یہی اس فرقہ کی زبردست کامیابی کا بنیادی باعث ہے۔ جس سے کہ اکثر اصحاب ناواقف ہیں۔ اس لئے ایک قومی حکومت کا ضروری فرض ہوگا کہ دماغی کام کرنے والے طبقے میں نچلے طبقے سے بھی ہمیشہ نئے سے نئے آدمی داخل ہوتے رہیں اور وہ اس پہلو میں جو انتخاب کرے وہ نہایت دانش مندانہ ہو تاکہ تمام قوم کی انسانی آبادی میں سے بہترین دل و دماغ سرکاری ملازمت میں حصہ لے سکیں اور محض سفارشی ٹٹوؤں کی وراثتی اجارہ داری قائم نہ ہوجائے۔ مگر ہماری موجودہ حالت میں ایسا ہونا ناممکن سے بھی بڑھ کر نظر آتا ہے۔

دنیا میں ہر کام کی قدر و قیمت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک مادی اور دوسری روحانی یعنی اصلی اور آورش سے تعلق رکھنے والی مالی قیمت کا اندازہ اس کام کی حقیقی اہمیت اور ضرورت سے لگایا جاتا ہے۔ اور روحانی قیمت کا اس کے تاثرات سے یعنی آورش کے طور پر تو تمام انسان یکساں ہیں۔ لیکن جب ہر شخص اپنے اپنے حلقہ کار میں اپنے اپنے کام کو حتی الوسع بہترین طریقہ پر سرانجام دینے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔ اسی وقت ان میں مساوات پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے ہر انسان کی قدر و قیمت کا انحصار اس لگن اور سرگرمی پر ہے۔ جس سے کہ وہ اس فرض کو پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے۔ جو کہ اس کے سپرد کیا گیا ہے کیونکہ کوشش اور محنت ہی انسانی زندگی کا مقصد نہیں بلکہ یہ تو اس مقصد کو حاصل کرنے کے ذریعے ہیں۔ اس لئے اپنے آپ کو بہ حیثیت ایک انسان کے زیادہ شریف بناتے رہنے کی کوشش میں ہمیں مصروف رہنا چاہئے۔ لیکن یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جبکہ اس تہذیب میں جس کے ساتھ کہ ہمارا تعلق ہے اس کی پوری پوری گنجائش ہو اور یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ بنیادی طور پر تہذیب میں یہ گنجائش پیدا کرتی رہے۔

لیکن آج کل جس طریقہ پر کام ہو رہا ہے اس کا نتیجہ تباہی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ عوام کو عام رائے دہی کا حق دیا جارہا ہے مساوی حقوق کی باتیں بنائی جا رہی ہیں لیکن اس کے لئے کوئی معقول وجہ پیش نہیں کی جاتی۔ اس کی نظروں میں مالی معاوضہ ہی ایک

www.freepdfpost.blogspot.com

انسان کی اصلی قیمت کے اظہار کا واحد ذریعہ ہے۔ اور اس طرح وہ شریفانہ ترین مساوات کی جو کہ ممکن ہوسکتی ہے بنیادوں کو ہی کھوکھلا کرتے جاتے ہیں۔ کیونکہ مساوات کی بنیاد کسی انسان کی قابلیت پر نہ کبھی قائم ہوئی ہے اور نہ ہوسکتی ہے۔ اس کا حاصل ہونا صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ ہر شخص اپنے خاص فرائض منصبی کو پوری تن دہی اور دیانت داری سے سرانجام دینے لگے اسی اور صرف اسی وقت قدرت کے ان موقعوں کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے جن میں ایک شخص کی قدر و قیمت کا اندازہ لگتا ہے اور ہر شخص اپنی وقعت خود پیدا کرتا ہے۔

یہ ہوسکتا ہے کہ آج کل کے زمانے میں سونا ہی زندگی کی ایک نہایت زبردست طاقت بن گیا ہو۔ لیکن وہ دن بھی آنے والا ہے۔ جبکہ انسانوں کو اس سے بھی زیادہ زبردست اور بلند پایہ دیوتاؤں کی سامنے اپنا سر عقیدت کے ساتھ جھکانا پڑے گا۔ آج کل جو کچھ بھی موجود ہے۔ اس میں سے اکثریت کا ہستی کا انحصار دولت اور جائداد کی خواہش پر ہے لیکن اس میں وہ اقلیت بھی ضرور شامل ہے۔ جس کی عدم موجودگی انسانیت کو اتنا ہی مفلس اور کمزور بنا دے گی۔ اس لئے ہماری تحریک کا ایک کام یہ بھی ہے کہ عوام کے دلوں میں اس زمانہ کی آمد آمد کا یقین پیدا کیا جائے۔ جبکہ ہر شخص کو اس کی زندگی کی تمام ضروریات حاصل ہوں گی۔ لیکن ساتھ ہی اس کے اس اصول کو بھی قائم رکھا جائے کہ انسان صرف مادی خوشیوں اور مسرتوں کے لئے ہی زندہ نہیں رہتا۔ اور اس کا اظہار مختلف انسانوں کی کمائیوں کی دانش مندانہ درجہ بندی سے ہی ممکن ہوگا۔ جس کی بدولت ہر ایک ایماندار کارکن کو یہ یقین ہوسکے گا کہ کسی دن وہ بھی بہ حیثیت ایک انسان اور ایک شہری کے اپنی زندگی باعزت طور پر اور امن و امان سے بسر کرنے کے قابل ہوجائے گا۔

یہ کہنا کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ یہ متذکرہ بالا آدرش محض خیالی و قیاسی ہے جو عملی طور پر کبھی پورا نہیں ہوسکتا۔ ہم بھی اتنے بیوقوف نہیں جو یہ سمجھ بیٹھے ہوں کہ ایک کامل طور پر بے عیب زمانہ کبھی پوری پوری کامیابی کے ساتھ رونما ہوسکتا ہے۔

لیکن اس سے ہماری یہ ذمہ داری کسی طرح بھی ٹل نہیں سکتی کہ اپنے اعلیٰ آدرش کو حاصل کرنے کے لئے ہم اپنی موجودہ کمزوریوں کو دور کرنے کی جدوجہد میں شب و روز مصروف رہیں۔ اور کبھی ہمت نہ ہاریں۔ اس لئے ہر شخص کو اپنے اس آخری مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پوری پوری کوشش کرتے رہنا چاہئے اور ناکامیابیوں سے گھبرا کر ہرگز

www.freepdfpost.blogspot.com

اپنے مقصد سے منہ نہیں موڑ لینا چاہئے۔ نہ کسی شخص کو کسی پہلو سے ایک اعلیٰ آدرش کی طاقت کو کم خیال کرنے کی غلطی کا مرتکب ہونا چاہئے۔ ورنہ اس کے لئے دنیا میں ترقی اور بہبودی کی کوئی امید باقی نہ رہ جائے گی اور مایوسی ہمیشہ کے لئے اسے آدبائے گی۔

www.freepdfpost.blogspot.com

شہری اور رعایا

آج جس سنستھا کو غلطی سے حکومت یا ریاست (STATE) کا نام دیا جاتا ہے۔ وہ صرف دو طرح کے آدمیوں کو جانتی ہے۔ ایک "شہری یا دیسی" اور دوسرے "پردیسی" شہری یا دیسی وہ لوگ ہیں جو اپنی پیدائش یا وطنیت کے لحاظ سے اس ملک کی شہریت کے حقوق سے بہرہ اندوز ہیں اور پردیسی وہ لوگ ہیں جنہیں کسی دیس میں دوسری حکومت کے ماتحت وہی حقوق حاصل ہیں۔ آج کل یہ حقوق سب سے پہلے تو اس طرح حاصل ہوسکتے ہیں۔ کہ کوئی بچہ اس حکومت یا ریاست کی حدود میں پیدا ہوجائے۔ پھر اس کی نسل یا قومیت کا کوئی بھی سوال نہ اٹھے گا۔ اس طرح ایک حبشی کا بچہ بھی جو کبھی جرمنی کے کسی علاقہ محروسہ میں رہ چکا ہو۔ اور آج کل جرمنی میں اپنی بود و باش رکھتا ہو۔ خود بخود جرمن حکومت کا ایک شہری بن جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ شہریت کا حق حاصل کرنے کا طریق عمل اس سے کچھ بھی مختلف نہیں۔ جو مثلاً" موٹر بازوں کی ایک کلب کا ممبر بننے میں اختیار کیا جاتا ہے۔

میں جانتا ہوں کہ ناظرین کے لئے یہ ایک ناپسندیدہ سی بات ہوگی لیکن خود سوچئے تو سہی کہ کیا اس سے بڑھ کر بیہودہ اور بے سمجھی کی بات کیا کوئی اور بھی ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ ہمارا موجودہ قانون شہریت ہے لیکن کم از کم ایک ریاست ایسی ہے جس میں اس پہلو میں کچھ بہتر انتظام کئے جانے کی نہایت ہی کمزور سی کوشش شروع ہوگئی ہے۔ اس سے میرا مطلب ہماری موجودہ "جرمن جمہوریت" سے ہرگز نہیں جو اپنے آپ کو ایک "نمونے کی حکومت" ظاہر کرتی کبھی نہیں تھکتی بلکہ امریکہ کی "ریاست ہائے متحدہ" سے ہے۔ جہاں کہ وہ بہرحال اس بارے میں کسی قدر معمولی سمجھ بوجھ سے کام لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یعنی اب وہ کسی ایسے عنصر کو ملک میں داخل ہونے سے روک دیتے ہیں۔ جو صحت و تندرستی کے نقطہ خیال سے پسندیدہ نہ سمجھا جاتا ہو۔ اور چند خاص نسل کے لوگوں کو

www.freepdfpost.blogspot.com

وطنیت کے حقوق دینے سے صاف انکار کردیتے ہیں۔ غرضیکہ اس طرح انہوں نے اس پہلو میں ایک نہایت ہی ہلکی سی ابتداء کردی ہے۔ جو کسی قومی ریاست یا حکومت کے تخیل سے کسی طرح بھی غیر متشابہ نہیں ہوسکتی۔

کیونکہ ہر قومی ریاست کواپنے باشندوں کو تین حصوں میں تقسیم کرنا چاہئے ریاستی شہری' ریاستی رعیت اور پردیسی۔ اصولی طور پر پیدائش کسی بچے کو صرف "ریاستی رعیت" ہونے کا حق عطا کرسکتی ہے نہ کہ یہ حق بھی کہ وہ ایک سرکاری افسر کے طور پر حکومت میں حصہ لے سکے۔ یا انتخابات میں اپنی رائے کا اظہار کرکے سرگرم سیاسیات میں بھی شریک ہوسکے۔ ہر ایک ریاستی رعیت کے لئے "شہری بننے" سے پہلے اپنی نسل و قوم کا بھی ثبوت پیش کرنا ضروری ہے ہر ایک رعیت اس بارے میں آزاد ہے کہ جب وہ چاہے رعیت نہ رہے اور جس ملک کی قومیت کے ساتھ اس کا تعلق ہے وہاں جاکر وہاں کا شہری بن جائے۔ اس طرح ایک "پردیسی" اور "رعیت" میں صرف یہ فرق ہے کہ "پردیسی" کسی غیر ملک یا ریاست کی "رعیت" ہوتا ہے۔ اور اس ملک میں اس کا قیام محض عارضی سمجھا جاتا ہے۔

جرمن قوم کی ایک نوجوان "رعیت" کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ سکول میں وہی تعلیم حاصل کرے جو ایک جرمن نوجوان کے لئے مخصوص کی گئی ہے۔ بعد ازاں اسے وہی جسمانی تربیت بھی حاصل کرنے پڑے گی۔ اور بالاخر فوج میں بھی داخل ہوگا۔ کیونکہ فوجی تعلیم ضروری ہے۔ فوجی تعلیم ختم ہونے کے بعد وہ تندرست نوجوان اگر اس کا اعمالنامہ (ریکارڈ) بالکل صاف ہو۔ تو باضابطہ طور پر شہریت کے حقوق حاصل کرسکتا ہے۔ اور اس صفحہ زمین پر اس کی زندگی کے لئے یہ ایک سب سے زیادہ ضروری اور بیش قیمت سند ہوگی۔ چنانچہ اگر کوئی سڑک صاف کرنے والا معمولی مہتر بھی ہماری "ریش" کی شہریت کا حق حاصل کرچکا ہے۔ تو اس کی عزت ہماری نظروں میں ایک "پردیسی" بادشاہ سے بھی زیادہ ہونی چاہئے اسی طرح ایک کنواری جرمن لڑکی کو بھی "ریاسی رعیت" ہے۔ مگر شادی ہوتے ہی وہ "شہری" ہوجائے گی۔ لیکن اگر ایک جرمن عورت کوئی کاروبار کرنے لگے تو اسے کنواری رہتے ہوئے بھی شہریت کے حقوق مل سکیں گے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

ایک قومی ریاست کا تخیل اور شخصیت

یہ ایک سخت حماقت ہوگی اگر ہم یہ امید رکھیں کہ ایک شخص کی قابلیت کا اندازہ ہی اس کی نسل کی بناء پر لگا کر ساتھ ہی اس کے "مارکس ازم" کے اس اصول کے ساتھ جنگ کا اعلان بھی کردیا جائے کہ "ایک انسان ویسا ہی اچھا ہے جیسا کوئی دوسرا۔ تاوقتیکہ ہم اس جنگ کے آخری نتائج بھی برداشت کرنے کے لئے پوری طرح تیار نہ ہوجائیں۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ قوم پرست سوشلسٹ حکومت اپنی اقتصادی زندگی کی بہتر تعمیر اور خالص مشینی ذرائع سے دوسری حکومتوں کی نسبت کچھ بہتر ثابت ہوسکتی ہے۔ یعنی امیروں اور غریبوں کے درمیان کسی قدر بہتر سمجھوتہ کراسکتی ہے۔ یا ملک کے اقتصادی ذرائع وسیع قومی نگرانی قائم کرکے مزدوروں کو ان کی خدمت کا زیادہ مناسب و منصفانہ معاوضہ دلا سکتی ہے یعنی مزدوروں تنظیموں اور مالکوں کے حق الخدمت کی شرح میں اسی وقت جو زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ اسے بہت کچھ کم کرسکتی ہے اسے دنیا کے موجودہ نقطہ خال کا کچھ بھی علم یا اندازہ نہیں وہ جلد ہی اپنے آپ کو ایک عجیب پریشان کن اور گومگو کی سی حالت میں پائے گا کیونکہ متذکرہ بالا طریق ہائے کار کے متعلق یہ امید کبھی نہیں کی جاسکتی کہ وہ مستقل ثابت ہوں گے۔ یا آئندہ کے لئے کچھ زیادہ امید افزا رہ سکیں گے۔ جو قوم ایسی سطحی اصلاحات پر بھروسہ رکھتی ہے وہ مختلف اقوام کی کسی "عام کشاکشی" میں کبھی کوئی شاندار فتح حاصل کرنے کا دعویٰ نہیں کرسکتی جس تحریک کی بنیاد ہی سمجھوتوں پر ہو وہ کب کوئی ایسی عظیم الشان اصلاح کرنے میں کامیاب ہوسکتی ہے۔ جس کے نتائج دور رس اور انقلاب انگیز ہوں کیونکہ اس کی کوئی بھی کوشش بالائی سطح سے نیچے بہت گہرے حصوں کو متاثر نہیں کرسکتی۔

پہلا قدم جو انسانوں کو حیوانات کی دنیا سے نمایاں طور پر الگ کرتا ہے۔ وہی ہے جو

www.freepdfpost.blogspot.com

انسانوں کو ایجادات کی طرف لے جاتا ہے۔ کیونکہ اس تمام جدوجہد میں اس عام عقل و فہم کا پہلا اظہار بلاشک و شبہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ وہ ان مخلوقات کی خدمات سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا ماسب انتظام کرسکے۔ جن میں اس کے لئے کام کرنے کی کوئی خاص قابلیت موجود ہو۔ اس حالت میں صرف وہی شخصیت کچھ نمایاں عظمت و اہمیت حاصل کرسکے گی۔ جس کی کامیابیاں اور فیصلے کسی پہلو میں دوسرے لوگوں کے لئے قابل تسلیم ثابت ہوسکیں گے۔ اپنی طاقت و قوت کے متعلق ایک آدمی کا اپنا اندازہ درحقیقت اس کی دماغی استقلال پر منحصر ہوتا ہے پھر ہزار سال کے بعد عام دنیا اسے محض ایک قدرتی فعل یا عمل سمجھنے لگتی ہے اور میں اسے ہی تمام جنگی مصلحتوں اور فوجی چالوں کی بنیاد خیال کرتا ہوں۔

اس پہلی تحقیقات کے بعد دوسری اہم تحقیقات انسان نے یہ کی ہے کہ اور بہت سی باتوں کے ساتھ ساتھ ان نے یہ بھی جان لیا کہ زندگی کی اس جدوجہد میں مصروف رہتے ہوئے بھی خوشی اور اطمینان سے زندگی کیسے بسر کی جانی چاہئے۔ اس طرح اس نے اپنی طاقت ایجاد اور ان مختلف سرگرمیوں کا اظہار کیا ہے۔ جو آج دنیا میں چاروں طرف پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں اور صرف "انسانی عقل و دماغ" کا کرشمہ ہی کہلاسکتی ہیں ان کی بدولت ہی اس انسان میں جس نے اپنی ان طاقتوں کی نشوونما دیگر ان کا مناسب طور پر اظہار کیا ہے۔ اپنے دوسرے ساتھیوں سے اوپر ہی اوپر اٹھنے کی طاقت پیدا ہوتی چلی گئی ہے۔

اسی طرح صرف اصول (تھیوری) قائم کرکے اسے اتنی نشوونما دینا بھی انسانی شخصیت کا ہی کام ہے۔ جس کا صحیح صحیح اندازہ لگانا طاقت و تخیل کی دسترس سے بھی باہر ہے۔ کیونکہ بعد میں ان اصولوں کی مدد سے انسان کی تعمیری طاقتیں مضبوط ہوکر مختلف ایجادات کرسکنے کی قابل ہوجاتی ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عوام میں سے ایک تعداد کثیر نہ تو ایجادات ہی کرسکتی ہے اور نہ یہی سوچ سکتی ہے کہ اکثریت کس طرح تنظیم دے کر ان سے کام لیا جائے؟ یہ سب کام خاص خاص انسانوں کو ہی کرنا پڑتا ہے اور پھر ان میں بھی ہمیشہ ایک خاص شخصیت ہی سب سے افضل و برتر ثابت ہوکر سب کی رہنمائی کا بار اپنے سر پر لے لیتی ہے۔

اس طرح ایک انسانی جماعت صرف اسی حالت میں "اچھی تنظیم یافتہ" کہلا سکتی ہے جبکہ وہ ان تعمیری طاقتوں کے کام کو ہر پہلو سے سوسائٹی کے لئے مفید و منفعت بخش بنا

www.freepdfpost.blogspot.com

سکے۔ اور انہیں فضول ہی ضائع نہ ہوتے رہنے دے۔ غرضیکہ ہر ایک تنظیم ان کوشش کا مجسمہ و مظہر ہونی چاہئے۔ جن سے قوم کے دماغوں کو عوام کا رہنما اور رہبر بنایا جا رہا ہے۔ اور اکثریت کو ان دانش مند دماغوں کی پیروی و فرمانبرداری سکھلائی جارہی ہے یہ تنظیم عوام میں سے عالی دماغ اشخاص کے نمایاں ظہور میں نہ صرف کوئی رکاوٹ ہی نہیں ڈالتی۔ بلکہ اس کی ہر طرح حوصلہ افزائی کرکے انہیں ہر ایک سہولت بہم پہنچاتی ہے جس سے قوم کی طاقت روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور پھر زندگی کی روز افزوں جدوجہد خود بخود ہی ان کے دماغوں کو آئے دن اپنی اپنی طاقت و خصوصیت کے نمایاں اظہار کا موقع بھی دیتی ہے۔

اس طرح حکومت کی انتظامیہ طاقت اور قوموں کی قوت مقابلہ و تحفظ میں شخصیتوں کا خیال ہی حاوی رہ کر ہمیشہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ انہیں کیا اختیارات حاصل ہیں اور وہ ذمہ داریاں ہیں۔ جو کسی اعلیٰ ہستی کی طرف سے ان پر عائد ہوتی ہیں؟ اپنے ان اختیارات کی مدد سے وہ اپنی ان ذمہ داریوں کو کس طرح بہترین طور پر نبھا سکتی ہے۔ ؟

لیکن آج کل کی سیاسی زندگی نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اس قدرتی اصول کی خلاف ورزی کرنے پر منحصر ہے۔ اگرچہ تمام انسانی تہذیب سماج میں عموماً" اور اس کے لیڈروں میں خصوصاً" شخصیت کی اس تخلیقی طاقت کا جو آج کل ایک فیصلہ کن عنصر مانا جاتا ہے صرف ایک نمائشی بہانے کے سوا اور کچھ بھی نہیں لیکن پھر بھی یہ نمائشی اصول ایک ایسا زہر ہے۔ جو آہستہ آہستہ قومی جسم کے تمام نچلے حصے میں پھیلنا شروع ہوگیا ہے۔ اور جس کا انجام زوال و انتشار ہوسکتا ہے۔ اسی لئے یہودیت بھی قوم کے ادنیٰ اور نچلے طبقات کے مختلف حصوں میں وہ تباہ کن کام سرانجام دے رہی ہے جو عوام میں شخصیت کی (جو کہ اس کی روح رواں ہے) اہمیت و عظمت کو مٹا کر اس کی بجائے اکثریت کی منشاء و مرضی کو قائم کرنے کے لئے ہر طرح کوشاں ہیں۔

اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ انسانی زندگی کے ہر پہلو میں شخصیت کی اہمیت کو ملیامیٹ کرکے یہودی لوگ اس کی بجائے مارکس ازم کی آڑ میں عوام کی اکثریت کو ہی کھڑا کر رہے ہیں اور سیاسیات میں پارلیمنٹری کونسل سے لے کر "ریش" تک میں جو ان کے تمام اختیارات کی نگراں ہے یہ تمام شرارت پیدا کررہی ہے۔ ورنہ مارکس ازم تو اب تک کہیں بھی کسی نئی تہذیب کی بنیاد ڈالنے یا کسی نئے اقتصادی اصول کو جاری کرنے میں کامیاب ثابت نہیں ہوسکا۔ بلکہ وہ اپنے اصولوں کی پوری پوری مطابقت میں کہیں موجودہ

www.freepdfpost.blogspot.com

حکومت کو بھی نہیں چلا سکا۔ اور جہاں کہیں اس نے اس کی کوشش بھی کی ہے۔ وہیں کچھ مدت کے بعد اسے پسپا ہوکر آخر شخصیت کی عظمت کے اصول کے سامنے ہی سر تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ حتیٰ کہ اپنی اس تنظیم میں .بھیوہ اس اصول کی پیروی کرنے سے انکار نہیں کرسکتا۔

اس لئے دنیا بھر میں قوم پرستی کے اصول پر مارکس ازم کے اصولوں سے بالکل ہی جداگانہ طور پر غور و خوض کیا جانا چاہئے۔ اور قوم پرستی کو اپنا عقیدہ نسلی اور شخصیت کی اہمیت و عظمت پر قائم کرنا چاہیئے۔ اور انہیں ہی اپنی عمارت کے بنیادی ستون قرار دینا چاہئے۔ کیونکہ یہی بنیادی اصول ہیں۔ جن کو پیش نظر رکھ کر وہ تمام دنیاوی معاملات پر نگاہ دوڑاتی ہے۔ اس لئے قومی حکومت کو اس امر کے لئے ان تھک کوشش کرنی چاہئے کہ وہ تمام حکومت اور بالخصوص اعلیٰ اختیارات حکومت یعنی سیاسی لیڈر شپ کواکثریت کی ماتحتی و نگرانی کے اصول سے ہر طرح آزاد رکھے تاکہ اکثریت کی بجائے ایک خاص اور قابل ترین ہستی کو قوم و ملک میں تمام غیر متنازعہ اختیارات حاصل رہیں۔

اس نقطہ خیال سے بہترین حکومت یا آئین وہ ہوگا جو ایک قدرتی اعتماد و اعتقاد کے ساتھ ملک کی اعلیٰ ترین صاحب دماغ ہستی کو ملک کی رہنمائی اور وسیع تر رسوخ کی پوزیشن پر پہنچائے گا۔ اس لئے اکثریت کو فیصلہ کرنے کاکوئی اختیار حاصل نہیں ہونا چاہئے بلکہ صرف ذمہ دار اصحاب کی ایک جماعت ہی اس امر کی مجاز ہو۔ اور اس طرح لفظ "کونسل" ایک مرتبہ پھروہی معنی حاصل ہوجائیں جو کسی قدیم زمانے میں تھے۔ ایک قومی حکومت کو ہرگز بھی یہ برداشت نہ کرنا چاہئے۔ کہ جن لوگوں نے نہ تو کوئی خاص تعلیم ہی حاصل کی ہے اور نہ جنہیں کوئی پیشہ ورانہ تجربہ ہی حاصل ہے انہیں ایسے امور کا فیصلہ کرنے کے لئے ن بننے کی دعوت دی جائے جن کا تعلق خاص علوم و فنون مثلاً" اقتصادیات وغیرہ سے ہو۔ اس لئے حکومتکو چاہئے کہ وہ اپنی نمائندہ جماعت کو خواہ دو مختلف پیشوں اور تجارتوں کے نمائندوں کی بھی ہو۔ نیز ان دونوں سے مفید مطلب تعاون حاصل کرنے کے لئے ایک مستقل و منتخب سینٹ قائم کیا جائے لیکن اس سینٹ یا چیمبر کو فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہ ہو۔ وہ صرف فیصلہ شدہ تجاویز پر عملدرآمد کرانے کے لئے ہی بنایاجائے نہ کہ کوئی فیصلہ کرنے کے لئے یہ اختیار تو صرف اس زمانے کے صدر حکومت کو ہی حاصل ہو۔ اور اس کے سوا کسی کو نہیں۔

www.freepdfpost.blogspot.com

اس علم کو عملی جامہ پہنانے کے امکان کے متعلق بھی میں قارئین کو صرف یہ یاددلانا چاہتا ہوں۔ کہ پارلیمنٹ طریق کی مطابقت میں بھی اکثریت کے فیصلے نے ہمیشہ بنی نوع انسان کی رہنمائی نہیں کی۔ بلکہ برعکس اس کے کہ انسانی تواریخ کے بہت ہی محدود سے قلیل زبانوں میں یہ اکثریت اور اس کے فیصلے نمودار ہوئے ہیں اور وہ بھی ہمیشہ اس وقت جبکہ قومیں اپنی عظمت اور رفعت کے درجے سے گر کر زوال کو پہنچ گئیں۔

بہرحال کسی شخص کو بھی یہ ہرگز نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ایسے انقلابات صرف ان اصولی مسائل سے ہی پیدا ہوسکتے ہیں۔ جن کا فیصلہ کوئی طاقت بالادست کرے کیونکہ منطقی طور پر یہ اصولی مسائل کسی حکومت کے آئین پر ہی اثر انداز ہوکر ختم نہیں ہوجاتے بلکہ تمام قوانین اور اس سے بھی بڑھ کر شہریوں کی زندگیوں پر بھی اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ کیونکہ ایسے انقلابات صرف ایک تحریک کے ذریعے ہی رونما ہوتے رہے ہیں۔ اور آئندہ بھی صرف اسی طرح ہوسکتے ہیں جس کی بنیاد ایک ایسے زبردست تخیل کی سپرٹ پر ہو۔ جو آئندہ حکومت کا جنم داتا کہلا سکے۔

اس لئے نیشنل سوشلسٹ تحریک کو بھی اپنے آپ کو اس تخیل کا علم بردار ثابت کرنا چاہئے۔ اور اپنی موجودہ تنظیم کی مدد سے اسے دنیا کے سامنے عملی صورت میں پیش کرنا چاہئے۔ تاکہ وہ حکومت کو صرف صحیح راستے پر ہی نہ چلا سکے۔ بلکہ اگر ضرورت ہو تو اس حکومت کی بجائے ایک دوسری بہتر و مکمل حکومت قائم کرنے کے بھی ہر وقت قابل ہوسکے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

عالمگیر اصول اور تنظیم

ایک ایسی قومی حکومت جس کا خاکہ میں نے اوراق گذشتہ میں قارئین کے سامنے پیش کرنے کی کچھ کوشش کی ہے۔ صرف یہ جاننے سے ہی معرض ہستی میں نہ آسکے گی کہ اس کے لئے کیا کیا باتیں اشد ضروری ہیں۔ اور نہ صرف یہ جاننا ہی اس کے لئے کافی ہوگا کہ ایسی قومی حکومت کی شکل و صورت کیسی ہونی چاہئے؟ بلکہ اس کی پیدائش کا سوال ان سب باتوں سے بہت زیادہ ضروری ہے ہم اس کے لئے اس وقت تک انتظار نہیں کرسکتے جب تک کہ وہ تمام موجودہ پارٹیاں جو اس وقت حکومت سے جیسی کہ وہ بری بھلی ہے فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ از خود رضاکارانہ طور پر اپنے طور طریق میں مناسب تبدیلی نہ کرلیں یہ تو صریحاً" و قطعی غیر ممکن ہے کیونکہ ان سب پارٹیوں کے اصلی رہنما تو یہودی ہی یہودی ہیں اور ہر ایک یہودی ان لاکھوں بلکہ کروڑوں جرمن سرمایہ داروں اور عوام کے ساتھ جن کا ان کے ساتھ تعلق ہے۔ اور جو محض اپنی سستی ' حماقت ار بزدلی کے باعث تباہ ہو رہے ہیں۔ اپنے ہر فعل و عمل میں ہمیشہ اپنے ہی مقصد کو اٹل طور پر پیش نظر رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے ہر پہلو سے پورا پورا واقف ہے اس طرح جو پارٹی اس کے زیر اثر ہے اس کے لئے سوائے اس کے سوا کوئی بھی چارہ نہیں رہتا کہ وہ صرف یہودی مفاد کی حفاظت کی غرض سے جنگ کرے۔ اور آرین اقوام کی خصوصیات سے کوئی بھی مشترکہ تعلق نہ رکھے۔

اس لئے اگر قومی حکومت قائم کرنے کے آورش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے در حقیقت کوئی کوشش کرتا ہے ۔ تو ہمیں ان تمام طاقتوں کو بالکل ہی نظر انداز کردینا پڑے گا۔ جو اس وقت پبلک زندگی پر قبضہ کئے ہوئے ہیں اوران کے مقابلے کے لئے ایسی دوسری طاقتوں کو تلاش کرنا ہوگا۔ جو اس آورش کوحاصل کرنے کے لئے مصمم ارادہ کر چکی ہوں اور ہر طرح کی جدوجہد سے اپنے اس ارادے کو پایہ تکمیل تک پہنچاسکیں۔ کیونکہ ہمارے

www.freepdfpost.blogspot.com

سامنے ایک نہایت زبردست کشمکش آنے والی ہے اور درحقیقت ہمارا پہلا کام حکومت و ریاست کے متعلق کسی نئے تخیل کو پیدا کرنا نہیں بلکہ یہ ہے کہ سب سے پہلے پرانے یہودی تخیل کو مٹا کر تخیل کے لئے میدان صاف کیا جائے۔ اور اس نئے تخیل کے پرچار کے لئے جو نہایت زبردست اور مضبوط نئے اصولوں پر قائم ہوا پہلا ہتھیار جو ہمیں استعمال کرنا چاہئے وہ یہ ہے کہ پرانے تخیل پر نہایت سخت و زبردست نکتہ چینیوں کی بوچھاڑ جاری رکھی جائے۔ خواہ لوگ اس بوچھاڑ کو کتنا ہی ناپسند بھی کیوں نہ کریں۔

کیونکہ مارکس ازم کا ایک خاص مقصد ہے۔ اور وہ یہودیوں کی اس تعمیری اور اولوالعزمی سے پوری طرح واقف بھی ہے۔ خواہ ابھی یہ صرف اس خواہش تک ہی کیوں نہ محدود ہو۔ کہ یہودیوں کے عالم گیر سرمایہ کی بنیاد پر ایک مطلق العنان طاقت قائم کی جائے۔ لیکن بایں ہمہ وہ پورے سات سال تک نہایت ہی سخت اور تباہ کن نکتہ چینیوں کا مقابلہ کرتا رہا ہے۔ اور آخر اس نے پہلو بچا کر اپنے نام نہاد "تعمیری کام" کو شروع کردیا ہے۔ اس کی یہ بالکل صحیح اور قدرتی منطق پر مبنی بھی ہے کیونکہ ایک عالمگیر اصول لازمی طور پر غیر متحمل ہوتا ہے اور یہ کبھی گوارہ نہیں کرسکتا کہ اس بھی بہت سی پارٹیوں میں سے ایک پارٹی سمجھ لیا جائے وہ تو ہمیشہ اس امر پر اصرار کرتا ہے کہ باقی سب پارٹیاں اس کی اہمیت اور عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کرکے میدان مقابلہ سے کنارہ کش ہوجائیں اور دنیا اس نئے اصول کے سانچے میں ہی اپنی پبلک زندگی کو ڈھال لے۔ اور اس لئے وہ ہرگز یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ کسی صورت میں بھی کوئی ایسی طاقت قائم رہے جو پرانے خیال کی کسی طرح نمائندگی کرتی ہو۔

مذہب کی دنیا میں بھی بالکل ایسی ہی حالت ہے۔ جیسی کے سیاسیات میں! مثلاً" عیسائیت صرف اپنے ہی منبر تیار کرنے پر مطمئن نہیں رہی۔ بلکہ اس نے اس کے ساتھ ہی ساتھ اپنے تمام پیشرو و کافروں (بے دین) کے منبروں کو بھی تباہ و برباد کر ڈالا۔ اور اس مجنونانہ عدم تحمل کی بدولت ہی اس کی بنیادیں اتنی مضبوط اور عقائد ایسے پختہ ہوگئے اور یہی اس کی ہستی کے لئے ایک لازمی اور نہایت ضروری شرط تھی۔

مختلف سیاسی پارٹیاں تو سمجھوتے کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتی ہیں۔ لیکن عالمگیر اصول اس کے لئے کبھی تیار نہیں ہوتے۔ کیونکہ سیاسی پارٹیاں اپنے مخالفوں کے ساتھ سودے ہی کرسکتی ہیں۔ لیکن عالمگیر اصول ہمیشہ ہی اعلان کرتے ہیں کہ ہم ناقابل تسخیر ہیں اگرچہ

www.freepdfpost.blogspot.com

سیاسی پارٹیاں بھی تقریباً" ہمیشہ ہی یہ امیدیں لے کر میدان عمل میں آتی ہیں کہ ہم ایک نہ ایک دن مطلق العنان اختیارات حاصل کرکے ہی رہیں گی اور ان میں تقریباً" ہر حالت میں عالمگیر اصولوں کی کوئی نہ کوئی رمق موجود ہوتی ہے۔ جو انہیں اس طرح اکساتی اور ابھارتی رہتی ہے۔ لیکن ان کے پروگرام کی کمزوری اور ان کی تمام بہادری اور ہمت و حوصلے کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ حالانکہ اس جرات ' ہمت اور حوصلے کی ہی ایک عالمگیر پروگرام کی تکمیل کے لئے نہایت سخت ضرورت ہوتی ہے۔ مگر سمجھنے کے لئے ہمیشہ تیار رہنے کے باعث کمزور اور بے ہمتی اشخاص ان پارٹیوں کی طرف کھچ کر ان کے ارد گرد جمع ہوتے جاتے ہیں۔ جن کے ہل ہونے پر کبھی کوئی زبردست کام نہیں ہوسکتا۔ اس طرح وہ پارٹیاں ہمیشہ اپنی تاریخ پیدائش سے ہی افسوس ناک کمزوری اور بے کسانہ کسمپرسی کی حالت میں وہاں کی وہاں رہ جاتی ہیں اور کبھی کوئی نمایاں ترقی نہیں کرسکتی۔

مگر ایک عالمگیر تھیوری (THEORY) اپنے تمام زبردست تخیل کے باوجود بھی اس وقت تک فتح مند نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ اپنے پیروں میں زمانہ نیز قوم و ملک کی بہادر ترین اور مضبوط ترین عناطر کو جمع کرکے انہیں ایک زبردست اور ٹھوس جنگ آزما جتھے کے طور پر تنظیم نہ دے سکے۔ لہٰذا اس کے لئے یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ واقعات عالم کی عام تصویر میں سے چند خاص تخیلات کو اخذ کرکے انہیں ایک ایسی پسندیدہ اور عجیب و غریب دلکش صورت میں عوام کے سامنے پیش کیا جائے کہ وہ انسانوں کی اس نئی جماعت کے دل پسند عقائد کے طور پر ہردلعزیزی حاصل کرسکیں۔ لیکن برعکس اس کے ایک ایسی پارٹی کا پروگرام جو کہ محض سیاسی ہے صرف وقتی ہوتا ہے کیونکہ اس کا مقصد آئندہ انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے سے بڑھ کر اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ مگر عالمگیر اصول دنیا بھر کی موجودہ صورت حالات یعنی عوام کے تسلیم کردہ تخیل زندگی کے خلاف ایک ایسا زبردست اعلان جنگ کیا کرتا ہے کہ دنیا اس پر حیران و ششدر رہ جاتی ہے۔

اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر ایک جنگ آزما کو ہی ان تازہ تخیلات کا پورا پورا علم ہو۔ جنہوں نے کہ لیڈروں کے دماغ پر اثر ڈال کر اس تحریک کو جنم دیا ہے۔ کیونکہ جس فوج میں سبھی جرنیل ہوں وہ کبھی کہیں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اس بارے میں بھی ہم رومن کیتھولک چرچ کی تنظیم سے بہت کچھ سبق لے سکتے ہیں۔ اگرچہ اس کے بہت سے اصول اکثر پہلوؤں میں حقیقی سائنس اور عملی معلومات کے خلاف ہیں۔ اور بعض

www.freepdfpost.blogspot.com

صورتوں میں ان سے غیر ضروری طور پر ٹکراتے بھی ہیں۔ لیکن پھر بھی چرچ اس قربانی کے لئے کبھی تیار نہیں کہ ان میں کہیں ذرہ بھر تبدیلی کردی جائے۔ کیونکہ اس نے یہ نہایت صحیح طور پر محسوس کرلیا ہے کہ اس کی طاقت کا مقابلہ انحصار ہر زمانہ کی سائنٹفک معلومات سے جو اکثر تبدیل ہوتی رہتی ہیں مطابقت رکھنے پر نہیں۔ بلکہ اپنے ان اصولوں پر قائم رہنے پر ہے جو اس کے عقائد کی مضبوطی کو ظاہر کرنے والے ہیں اور اس کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ چرچ آج بھی پہلے کی نسبت بدرجہا زیادہ مضبوط بنیادوں پر قائم ہے۔

غرضیکہ اس طرح نیشنل سوشلسٹ جرمن ورکرز پارٹی سے اپنا یہ پچیس دروں والا پروگرام پیش کرکے اپنی تحریک کے لئے ایک ایسی بنیاد قائم کرلی۔ جسے ہمیشہ اٹل اور اچل رکھنا چاہئے۔ اس لئے اب اور آئندہ بھی ہمارے تحریک کے ممبروں کے لئے یہ ایک نہایت ضروری فرض ہوگیا کہ ہم ان بنیادی اصولوں پر کبھی نکتہ چینی نہ کریں۔ اور نہ کبھی ان میں کوئی تبدیلی کرنے کی ہی کوشش کریں بلکہ وہ جیسے بھی ہیں انہیں ویسے ہی قائم رکھنے پر ہمیشہ زور دیں۔ کیونکہ ابتداء میں اس نوجوان تحریک کی ہستی کا دارومدار ہی ان اصولوں پر تھا۔ اور ان ہی کی مطابقت میں پارٹی کے آئندہ کام کا سب پروگرام بنایا گیا تھا۔

نیشنل سوشلسٹ تحریک کا بنیادی تخیل قوم پرستانہ تھا۔ اس لئے تمام نیشنل سوشلسٹوں کے خیالات بھی ویسے ہی قوم پرستی سے پر تھے۔ کیونکہ اگر ہمیں نیشنل سوشلزم کو دنیا میں فتح مند ثابت کرنا ہوتا تو یہ لازمی تھا کہ ہم اپنے اس اور صرف اسی عقیدے پر ہمیشہ نہایت مضبوطی سے قائم رہیں یہ اس تحریک کا صرف فرض ہی نہیں بلکہ اس کا حق بھی تھا کہ وہ اس حقیقت کا کھلے الفاظ میں اعلان کردے کہ نیشنل سوشلسٹ ورکرز پارٹی نے قوم پرستی کے تخیل کے متعلق جو حدود قائم کی ہیں ان سے باہر جاکر اس کے نام پر کسی خیال کے اظہار کا کوئی حق کسی کو کبھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد جو اکثر جماعتیں ' پارٹیاں' انجمنیں وغیرہ پیدا ہوکر اور اپنے نام کے ساتھ "نیشنلسٹ" لفظ لگا کر قوم پرستی کا اظہار کرنے لگیں۔ تو یہ بھی بذات خود ہماری نیشنل سوشلسٹ تحریک کا ہی ایک نمایاں اثر تھا۔ ہمارے عالم ظہور میں آئے بغیر شاید ان جماعتوں کو بھی کبھی کوئی خیال پیدا نہ ہوتا اور شاید اس لفظ کے معنوں کی طرف بھی ان کی کبھی توجہ نہ جاتی اس کے ساتھ کوئی حقیقی تعلق رکھنے کی تو بات ہی جدا ہے۔ اور علاوہ اس کے یہ فخر بھی ہمیں حاصل ہے کہ ہم نے (جرمنی) میں اپنے نام کے ساتھ "نیشنلسٹ" لفظ کو سب

www.freepdfpost.blogspot.com

سے پہلے وابستہ کیا تھا۔ جو کہ اب ہر طرح کے آدمی نہایت کثرت سے استعمال کرنے لگے ہیں اور ہماری تحریک نے اپنے پرچار کے کام سے یہ پوری طرح ثابت کر دکھایا ہے کہ "قوم پرستانہ خیالات" کی طاقت کتنی زبردست ہے؟ اسی لئے تو اب سب اس کو نقل کرتے ہوئے یہ دعویٰ کرنے لگے ہیں کہ "ہمارے دل میں بھی قوم پرستی کے جذبات موجزن ہیں۔"

www.freepdfpost.blogspot.com

ابتدائی جدوجہد

۲۴ فروری ۱۹۲۰ء کی عالی شان جلسے سے فارغ ہوتے ہی ہم اگلے جلسے کی تیاریوں میں لگ گئے۔ اب تک تو ہم نے میونخ جیسے شہر میں پندرہ روزہ تو کیا ماہواری جلسے بھی باقاعدہ کرتے رہنے کی اپنے دل میں کبھی جرات نہ کی تھی۔ مگر اب ہم نے ہر ہفتے ایسے ہی شان دار جلسے کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اور "ہوف براہوس فیئس آل" ہم نیشنل سوشلسٹوں کے لئے ایک مقدس مقام بن گیا۔ ہر ہفتے یہاں خوب حاضری ہونے لگی۔ اور لوگ ہماری تحریک کی طرف زیادہ سے زیادہ متوجہ ہونے لگے تقریباً" ہر جلسے کی کاروائی "جرم جنگ" کے سوال سے ہی شروع ہوتی تھی جس پر کہ اب تک کہ کسی نے توجہ ہی نہیں دی تھی اور اس کا خاتمہ "عہد نامہ امن" پر ہوتا تھا جس کی دھجیاں اڑانے کے لئے تیز سے تیز طریقے تلاش کئے جاتے تھے۔ اور موزوں و ضروری سمجھتے جاتے تھے۔

ان دنوں جب کسی پبلک جلسے میں جو موٹی توند والے سرمایہ پرستوں کا نہیں بلکہ عوام کا ہوتا تھا۔ "عہد نامہ ورسیلز" پر بحث کی جاتی تھی۔ تو اسے ملک کی جمہوری حکومت پر ایک حملہ سمجھا جاتا تھا اور جذبے کو اگر "شاہ پرستانہ" نہیں تو "رجعت پسندانہ" تو ضروری ہی خیال کیا جاتا ہے۔ "ورسیلز" کا ذکر زبان پر آتے ہی ہر تقریر میں باقاعدہ طور پر مداخلت بے جا شروع ہوجاتی تھی۔ "لبریسٹ سٹووسک" کے آوازے بلند ہونے لگتے تھے اور ان کا زور اس وقت تک برابر جاری رہتا تھا جب تک کہ یا تو حاضرین جوش میں بھر کر ہاتھا پائی نہ کرنے لگیں یا مقرر ہی اپنی تقریر کا رخ بدل کر اس کے متعلق لوگوں کو کچھ بتلانے یا اکسانے کی کوشش ترک نہ کردے۔ ایسے لوگوں کو قابو میں لانے کی طرف سے ہم اکثر مایوس ہو جاتے تھے۔ کیونکہ وہ بھلے مانس یہ سمجھنا ہی نہیں چاہتے تھے کہ "ورسیلز" ہمارے لئے کتنا باعث شرم اور موجب توہین ہے۔ اور جو شرائط امن ہم سے اس میں بزرو منظور

www.freepdfpost.blogspot.com

کروائی گئی ہیں ان میں بہ حیثیت ایک قوم کی ہمارے لوٹے کھسوٹے جانے کو کیسے ہر طرح جائز و مناسب قرار دیا گیا ہے۔ مارلسٹوں کی تباہ کن کار گذاریوں اور ہمارے دشمنوں کے زہر آلود پروپیگنڈے نے لوگوں کو ہر معقول سے معقول دلیل و منطق کی طرف سے "اثر پروف" بنا دیا تھا۔ اور کوئی شخص بھی یہ شکایت نہ کرتا تھا کہ فریق مخالفت کا جرم کتنا عظم اور ناقابل اندازہ ہے؟ یا ان سرمایہ داروں نے اس شرمناک تباہی اور لوٹ کھسوٹ کو روکنے یا زیادہ دور اندیشانہ دانش مندانہ طریق پر آزادی عمل کی طاقت حاصل کرنے کے لئے اب تک کیا کاروائی کی ہے۔ ؟

ان حالات میں میں نے یہ صاف طور پر دیکھ لیا کہ جب تک ہماری تحریک اپنی کمزور شیر خواری کی سی حالت میں ہے۔ تب تک ہمیں "جرم جنگ" کے سوال پر تاریخی حقیقتوں کی روشنی میں ہی بحث کرکے اسے صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ (یعنی معاہدہ ورسیلز کا ذکر ہی نہیں کرنا چاہئے) کیونکہ جب کوئی زبردست طاقت لوگوں کو دھوکا دینے میں کامیاب ہوکر ان سے دیوانوں اور بے عقلوں کا سا کوئی فیصلہ کرالیتی ہے تو ہر ایک کمزور تحریک کے پیروؤں کو قدرتاً" یہ رغبت ہوجاتی ہے کہ اپنی حماقتوں کی پردہ پوشی کے لئے وہ بھی عوام کے ساتھ شور و غل مچانے میں شریک ہوجائیں کئی جگہ میں یہ تماشہ دیکھ چکا تھا۔ کہ جب منصوعی طور پر چند کرایہ کے ٹٹوؤں نے مخالفت کی کوئی آواز بلند کی۔ تو پھر اسے دبانا سخت مشکل ہوجاتا تھا اور اس کی آخری مثال اس وقت ہمارے سامنے آئی تھی جبکہ ہمارے ذلیل اخبارات نے جو جرمن زندگی کی ایک لعنت بن گئے تھے۔ جنوبی ٹائیرول کے سوال کو غیر ضروری اہمیت دے کر اسے جرمن قوم کے لئے نہایت خطرناک بنا دیا تھا۔ اور کئی "نام نہاد" قوم پرست لوگ اور جماعتیں بغیر کچھ سوچے سمجھے ہی محض یہودیوں کے بھڑکائے ہوئے پبلک جذبات کے خوف سے اس چیخ و پکار میں شامل ہوگئے تھے۔ اور کمال بے وقوفی سے ایک ایسے طریق کی مخالف تحریک کی حمایت کرنے لگے تھے جس کی طرف ہم جرمنوں کو بالکل بھی توجہ نہ دینی چاہئے تھی۔ خصوصاً" ایسے نازک موقع پر جسے اس بدباطن دنیا میں ہمیں روشن نکتہ سمجھنا چاہئے تھا اور جبکہ یہودیوں کی بین الاقوامی دنیا یقینی طور پر ہماری قوم کا گلا گھونٹنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ افسوس اس وقت ہمارے نام نہاد "محب وطن" اور قوم پرست" بھی اس طریق اور ان آدمیوں کے خلاف لنگوٹے کس کر میدان میں اتر آئے تھے جنہوں نے کم از کم دنیا کے ایک نہایت محدود حصے میں یہودیوں اور یستوں کی

www.freepdfpost.blogspot.com

گرفت سے آزادی حاصل کرنے کی کچھ جرات تو ظاہر کی تھی اور قوم پرستی کی طاقت کا سہارا لے کر بین الاقوامیت کے اس وسیع اور عالم گیر جیلخانے کی دیوار کو کہیں سے توڑ پھوڑ کر باہر نکل بھاگنے کی کوشش تو کر دکھلائی تھی۔

مگر اس سے بہت جلد ہم پر یہ ظاہر ہوگیا کہ ہمارے مخالفوں کے پاس خصوصاً" ہم سے بحث و مباحثہ کرنے کے لئے چند خاص دلائل کے سوا اور کچھ بھی مصالح نہیں اس لئے وہ ہمارے دعوؤں کے خلاف ان ہی چند دلائل کو بار بار دھرا دیتے ہیں کیونکہ ان سب نے ایک ہی تعلیم پائی اور آج میں یہ فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ان کے پرچار کو نہ صرف بے اثر کرنے بلکہ ان کے ہی الفاظ سے ان کا منہ بند کردینے کے ذرائع کو بھی ڈھونڈ نکالا ہے۔ اوراس دو سال کے تجربہ نے مجھے اس فن کا ماہر بنا دیا ہے اس لئے جب بھی میں کہیں تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوا۔ تو میں نے ان ہی دلائل کو ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھا۔ جن کو ہمارے مخالفین کی طرف سے پیش کئے جانے کی امید کی جاسکتی تھی۔ اور اس کا منہ بند کرنے کے لئے سب سے پہلے ان کو ہی بخیہ دردی شروع کرکے میں نے عوام پر ان کے کھوکھلے پن کو خوب اچھی طرح ظاہر کردیا۔ اسی لئے فوجی سپاہیوں میں بطور لیکچرار کے کام شروع کرنے پر میں نے جب "معاہدہ ورسیلز" کے ساتھ ہی "معاہدہ بریسٹ لٹووسک" کو بھی شامل کرکے دونوں کے حسن و خوبی کو حاضرین پر خوب روشن کیا۔ پھر اس لیکچر کے بعد اس پر جو مباحثہ ہوا۔ اس نے مجھ پر فوراً" ہی یہ حقیقت بھی کھول دی کہ عوام کو در اصل "معاہدہ بریسٹ لٹووسک" کے معلق کچھ علم ہی نہیں اور وہ ویسے ہی لوگوں کے ساتھ شریک ہوکر ان کی مخالفت کو مضبوط کردیتے ہیں۔ جنہیں کہ خود غرنیوں نے یہ سکھا پڑھا دیا ہے کہ یہ معاہدہ دنیا بھر کے نہایت شرمناک اور تشدد آمیز افعال میں سے بدتر تھا۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ کروڑوں جرمن عوام کی نظروں میں "معاہدہ ورسیلز" کی حقیقت "معاہدہ بریسٹ لٹووسک" کے ایک جائز اور حق بجانب جواب سے بڑھ کر کچھ بھی نہ رہ جاتی تھی۔ اس لئے وہ "ورسیلز" ک خلاف ہر ایک مذمت کو غیر حق بہ جانب اور نامناسب ہی ہیں بلکہ اکثر مرتبہ تو اخلاق سے بھی گری ہوئی خیال کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی جس سے مہیب اور شرمناک لفظ "تلافی" (REPARATION) کو جرمنی میں جگہ مل سکتی۔ مگر میں نے لیکچروں میں ان دونوں ہی "معاہدات امن" کو پہلو بہ پہلو رکھ کر ان کا مقابلہ کرتے ہوئے یہ ظاہر کرنا شروع کردیا کہ ان میں سے پہلا معاہدہ شریفانہ اور انسانیت آمیز تھا۔ اور

www.freepdfpost.blogspot.com

اس کا اثر بھی نہایت پسندیدہ پڑا۔ اور ایک مرتبہ پھر ایک عظیم جھوٹ کا بار گراں ہزاروں حاضرین کے دل و دماغ سے دور ہو کر ان پر حقیقت و صداقت کی چھاپ لگ گئی۔

ان جلسوں سے مجھے یہ فائدہ پہنچا کہ آہستہ آہستہ میں بھی بڑے بڑے پبلک جلسوں کا ایک مقرر بن گیا۔ اور ہزاروں حاضرین کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے لب و لہجے کے جس اتار چڑھاؤ اور ہاؤ بھاؤ کے جس اظہار کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ میری عادت وخصلت میں شامل ہوتا چلا گیا۔ اگرچہ ہمارے ابتدائی جلسوں کی یہ بھی ایک خصوصیت تھی کہ جلسہ گاہ سے باہر میزیں ہر طرح کے پمفلٹوں اور پرچوں سے لدی رہا کرتی تھیں جو مفت تقسیم کئے جاتے تھے لیکن ہم زیادہ تر زبانی تقریروں پر ہی بھروسہ کرتے تھے۔ اور درحقیقت ان کا ہی اتنا اثر بھی ہوتا ہے کہ عوام کے جذبات میں ایک تہلکہ سا مچ کر ان کے دلوں میں انقلاب پیدا ہوجائے اور ان کی دماغی حالت بالکل ہی بدل جائے۔

کیونکہ ہر جلسے کے حاضرین بھی ہر لیکچرار کی برابر رہنمائی کرتے رہتے ہیں اور اپنے لیکچر کی غلطیاں دور کرنے میں اسے مدد دیتے رہتے ہیں۔ یعنی وہ حاضرین کے چہروں پر اپنے الفاظ کے اثر کو برابر دیکھ سکتا ہے۔ اور یہ معلوم کرسکتا ہے کہ اس کی پیش کردہ دلائل کس حد تک ان کی سمجھ میں آ رہی ہیں ؟ اور اسے ان کے دل و دماغ پر مطلوبہ اثر ڈالنے میں کہاں تک کامیابی ہو رہی ہیں؟ لیکن کسی مصنف یا محرر کو یہ اندازہ نہیں لگ سکتا۔ اس لئے وہ اپنے فقرات میں حسب ضرورت رد و بدل بھی نہیں کرسکتا اور نہ ان کی تشریح کی توضیح ہی پر مناسب زور دے سکتا ہے اور اسے مجبوراً" اپنے تحریر عام دلائل تک ہی محدود رکھنی پڑتی ہے۔

مثلاً" فرض کرلیجئے۔ ایک لیکچرار اپنے دوران تقریر میں یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے سامعین صحیح طور پر اس کی تقریر کا منشاء و مدعا نہیں سمجھ رہے تو وہ فوراً" ہی اپنے دلائل کی تشریح ایسے آسان اور عام فہم طریق پر کرسکتا ہے۔ کہ وہ سب اس کی بات کو سہولت سے سمجھ جاتے ہیں اگر وہ یہ دیکھتا ہے کہ میری دلیل لوگوں پر کچھ اثر نہیں ڈال سکتی تو وہ اسے دھرا کر یا مختلف تمثیلات و نظائر پیش کرکے اپنے مطلب کو ان پر ظاہر کرسکتا ہے اور ان کے خاموش شبہات اور اعتراضات کا فوراً" جواب دے سکتا ہے۔ اور جب تک چاہے یہ سلسلہ جاری رکھ سکتا ہے۔ لیکن کسی مصنف یا محرر کو یہ سہولت حاصل نہیں ہوسکتی۔

اس طرح بعض مرتبہ ایک مقرر لوگوں کے تعصبات پر فتح پاکر بھی فوراً" ہی انہیں اپنا

www.freepdfpost.blogspot.com

معتقد بنا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ تعصبات اکثر سمجھ بوجھ سے پیدا نہیں ہوتے۔ بلکہ نادانستہ طور پر مختلف جذبات کے زیر اثر انسان کے دل و دماغ پر قابو پالیتے ہیں۔ مزید براں عقل حیوانی سے تعقل رکھنے والی طبعی نفرت جذبات حقارتی اور مخالفانہ ہٹ دھرمی پر قابو پانا تو بہت ہی مشکل ہے۔ بہ نسبت اس مخالفت کے جس کی بنیاد کسی غلط فیصلے یا صحیح علم پر ہو۔ کیونکہ جہالت اور غلط خیالات کی اصلاح تو واقفیت و تعلیم سے ہوسکتی ہے۔ مگر مذبات پر مبنی تعصبات کا دور کرنا نہایت محال ہے۔ انہیں دور کرنے میں تو وہ صرف اپیل ہی کامیاب ہوسکتی ہے۔ جو ان خفیہ طاقتوں سے براہ راست کی جائے جو ان تعصبات کو پیدا کرنے والی ہیں۔ مگر ایک مصنف کے لئے یہ محض ناممکن ہے اور ایک مقرر بھی اپنی ان کوششوں میں کامیاب ہونے کی شاذ و نادر ہی امید کرسکتا ہے۔

جس قوت نے مارکس ازم کو عوام کے دماغ پر یہ حیرت انگیز قابو دلایا ہے وہ یہودی مفکروں کے معمولی تحریر کردہ تصنیفات کی نہیں بلکہ اس زبانی پرچار کے سیلاب کی ہے۔ جو سالہا سال سے ان اصولوں کے متعلق عوام میں بہایا جا رہا ہے۔ ایک لاکھ جرمن مزدوروں میں سے شاید سو نے بھی مارکس کی کوئی کتاب پڑھی ہوگی لیکن تعلیم یافتہ لوگوں اور خصوصاً یہودیوں میں سے ہزاروں ہی ان کا بغور مطالعہ کر چکے ہیں مگر پھر بھی اس تحریک کے سچے پیرؤں اور ادنیٰ طبقات کے لوگ ہی بہت زیادہ ہیں۔ کیونکہ در حقیقت یہ کتابیں عوام کے لئے لکھی ہی نہیں گئیں۔ بلکہ یہودی مشن کے دماغی لیڈروں کے لئے لکھی گئی ہیں اور صرف اس نیت سے کہ وہ اس کی مدد سے دنیا پر فتح حاصل کرلیں۔ اس طرح اس تحریک کی ابتداء ایک بالکل ہی مختلف مسئلہ سے کی گئی ہے۔ یہی اختلاف آج بھہ ہمارے سرمایہ دار پریس اور مارکسٹ پریس میں نہایت نمایاں ہے۔ کیونکہ مارکسٹ پریس میں تو ایجیٹر خود کام کرتے ہیں۔ اور سرمایہ دار پریس میں ان کے تنخواہ دار ملازم'

تعجب تو یہ ہے کہ ہمارے سمجھ دار تعلیم یافتہ لوگ بھی دنیا کے باقی جاہل و بے وقوف لوگوں کی مانند ہی یہ سمجھتے ہیں۔ کہ ایک مصنف مقرر کی نسبت زیادہ سمجھ بوجھ والا انسان ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ خیال ایک قوم پرست اخبار میں ایک نہایت پرمذاق تصویر کے ذریعہ ظاہر کیا گیا۔ بتایا گیا تھا کہ جب کوئی شخص کسی مستند مقرر کی تقریر کو اخبارات میں پڑھتا ہے۔ تو اکثر اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ دوران جن میں ایک اخبار میں میں نے ایسا ہی ایک اور مضمون پڑھا تھا جس میں اس ییلائنڈ جارج

www.freepdfpost.blogspot.com

کی تقریروں کو لے کر جو اس وقت وزیر اسلحہ جات تھے ان پر ایک برقی روشنی ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ اور انہیں خوردبین کے نیچے رکھ کر ان کے حسن و قبح کی بخیہ دری بھی کی تھی اور آخر یہ نتیجہ نکالا تھا کہ ان تقریروں سے مقرر کے علم و دماغ کی کمی ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی کہ وہ بالکل معمولی لفاظی سے پر ہیں۔ لیکن جب میں نے ان تصویروں کو کتابی صورت میں حاصل کرکے ان کا بغور مطالعہ کیا تو مجھے یہ معلوم کرکے بے تحاشہ ہنسی آگئی۔ کہ یہ بے چارہ معمولی جرمن دماغی قابلیت کے ان نادر نمونوں کی اس طاقت کو بالکل ہی محسوس نہ کرسکا جس نے انگریز عوام کے دل و دماغ کو متاثر کیا ہوگا۔ کیونکہ اس شخص نے تو ان تقاریر کا اندازہ صرف اس اثر کو بالکل بھی نہیں سمجھ سکتا تھا جو کہ برطانوی تقار اپنی ان تقریروں ی مدد سے اپنے برطانوی سامعین اور دیگر عوام کے دل ودماغ پر ڈال سکا ہوگا۔ کیونکہ وہ اس مخالفانہ زہر سے بالکل پاک تھے جو اس جرمن مضمون نگار کے دل اور دماغ میں انگریزوں کے خلاف بھرا تھا اس نکتہ خیال سے تو یہ تقریریں نہایت حیرت انگیز طریق پر کامیاب کہی جاسکتی تھی چونکہ ان سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اسے عوام کی دماغی کیفیت کا کتنا ماہرانہ علم حاصل ہے۔ اس لئے ان کی تقریروں کا دل میں گھس جانے والا اثر صحیح معنوں میں فیصلہ کن ہوتا رہا ہے۔

اب ذرا لائیڈ جارج کی تقریروں کا ذرا ہیتھ مین ہالوگ کی فضول بکواس سے بھی مقابلہ کیجئے۔ پھر آپ پر خود ہی ظاہر ہوجائے گا۔ کہ ہمارے جرمن کرتا دہرتا کی تقریریں اسی مسالہ سے کتنی دماغ ہوسکتی تھیں۔ اور یہ اس امر کا کیسا بین ثبوت ہے کہ وہ شخص اپنی قوم کے سامنے اپنے خیالات پیش کرنے میں کتنا ناقابل ثابت ہوا ہے۔ غرضیکہ لائڈ جارج نے اپنی ان تقریروں سے نہایت ہی اچھی طرح یہ ظاہر کر دیا تھا کہ وہ ہیتھ مین ہالوگ کے مقابلہ میں اس کے برابر ہی نہیں بلکہ اس سے بدرجہا زیادہ افضل اور برتر ہے۔ اور اس کی تقریریں نیز ان کا طرز بیان ایسا ہے کہ ان سے اس کی قوم کے دل اس کے سامنے کھل جاتے ہیں اور وہ اس کی ہر منشاء و مرضی کی عملی طور پر فرمانبرداری کرنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں لائیڈ جارج کی تقریروں کا سادہ پن۔ اس کا طرز بیان اور نہایت ہی سادہ استعارات نظایر و تخیلات کا بیان اس کی شاندار سیاسی قابلیت کے بین ثبوت کہے جاسکتے ہیں۔

غرضیکہ عظیم الشان پبلک جلسوں کی اس لئے بہت سخت ضرورت ہے کہ جو شخص کسی

www.freepdfpost.blogspot.com

نوجوان تحریک میں تہ دل سے شریک ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن کسر نفسی کے باعث اپنی بے بضاعتی کا خیال کرکے پس و پیش کرتے اور خوف زدہ ہوتے رہتے ہیں حاضرین جلسہ میں اپنے بے شمار ساتھیوں کو اپنا ہمراہ پا کر ان کا بھی حوصلہ کھل جاتا ہے اور اس "عالمگیر بحیشچن" (تحریک) کے طلسمی اثر سے وہ بھی جوق در جوق پارٹی میں شامل ہونے لگتے ہیں۔ کیونکہ ان ہزاروں حاضرین کی خواہش امنگ اور طاقت ان میں سے ایک ایک کے دماغ میں داخل ہوکر انہیں میدان عمل میں باہر نکلنے کے لئے بار بار ابھارتی اور اکساتی رہتی ہیں اور ان تمام شکوک و شبہات نیز پس و پیش کو جو وہ اپنے دل میں لئے ہوئے جلسہ گاہ میں داخل ہوتے ہیں۔ آہستہ آہستہ دور بھگا کر ان کے دل کو مضبوط کردیتی ہیں اور آخر کار انہیں پارٹی کے سرگرم ممبر بنا دیتی ہیں۔ اس لئے نیشنل سوشلسٹ تحریک کو کبھی یہ حقیقت نظرانداز کرنے کی غلطی کا مرتکب نہ ہونا چاہئے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

سرخ تحریک سے جدوجہد

۲۱ ۔ ۱۹۲۰ء میں نام نہاد سرمایہ پرستوں (بورژوا) کے جلسوں میں بھی شریک ہوتا رہا۔ کیونکہ میں ان کے حالات سے بھی پوری پوری واقفیت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اور مجھے یہ معلوم کرکے ذریعہ بھر بھی حیرت نہیں ہوتی کہ وہ عموماً" ہماری تقریروں کو ایسی حقارت کی نظر سے کیوں دیکھتے ہیں۔ میں ڈیموکریٹس ' جرمن نیشنلسٹس ' جرمن پیپلز پارٹی (بوریرین سیسرنز پارٹی کے جلسوں میں بھی شامل ہوا۔ ان میں سب سے زیادہ عجیب بات جو مجھے معلوم ہوئی وہ ان کے حاضرین میں ہمیشہ ایک ٹھوس اتفاق رائے کی موجودگی تھی۔ یعنی ان جلسوں میں جو لوگ بھی شریک ہوتے تھے وہ تقریباً" سب کے سب ہی اس پارٹی کے پیرو ہوتے تھے۔ نہ ان میں کوئی ڈسپلن تھا نہ تنظیم بہ حیثیت مجموعی وہ ایسے آدمیوں کا ایک نہ مجمع معلوم ہوتے تھے۔ جو کسی زبردست انقلاب سے گذر چکے ہوں بلکہ ایسے لوگ ہوتے تھے جو پہلے ہی سے مختلف کانفرنسوں کی طرح نتھی ہو چکے ہوں۔ ان جلسوں کے نقار بھی ایک پرمن فضا قائم رکھنے کی حتی الوسع کوشش کرتے تھے۔ اگرچہ وہ باتیں تو بہت لمبی چوڑی بناتے تھے مگر بے جان اور پھس پھسی۔ ان میں سے اکثر اصحاب تو اخبارات کے مضامین کی مانند طول طویل عالمانہ جواب مضمون لکھ لاتے تھے اور انہیں ہی سنا دیتے تھے ان میں بھی سخت و کرخت فقرات سے نہایت احتیاط کے ساتھ احتراز کیا جاتا تھا۔ سوائے اس کے کہ کہیں کہیں کوئی چبھتا ہوا فقرہ یا لطیفہ داخل کرکے اسے مذاق کی چاشنی دے دی جاتی تھی۔ جس سے خوش ہوکر حاضرین کبھی کبھی تالیاں پیٹ کر (وہ بھی کسی خاص جوش و خروش سے نہیں بلکہ نہایت شریفانہ احتیاط سے) اپنے اس فرض سے بھی سبکدوش ہوجاتے تھے۔

غرضیکہ ایسا معلوم ہوا کرتا تھا۔ گویا کہ سب اونگھ ہی رہے ہیں اور کبھی کسی کے آنے جانے کی آہٹ سے ان کی آنکھ کھل جاتی ہیں۔ بہت سے لوگ تو حقیقتاً" جمائیاں لیتے

www.freepdfpost.blogspot.com

ہوئے بھی دکھائی دیتے تھے۔ اور آخر میں صاحب صدر کی فرمائش پر کوئی حب الوطنی کے جذبات سے پر گیت گا کر جلسے کی کاروائی ختم کردی جاتی تھی۔ اور پھر ہر شخص کو وہاں سے یکدم بھاگنے کی پڑجاتی تھی۔ کوئی تو سیدھا بیر خانے کی طرف قدم بڑھاتا تھا۔ کوئی قہوہ خانے کی طرف اور کوئی صرف ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے کسی کھلے میدان کی طرف لپک جاتے تھے۔

برخلاف ان کے ہماری نیشنل پارٹی کے جلسے کسی طرح ابھی ایسے پرامن نہیں ہوسکتے تھے۔ بلکہ وہاں نئی اور پرانی دونوں دنیاؤں کے خیالات کی لہریں زور و شور سے ایک دوسرے سے ٹکراتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ اور کسے بے جان سے قومی راگ سے مطمئن نہ ہوکر وہ پوری اور سچی قوم پرستی کے ہر دلعزیز جوش و خروش کا اظہار کیا کرتی تھیں۔ ہمارے جلسوں میں "سرخ جھنڈے" کے پیرو اکثر اپنی مخالفت کا پورے شد و مد سے مظاہرہ کرتے تھے اور وہ بسا اوقات ایک ٹھوس جمعیت کے ساتھ آیا کرتے تھے اس میں اصلی ایجی ٹیٹر تو کم ہی ہوتے تھے۔ مگر ان کے شور و غل مچانے والے پیرو زیادہ۔ جن کے چہروں سے یہی ٹپکتا تھا کہ "بس! آج رات کو ہم ہمیشہ کے لئے فیصلہ کرجائیں گے۔" اکثر تو ایک کچے دھاگے پر ہی س معاملہ لٹکتا ہوا دکھائی دینے لگتا تھا۔ مگر ہمارے صدر جلسہ کی مضبوطی و سختی نیز ہمارے ہاں کے محافظوں کی دانش مندی سے ان کے ارادے کامیاب ہوتے ہوتے رہ جاتے تھے۔ اس لئے ان کے دلوں میں ہمارے خلاف سخت غم و غصہ موجود رہنے کی کافی وجوہات پیدا ہوگئی تھیں۔

ہم نے بھی خوب سوچ وچار کر اپنے پوسٹروں کے لئے سرخ رنگ پسند کیا تھا۔ کیونکہ ہم اپنے مخالفوں کو چڑانا بھی چاہتے تھے اور ہماری یہ بھی خواہش تھی کہ ان کے دلوں میں غیض و غضب کی آگ بھڑکے اور وہ ہمارے جلسوں میں ضرور آئیں خواہ ان کی تشریف آوری کا منشاء ہمارے جلسوں کو درھم برہم کرنا ہی کیوں نہ ہو! تاکہ ہمیں ان کے ساتھ دو دو بات کرنے کا موقع تو ملے۔ بقول کہ ؎

ایک ہنگامے پر موقوف ہے گھر کی رونق
نغمہ شادی نہ سہی نالہ ماتم ہی سہی

اس پر ہمارے مخالف اپنے پیروؤں کے نام جنہیں وہ جماعتی احساس رکھنے والے عوام کا نام دیا کرتے تھے۔ ہمارے جلسوں میں شریک ہونے کی اس لئے ہدایت کیا کرتے تھے۔ کہ

www.freepdfpost.blogspot.com

"شاہ پرستوں کی رجعت پسندانہ ایجی ٹیشن کار جیسا کہ وہ ہماری تحریک کو کہا کرتے تھے" عوام کے کے سے جلد ہی خاتمہ کردیا جائے۔ اس کا یہ نتیجہ تھا کہ ہمارے جلسہ گاہ وقت سے گھنٹہ پون گھنٹہ پہلے ہی حاضرین سے کھچا کھچ بھر جاتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا کسی بڑے پیسے میں باورد بھردی گئی ہے اور بس اس کیاڑانے کے لئے دیا سلائی دکھانے کی ہی کسر باقی ہے لیکن اس کا نتیجہ ہمیشہ ہی مخالفوں کی توقع کے خلاف ہوتا تھا کیونکہ جو لوگ بھی ہمارے دشمنوں کی طرح آتے تھے وہ اکثر ہماری رائے کی صداقت اور معقولیت کو تسلیم کرتے ہوئے ہمارے دوست بن کر جاتے تھے۔

پھر تو ہمارے مخالفین کی بھی آنکھیں کھلیں۔ اور انہوں نے یہ چلانا شروع کیا۔ ساتھیو! قوم پرست ایجی ٹیٹروں کے جلسوں سے بچو! سرخ اخبارات نے بھی آہستہ آہستی ایسی ہی پس و پیش کی روش اختیار کرلی۔ اس سے لوگوں کی حیرت اور بھی بڑھی اور ان کے رویہ میں بھی اچانک ایک تبدیلی آگئی اور کچھ عرصہ تک تو ہمارے ساتھ ایسا ہی سلوک ہوتا رہا جیسا کہ بنی نوع انسان کے سچے دشمنوں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے ہماری مجرمانہ ذہنیت کے اعلان اور ان کا اظہار کرنے کے لئے اخبارات میں مضمون پر مضمون شائع ہونے لگے۔ جو الف بے تک بے بنیاد اور بناوٹی باتوں سے پر ہوا کرتے تھے تاکہ کسی طرح تو عوام دھوکہ کھاجائیں اور ان کے فریب میں آجائیں لیکن جلدی ہی انہیں یہ بھی یقین آگیا کہ ان کے یہ حملے بالکل بے اثر ہیں نہیں ! نہیں !!! بلکہ حقیقتاً" وہ عوام کی توجہ کو ہماری کوشش کی طرف اور بھی مرکوز کرنے کا باعث ہو رہے ہیں۔

غرضیکہ ہمارے مخالف ہمارے جلسوں کو منتشر کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکے۔ اس کا سب سے بڑا باعث ان کے لیڈروں کی ذاتی بزدلی اور کمزوری تھی۔ کیونکہ ہر ایک ایسے موقع پر وہ قابل نفرت اشخاص یا تو خود باہر کھڑے ہمیشہ اس امر کے متمنی رہتے تھے کہ دھماکے کی آواز ان کے کانوں تک کب پہنچتی ہے۔ مگر ہم نے بھی مجبوراً" اپنے جلسے کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا اور سرکاری افسروں یا ان کی امداد کا بالکل بھی بھروسہ نہ کرتے تھے.. بلکہ ہمارے تجربے نے بارہا ہم پر یہ ثابت کردیا تھا کہ سرکاری لوگ ہمیشہ لوگوں کو فتنہ فساد کے لئے ہی بھڑکایا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی کامیابی ہی اس میں تھی کہ ہمارے جلسوں میں انتشار پیدا ہوکر وہ پیش از وقت ختم ہوجائیں یا بالکل منعقد ہی نہ ہوسکیں اور اسی نیت سے وہ آیا بھی کرتے تھے۔ مگر ہم بھی اپنے دل میں یہ بخوبی سمجھ گئے تھے کہ جس

www.freepdfpost.blogspot.com

جلسے میں ہم پولیس کی امداد پر تمام و کمال بھروسہ کریں گے۔ اسی میں عوام کی نظروں میں ہمارے کارکنوں کا وقار خاک میں مل جائے گا۔ اس لئے ہم اس طرف سے بالکل مستغنی ہوگئے۔ کئی مرتبہ تو ہمارے مٹھی بھر والیٹروں نے ہی جوش میں بھرے ہوئے تشدد پسند "سرخ" ہجوم کا نہایت دلیرانہ مقابلہ کیا۔ اور انہیں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ اس میں شک نہیں کہ پہلے دس پندرہ آدمیوں کو تو زخمی ہوکر مخالفوں سے مجبوراً" پسپا ہوجانا پڑاتھا مگر بعد میں مخالفوں سے بھی تین چار گنے زیادہ عوام ہمار دشمنوں کی وہ درگت بناتے تھے کہ وہ عمر بھر یاد کرتے رہتے ہوں گے۔ اور پھر کبھی ایسی حماقت کے اظہار کی جرات کا خیال تک بھی اپنے دل میں نہ لاتے ہوں گے۔

اس سے صاف ظاہر تھا کہ ان سرمایہ داروں کے تباہ کن طریقوں پر چل کر جو ہماری قوم پر حکومت کر رہے تھے۔ حکمرانوں کے خلاف انقلاب برپا کرنا کس طرح ممکن تھا؟ حالانکہ اس وقت بھی جرمن قوم کے حقوق کی حفاظت کے لئے بے شمار گھونسے تیار پائے جاتے تھے۔ اگرچہ کھوپڑیاں ٹوٹنے تک نوبت تو کبھی نہ پہنچتی تھی مگر میرے نوجوان ساتھیوں کی آنکھیں اس وقت دلی جوش و خروش سے چمک اٹھا کرتی تھیں جبکہ میں ان کے سامنے مشن کی ضرورت و اہمیت بیان کرتا ہوا انہیں ہمیشہ اور برابر یہ یقین دلایا کرتا تھا۔ کہ دنیا بھر کی تمام دانائی بھی اس وقت ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ جب تک کہ ہم اس پر عمل نہ کریں۔ اور اپنی مضبوط مردانہ طاقت سے اس کی حفاظت کے لئے کمربستہ نہ رہیں۔ امن و امان کی حلیم مزاج دیوی اس وقت تک ایک قدم آگے نہیں بڑھ جب تک کہ جنگ کی تیز اور گرم مزاج دیوی اس کے پہلو بہ پہلو موجود نہ ہو امن و امان کی حمایت و برقراری کی غرض سے جو بھی کام کیاجاتا ہے اس کی حفاظت و حمایت کے لئے ہمیشہ ہی زور و طاقت کی ضرورت پڑا کرتی ہے۔ اس طرح میں فوجی اہمیت کو ان کے صفحہ دل پر ہمیشہ ہی ایک نہایت جیتی جاگتی صورت میں قائم رکھتا تھا۔ اور ان میں سے ہر شخص اپنے ملک و قوم کی حفاظت کے لئے ہر وقت اور ہر جگہ اور ہمیشہ زندہ رہنے لگا تھا۔

ہمارے جلسوں میں جب کبھی کوئی ہنگامہ ہوجاتا تھا تو یہ نوجوان اطلاع پاتے ہی مکھیوں کی طرح جمع ہوجاتے تھے اور جلسوں میں گڑبڑ مچانے والوں کی تعداد کثیر کی کچھ بھی پروا نہ کرتے تھے اور ان پر بے تحاشہ ٹوٹ پڑتے تھے اور اپنے زخموں اور خون کی دھاروں کی طرف کچھ توجہ نہ دے کر پیچھے ہٹنے کا خیال تک پھر کبھی دل میں نہ لاتے تھے کیونکہ ان کے

www.freepdfpost.blogspot.com

دل ہماری تحریک کے عظم الشان تخیل سے لبا لب پر تھے اور اسے زپنی زندگی کا ایک نہایت ہی مقدس مشن سمجھ کر اس کی ترقی کا راستہ صاف کرنے کے لئے ہمیشہ ہی سربکف رہا کرتے تھے

۱۹۲۰ء کے آغاز میں ہی ہماری "امن فوج" باقاعدہ طور پر زیر تنظیم آنے لگی تھی۔ ۱۹۲۱ء کی موسم بہار میں تو وہ آہستہ آہستہ مختلف کمپنیوں میں تقسیم ہونے لگی جو بعد میں اور بھی چھوٹے چھوٹے دستوں میں بانٹ دی گئیں اور چونکہ اس اثناء میں جلسوں کے متعلق ہمارے سرگرمیاں روز بروز بڑھتی جارہی تھیں۔ اس لئے اس باقاعدہ تنظیم کا ہمارے راستے میں رونما ہونے والی تمام مشکلات کا خود بخود قلع قمع کرتی جارہی تھیں۔

اس وقت تک ہماری پارٹی نے اپنا کوئی نشان یا جھنڈا قائم نہیں کیا تھا۔ اور یہ کمی اس وقت صرف نقصان دہ ہی نہ تھی بلکہ مستقبل کے خیال سے ناقابل برداشت بھی ہوتی جارہی تھی کیونکہ اس طرح پارٹی کے ممبروں اور عام لوگوں میں کوئی تمیز نہ ہوسکتی تھی۔ جذبات نقطہ خیال سے بھی اس علامت کی ضرورت ایک سے زائد مرتبہ میرے ذہن نشین ہوچکی تھی۔ چنانچہ جنگ کے فوراً بعد جبکہ میں برلن میں ہی تھا۔ تو مجھے ایک دن شاہی محلات کے سامنے مارکسٹوں کا ایک عظیم الشان مظاہرہ دیکھنے کا موقع ملا جس میں سرخ جھنڈوں ' سرخ رومالوں اور سرخ پھولوں کا ایک وسیع اور ناپیدا کنار سمندر کے سے نظارے نے اس ہجوم کی طاقت و قوت میں ایک عجیب شان سی پیدا کردی تھی۔ اس روز ان کی تعداد کا اندازہ میری رائے میں سوا لاکھ کے قریب تھا۔ اس وقت میں نے یہ محسوس کیا کہ بازاروں میں گھومنے پھرنے والا ایک معمولی انسان بھی ان نظاروں کے محرک جادو سے کس طرح متاثر ہوکر وہی کھیل کھیلنے لگ جاتا ہے۔ جو دوسری ایسی سرگرمی کے ساتھ اس کی نظروں کے سامنے کھیل رہے ہیں۔

بورژوا (سرمایہ پرستوں کی) پارٹی کا بھی جن کی درحقیقت کوئی عالمگیر تھیوری نہ تھی کوئی جھنڈا نہ تھا ان کی پارٹی نام نہاد "محبان وطن" پر مشتمل تھی اور وہ "ریش" کے جھنڈے کو ہی اپنا جھنڈا سمجھتے تھے۔ اس کے مقابلے میں نام نہاد "نیشنل بورژوا پارٹیوں" نے پرانی شاہی حکومت کے جھنڈے کو اپنا جھنڈا بنا لیا تھا۔ جس میں کالا سفید اور لال رنگ شامل تھا۔ لیکن یہ صاف ظاہر تھا کہ ایک ایسی حالت کا نشان جسے مارکس ازم نہایت شرمناک طور پر ملیا میٹ کرنے میں کامیاب ہوچکا ہوں اس تحریک کے نشان کے طور پر کوئی

www.freepdfpost.blogspot.com

وقعت نہیں رکھ سکتا جس کا مقصد مارکس ازم کو بھی کچل کر ختم کردینے کا ہو۔ خواہ کسی شریف جرمن کے دل میں قدیم جھنڈے کی کتنی بھی قدر و عزت و محبت کیوں نہ ہو۔ جب بھی اسے اس تروتازہ اور نوجوان تحریک کو جھنڈے کے مقابلے میں پیش کیا جائے گا۔ جس کے زیر سایہ لوگوں نے ایسی شاندار قربانیاں کرکے اور اتنی کثیر تعداد میں اپنی جانیں نثار کرکے کامیابی حاصل کی ہے۔ تو قدرتاً" اس پرانے جھنڈے کی قدر و قیمت آئندہ جدوجہد میں کچھ بہت زیادہ بچ نہ سکے گی۔ اس لئے ہم نیشنل سوشلسوں نے یہ فیصلہ کیا کہ پرانے جھنڈے کو پھر سے بلند کرنے سے تو ہم اپنی خاص خصوصیات اور خاص مقاصد کو ان کے پورے پورے زور و طاقت کے ساتھ عوام پر کسی طرح بھی ظاہر نہ کرسکیں گے۔ کیونکہ یہ ہماری ہرگز خواہش نہ تھی کہ ہم تباہ شدی شاہی سلطنت اور اس کی قدیم شان و شوکت اس کے قبرستان سے نکال کر پھر باہر نکال کر زندہ کر دکھائیں بلکہ ہم تو بالکل ایک "نئی حکومت" (سٹیٹ) قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ جو تحریک آج اس پہلو میں مارکس ازم کا مقابلہ کرکے اس سے دو دو ہاتھ کرنے کو تیار تھی۔ اس کے جھنڈے اور نشانات بھی الگ ہی ہوں۔ جو اس کی آئندہ "نئی حکومت" میں بھی اس کے کام آسکیں۔

لیکن میں ہمیشہ سے اس خیال کا حامی رہا ہو۔ کہ ہمیں اپنی قدامت پرستی کا رنگ بھی ہرگز نہ چھوڑنا چاہئے۔ اس لئے بے شمار نمونوں پر غور و خوض کرنے کے بعد میں نے ایک آخری نمونے کا اپنے دل میں فیصلہ کرلیا۔ وہ یہ تھا کہ ہمارے جھنڈے کی زمین بھی سرخ ہی ہو۔ مگر ایک سفید پٹی اسے بیچ سے کاٹتی ہوئی جائے۔ اور اس کے بیچوں بیچ ایک کالی صلیب ہو جس کے چاروں سرے مڑے ہوئے ہوں۔ بہت تلاش ار سوچ بچار کے بعد بالاخر میں یہ فیصلہ کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ ہمارے جھنڈے اور اس کی سفید پٹی کا تناسب کیا ہو۔ اور جو صلیب اس کے بیچ میں رکھی جائے اس کی صورت شکل اور موٹائی کیا رہے۔ اس وقت سے ہمارا جھنڈا بالکل ویسا ہی ہے۔

یہ فیصلہ ہوجانے کے بعد فوراً" "اسی نمونے کے "بازو بند (ARMLET) تیار کرائے گئے تاکہ نظام اور شناخت کے لئے ہمارے سب ممبر انہیں اپنے اپنے بازوؤں پر لگائے رکھیں سب سے پہلے ۱۹۲۰ء کے موسم گرما کے وسط میں یہ نیا جھنڈا پبلک کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کے دو سال بعد جبکہ ہمارے ممبروں کو (جن کی تعداد کئی سال سے ہزاروں تک پہنچ گئی تھی) طوفانی ٹور (Sturmdelacu ment) کہا جانے لگا۔ تو یہ بھی ضروری

www.freepdfpost.blogspot.com

ہوگیا۔ کہ ہم اپنی نئی عالمگیر تھیوری کے اس جنگی نظام کو فتح عالم کے لئے ایک خاص شان یعنی "علم" سے بھی مزین کریں اور اس وقت سے ہی ہمارا یہ قومی جھنڈا ہماری قوم کے "علم فتح" کی صورت میں تبدیل ہوگیا۔

اس وقت میونخ میں مارکسٹ پارٹی کے علاوہ کوئی ایسی پارٹی نہ تھی۔ جو ہماری پارٹی جیسے عظیم الشان عام مظاہرے کرسکتی ہو۔ "دی نیشنز کنڈل کیلر" (KELLER - KINDL) نامی مقام بھی جس میں پانچ ہزار کی حاضری کی گنجائش تھی۔ ہمارے جلسوں میں کئی مرتبہ اتنا کھچا کھچ بھر گیا تھا کہ گویا کہ پھٹا پڑتا تھا۔ اب صرف ایک ہال باقی رہ گیا تھا جہاں کہ ہم نے اب تک کوئی جلسہ نہ کیا تھا اور وہ تھا "سرکس کرون" (KRONE SIRCUS)

جنوری ۱۹۲۱ء کے آخر میں جرمنی کے لئے پھر ایک بڑا خطرہ پیدا ہوگیا۔ معاہدہ پیرس جس کی رو سے جرمنی نے ایک ملیرڈ (MILLIARDS) طلائی فرانکس کی بعید از قیاس گرانبار رقم بطور تاوان جنگ ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا لندن کے اعلان جنگ (الٹی میٹم) کی مطابقت میں اب اس کی تصدیق کئے جانے کا دن نزدیک آرہا تھا۔ لیکن ملک کی کسی بھی سیاسی پارٹی نے اس خوفناک اقعہ ی طرف کچھ بھی توجہ کرنے کی ہمت ظاہر نہیں کی تھی۔ حتیٰ کہ ہماری ورکز پارٹی بھی ابھی تک یہ فیصلہ نہ کرسکتی تھی کہ کس روز اس کے خلاف مظاہرہ کیا جائے۔ اور اس کا پروگرام کیا ہو؟

یکم فروری کو میں نے اس سوال کا آخری فیصلہ کئے جانے کا زبردست مطالبہ کیا اور پھر اسے بدھ تک ملتوی کردیا گیا۔ مگر میں کب ماننے والا تھا؟ اسی روز میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہمیں یہ بتلا دیا جائے کہ اس کے متعلق کوئی جلسہ کرنا بھی مقصود ہے یا نہیں ؟ اور کرنا ہے تو کس دن ؟ اس کا جو جواب دیا گیا وہ بھی کچھ صاف نہ تھا۔ اس سے بھی پس و پیش ظاہر ہوتا تھا۔ کیونکہ کہا گیا تھا کہ "ارادہ یہ ہے کہ اگلے ہفتے اسی ورکرز کارکنوں یا مزدوروں کو مظاہرے کے لئے مدعو کیا جائے۔" یہ جواب سن کر میں قابو سے باہر ہوگیا اور میں نے وہیں اعلان کردیا کہ "میں اپنی ذاتی ذمہ داری پر یہ احتجاجی مظاہرہ کروں گا۔"

بس پھر کیا تھا" دس منٹ کے اندر ہی اندر میں نے پوسٹروں کے مضامین لکھوا دیئے اور اگلے ہی دن یعنی ۳ فروری کے لئے "سرکس کرون) کو کرایہ پر لے لیا۔ اس زمانے میں یہ ایک زبردست حوصلے اور دل گردے کی بات تھی کیونکہ یہ یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا تھا

www.freepdfpost.blogspot.com

کہ ہم اس وسیع ہال کو حاضرین سے پر کرسکیں گے یا نہیں؟ جلسے کے منتشر کردیئے جانے کا بھی سخت احتمال تھا۔ بہرحال یہ تو یقینی تھا کہ اگر اس مظاہرے میں ہمیں ناکامیابی ہوگئی تو پھر ایک عرصہ دراز تک ہم سر نہ اٹھا سکیں گے پوسٹر وغیرہ چسپاں کرنے کے لئے بھی صرف ایک ہی دن ہمارے سامنے تھا۔ بدقسمتی سے جلسے والے دن بارش بھی ہوگئی اور اندیشہ ہوگیا کہ بہت سے آدمی بارش اور برف باری کے باعث جلسے میں شریک ہونے کی بجائے اپنے اپنے گھروں میں امن و امان سے بیٹھنا رہنا پسند کریں گے۔ خصوصاً" اس صورت میں جبکہ فتنہ و فساد اور قتل خونریزی کا خوف بھی ساتھ ساتھ ہو۔

مگر میں نے کسی بات کی بھی کچھ پرواہ نہ کی اگلے روز دو لاریاں کرائے پر لے لیں۔ جہاں تک ہو سکا انہیں سرخی سے رنگ کر ان پر اپنے دو جھنڈے لگا دیئے اور ہر لاری میں پارٹی کے پندرہ پندرہ بیس بیس ممبر بٹھا کر یہ حکم دیا کہ انہیں بازاروں میں دوڑاتے ہوئے پبلک جلسے کے اشتہارات ادھر ادھر پھینکتے چلے جاؤ جو کہ اسی روز شام کو ہونے والا تھا۔ یہ پہلا دن تھا کہ اشتہار بازی کے لئے مارکسٹوں کے سوا کسی دوسری پارٹی نے لاریوں کو اس طرح جھنڈوں سے سجا کر شہر میں گھمایا تھا۔ اس کا نتیجہ بھی خاطر خواہ ہوا۔ چنانچہ شام کو جب میں جلسہ گاہ میں داخل ہوا تو میرا دل خوشی سے ویسا ہ باغ باغ ہوگیا جیسا کہ پچھلے سال ہوا تھا۔ جبکہ ہم نے اپنا سب سے پہلا جلسہ "ہاف براہوس فیسٹ آل" میں کیا تھا لیکن مجھے اپنی شاندار کامیابی کا اس وقت پورا پورا علم نہیں ہوا جب تک کہ میں حاضرین کی ایک نہایت ہی ٹھوس اور مضبوط دیوار چیرتا ہوا بصد مشکل پلیٹ فارم پر نہ پہنچ گیا اس وقت میں نے دیکھا کہ وہ وسیع ہال ہزارہا اشخاص سے کھچا کھچ پر تھا اور کہیں تل رکھنے کو بھی جگہ نظر نہ آتی تھی۔

اس روز میرے لکچر کا مضمون تھا "آئندہ تباہی!" میں نے نے پورے ڈھائی گھنٹے تک تقریر کی۔ تقریر شروع کرنے کے نصف گھنٹے کے بعد ہی مجھے یقین ہوگیا تھا کہ ہمارا جلسہ نہایت شاندار طور پر کامیاب ثابت ہوگا۔ اگرچہ سرمایہ دار بدظن اخبارات نے اس جلسے کی مختصر سی رپورٹ شائع کرتے ہوئے صرف یہ لکھا یہ محض ایک "قوم پرستانہ جلسہ" تھا۔ اور اس بات تک کا بھی کسی نے ذکر نہیں کیا کے جلسے کے منتظم اور داعی کون تھے اور اس کا حقیقی مقصد کیا تھا؟

لیکن ۱۹۲۱ء میں اس ابتداء کے بعد میونخ میں ہمارے جلسے بہت زیادہ تیزی اور کثرت

www.freepdfpost.blogspot.com

سے ہونے لگے صرف ہفتہ وار ہی نہیں بلکہ کبھی کبھی تو میں ایک ہفتے میں دو دو یا تین تین جلسے کردیا کرتا تھا۔ وسط گرما نیز موسم خزاں میں تو ہر ہفتے برابر تین تین جلسے ہوتے رہے اور اب ہمارے جلسے سوا بھی کرتے تھے۔ "اگر سرکس کرون" میں اور سبھی کامیاب رہتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے ممبران کی تعداد میں دن دونی اور رات چوگنی بڑھنے لگی۔

ہماری اس شاندار کامیابی پر بھلا ہمارے دشمن کب خاموش بیٹھنے والے تھے ؟ انہوں نے بھی ہماری چلتی گاڑی میں روڑا اٹکانے کے لئے ایک آخری دہشت خیز کوشش کر گذرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اور یہ قرار پایا کہ چند روز میں ہی "ہاف برے ہوس" میں ہمارا جو جلسہ ہونے والا تھا۔ اور جس میں میری تقریر کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس میں یہ شرارت کی جائے۔ ۴ نومبر ۱۹۲۱ء کی شام ۶ ' ۷ بجے کے درمیان مجھے اس امر کی یقینی اطلاع ملی کہ ہمارے جلسے کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ بدقسمتی سے ہمیں پہلے اس کا اندیشہ نہ تھا۔ اور اسی روز ہم اپنا پورا شاندار دفتر جو "سٹرینگر گاس" میں تھا دوسری عمارت میں تبدیل کر رہے تھے۔ بلکہ یوں کہئے کہ پرانے شاندار دفتر سے نکل چکے تھے لیکن نئے دفتر میں ابھی تک پہنچے نہیں تھے اور ابھی دونوں کے بیچ میں ہی تھے۔ کیونکہ ہمارا اسباب ابھی تک ڈھویا ہی جا رہا تھا نتیجہ یہ تھا کہ اسی روز جلسے کا انتظام کرنے کے لئے ہمارے کارکوں کا دستہ بھی سبتا" کمزور تھا۔ صرف ۴۵ ' ۴۶ آدمیوں کا انتظام کیا گیا تھا اور ٹیلی فون بھی کام نہ کرتا تھا کہ دوسرے مقامات سے ہی گھنٹے بھر میں کافی ولینٹیرز کو بلالیا جاتا۔

چنانچہ میں کوئی پونے آٹھ بجے ہال کی ڈیوڑھی میں پہنچا وہاں جو کچھ میں نے دیکھا اس سے مجھے مخالفوں کی فوری نیت میں کچھ بھی شک و شبہ نہ رہا۔ کیونکہ ہال حاضرین سے خوب کھچا کھچ بھرا تھا۔ اور پولیس مزید آدمیوں کو اندر جانے سے روک رہی تھی۔ یعنی ہمارے دشمن پہلے ہی اندر گھس گئے تھے اور ہمارے دوست باہر ہی کھڑے ٹاپ رہے تھے۔ مخالفوں کا چھوٹا سا دستہ باہر ڈیوڑھی میں میرا انتظار کر رہا تھا میں نے ہال کا دروازہ بند کرایا اور اپنے جتھے کے سب آدمیوں کو بلا کر ان سے کہا کہ آج پہلی مرتبہ تحریک کے ساتھ اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کرنے کا موقع آپ کے سامنے ہے۔ اس لئے جب تک آپ کے دم میں دم ہے۔ آپ میں سے کسی کو بھی ہال سے باہر جانے کا خیال تک بھی اپنے دل میں نہ لانا چاہئے۔ اگر میں نے کسی شخص کو بزدلی دکھاتے ہوئے دیکھ لیا تو میں خود اس کا بلا چھین

www.freepdfpost.blogspot.com

لوں گا اور بازو بند پھاڑ دوں گا۔" اس کے بعد میں نے انہیں حکم دیا کہ سب اپنی اپنی نوکری پر تشریف لے جایئے! اور ذرا سی شرارت ہونے پر جلسہ درہم برہم کردیجئے یاد رکھئے کہ ایسے موقع پر فوراً" حملہ کر بیٹھنا ہی مدافعت کا بہترین طریقہ ثابت ہوا کرتا ہے۔"

میری یہ ہدایات سنتے ہی سب نے تین چیئرز دے کر (تین دفعہ تالیاں بجا کر) پہلے سے بہت زیادہ جوش اور سرگرمی کے ساتھ اپنے دلی خوشی کا اظہار کیا۔ بعد ازاں میں نے ہال میں داخل ہوکر سب صورت حال کو بغور اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مخالف میری طرف ایسے دیکھ رہے تھے گویا کہ وہ نظروں ہی نظروں میں اپنی نفرت کی آنکھ سے مجھے بھون ڈالنا چاہتے ہیں۔ وہ پر معنی آواز کس رہے تھے اور چیخیں بلند کررہے تھے گویا کہ وہ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ آج وہ ہم سے بہت زیادہ زبردست ہیں۔

مگر میں نے اس کی کچھ پرواہ نہ کرکے اپنی تقریر شروع کردی کوئی ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد فساد کا اشارہ دے دیا گیا۔ چند آدمیوں نے پرغضب چیخیں بلند کیں اور کرسیوں پر کھڑے ہوکر "آزادی ' آزادی" چلانا شروع کردیا۔ چند سیکنڈ میں تمام ہال سے ہجوم کی چیخوں اور شور و غل سے بھر گیا اور بے شمار "پن وان" گولوں کی طرح ہوا میں اڑنے لگے کرسیاں توڑ ڈالی گئیں۔ شیشے چور چور کردیئے گئے اور ہر طرف ایک عجیب دیوانے پن کا سا عالم بپا ہوگا۔

ابھی یہ "شیطانی ناچ" شروع ہی ہوا تھا کہ ہمارے طوفانی ٹولے نے بھی (جیسا کہ بعد میں اس کا نام مشہور ہوگیا) مخالفوں پر ہلہ بول دیا اور وہ آٹھ آٹھ دس دس کے **جتھوں** میں بھیڑوں کی طرح بار بار دشمنوں پر حملہ کرنے لگے۔ اور آخر انہیں ہال سے باہر نکال دینے میں بھی کامیاب ہو ہی گئے اور پانچ منٹ ہی میں مجھے ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ دکھائی دیا۔ جو خون سے شرابور نہ ہو۔ عین اس وقت یکایک دروازے کی طرف سے پلیٹ فارم پر دو پستول کی گولیاں چلائی گئیں جن سے شور و غل اور بھی زیادہ ہوگیا زمانہ جنگ کے یہ نظارے ازسرنو دیکھ کر میرا دل خوشی سے ناچ اٹھا۔ مگر اس وقت یہ معلوم کرنا ناممکن تھا کہ یہ گولیاں کس نے چلائی ہیں۔ بہرحال میں دیکھ رہا تھا کہ میرے نوجوانوں نے ایک تازہ جوش کے ساتھ مخالفوں پر حملے شروع کردیئے تھے حتیٰ کہ آخری مفسد عنصر کو بھی ہال سے باہر نکال دیا گیا۔ اس طرح بمشکل ۲۵ منٹ گذرنے پائے ہوں گے کہ ہم نے فسادیوں کو بھگا کر ہال پر اپنا تسلط جما لیا اور صدر جلسہ ہرہرمن ایسر نے کمال اطمینان سے یہ

www.freepdfpost.blogspot.com

اعلان کردیا کہ "اب جلسے کی کاروائی پھر شروع ہوتی ہے" بعد ازاں میں نے اپنی تقریر کا سلسلہ جاری کیا۔

جلسہ ختم ہونے ہی والا تھا جبکہ محکمہ پولیس کا ایک لفٹنٹ جوش میں بھرا ہال میں گھس آیا۔ اور نہایت شان کے ساتھ بانہہ ہلا ہلا کر چلانے لگا۔ "جلسہ برخاست" ' "جلسہ برخاست" مجھے اس کی اس افسرانہ دلیری پر بے تحاشا ہنسی آئی اس روز ہم نے بہت سے سبق سیکھے اور یقیناً" ہمارے مخالف بھی اس سبق کو جو انہیں سکھایا گیا تھا عمر بھر نہ بھول سکیں گے۔ کم از کم اس کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ ۱۹۲۳ء کے موسم خزاں تک اخبار "منشنر پوسٹ" (MUNCHNER POST) پوسٹ نے پھر مارکسٹ مزدوروں کے گھونسوں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

زبردست کا جوتا

آج کل ہر ایک معمولی شہری یہ سن کر بہت خوش ہوتا ہے کہ مزدوروں نے اپنے ٹریڈ یونین بنا کر "جماعت میں کرامت" کا سبق سیکھ لیا ہے۔ اور ان لوگوں کی کٹ پتلیاں بننے سے انکار کردیا۔ جو ان میں پھوٹ ڈلوا کر انہیں کمزور رکھنا چاہتے ہیں۔ ہر شخص یہ یقین رکھتا ہے کہ یہ اتحاد نہایت طاقت بخش ہے اور اس کی بدولت وہ لوگ جو پہلے بہت کمزور اور چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں منقسم تھے۔ یکایک متحد ہوکر بہت طاقتور ہوگئے ہیں۔ لیکن یہ خیال ایک بڑی حد تک بالکل غلط ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص کسی جزوی سچائی کا اعلان کرتا ہے۔ یا کسی خاص سوال کا ایک خاص حل پیش کرتا ہے اس کا مقصد لوگوں کے سامنے بیان کرکے اسے منظور کرنے کی زبردست اپیل کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی اس کے ایک ایسی تحریک جاری کردیتا ہے۔ جس سے اس کے مدعا اور ارادوں کی تکمیل ہوسکتی ہے۔ یہ طریقہ ہے۔ ایک یونین یا ایک پارٹی قائم کرنے کا جس کا پروگرام یا تو کسی موجودہ خرابی کو دور کرنے پر مشتمل ہوتا ہے یا کسی آئندہ موقع پر صورت حال کو کوئی خاص شکل دینے پر جب ایک دفعہ کوئی ایسی تحریک جاری ہوجاتی ہے تو پھر وہ ایک طرح اپنی قدامت کا بھی دعویٰ کرنے کا کام کرنا چاہتی ہیں۔ پہلی جماعت کے ساتھ شریک ہوکر آہستہ آہستہ اس کی طاقت بڑھائی جاتی ہے۔ تاکہ وہ سب ایک خاص مشترکہ مقصد کے لئے زیادہ بہتر طور پر کام کرسکیں۔

لیکن یہ کام درحقیقت اس طرح نہیں ہوتا اس کی دو وجوہات ہیں ان میں سے پہلی وجہ کو تو افسوس ناک کہہ سکتے ہیں اور دوسری کو قابل رحم کیونکہ ان کا انحصار ی انسانی کمزوری پر ہے۔

ہر ایک عظیم الشان کام جو اس دنیا میں پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے وہ عموماً" لکھو کھا انسانوں

www.freepdfpost.blogspot.com

کی ایک عالمگیر خواہش کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ ہر زمانے کے بڑے مسائل کی یہ ایک ضروری خصوصیت ہے کہ ہزاروں آدمی بہ یک وقت انہیں حل کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے تو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ قسمت نے ہی انہیں اس کام کے لئے مخصوص کردیا ہے اور اس طرح ان تمام کی آزادانہ جدوجہد میں جو شخص بھی زیادہ مضبوط اور زیادہ باحوصلہ ہوتا ہے۔ وہی سب سے آخر میں سب سے بڑھ کر فتح مند رہتا ہے اور آخر اسے ہی اس مسئلہ کو حل کرنے کا کام سونپ دیا جانا چاہئے لیکن اس کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ یہ سب آدمی ایک ہی مقصد کو مختلف طریقوں پر حل کرنا چاہتے ہیں سب ہی صدق دل سے اپنے عقیدے پر اعتماد رکھتے ہیں اور دوسروں کی کچھ بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو ناپسند کردہ راستہ پر چلنے کے لئے ہی مجبور سمجھتے ہیں۔ اور اس طرح بسا اوقات نسل انسانی کی کامیابیوں کا راز ان کی ناکامیابیوں سے حاصل شدہ نتیجہ میں مضمر ہے۔ جو ان لوگوں کو حاصل کئے ہوئے ہیں۔ جنہوں نے اب سے پہلے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوششیں کی ہیں۔

تواریخ پر نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص زمانے میں یہ عین ممکن تھا کہ جرمن مسئلہ دو طریق پر حل ہوجاتا۔ ان دونوں طریقوں کے نمائندے آسٹریا اور پروشیا نیز ان کے شاہی خاندان ہیپسبرگ اور ہوہن زولنز تھے۔ اور ایسا ہی شروع میں ان دونوں کو سمجھنا بھی چاہئے تھا باقی سب کو جو اس سوال سے کچھ ہمدردی رکھتے تھے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک فریق کے ساتھ مل جانا مناسب تھا۔ پھر ان دونوں میں سے جو بھی زیادہ قابل ثابت ہوتا۔ اسی کے طریقے پر سب چل پڑتے۔ اور اس طرح نہ تو آسٹرین طریقے سے ہی جرمن سلطنت کا کام چلانے کی کبھی ضرورت ہوتی اور نہ اس کا آخری انجام ہی یہ ہوتا کہ اس جرمن اپنے دلوں میں یہ سمجھنے لگے کہ اب دو بھائیوں میں ایک مہیب خانہ جنگی کے آثار پیدا ہونے لگے ہیں۔ کیونکہ جرمنی کا شاہی تخت و تاج در حقیقت "گونگ رانز" کے میدان میں فتح کرلیا گیا تھا۔ نہ کی پیرس کے گرد و نواح کے کسی جنگ و جدل میں جیسا کہ عموماً" غلطی سے سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح جرمن سلطنت کی بنیاد دونوں مشترکہ طریقوں کی مشترکہ خواہشات سے نہیں رکھی گئی۔ بلکہ یہ دونوں فریقوں کے دیدہ و دانستہ جنگ و جدل کا نتیجہ تھی۔ جو وہ اپنی اپنی فوقیت کے لئے لڑتے رہے تھے اور جس میں پروشیا کو آخری فتح نصیب ہوئی۔ اس لئے اگر ایک ہی مقصد کے لئے کئی آدمی جدوجہد کرتے ہیں تو یہ کوئی

www.freepdfpost.blogspot.com

قابل افسوس بات ہرگز نہیں ہوتی کیونکہ اسی طرح بہترین ' قابل ترین ' مضبوط ترین اور تیز ترین انسان پہچانا جاتا ہے۔ اور وہی بالاخر فتح مند ہوا کرتا ہے۔

دوسری وجہ نہ صرف افسوس ناک ہی ہے بلکہ قابل رحم بھی ہے۔ کیونکہ یہ بغض و حسد اور حرص و طمع سے پیدا ہوتی ہے۔ جس سے انسان چوری کے لئے بھی تیار ہوجاتا ہے۔ اور قابل افسوس بات تو یہ ہے کہ اکثر یہ چوری وغیرہ عیوب بھی انسانی مفاد سے تعلق رکھنے والے امور کے ساتھ ملے جلے پائے جاتے ہیں۔ اسی لئے جونہی کہ کوئی نئی تحریک شروع کی جاتی ہے۔ وہ اپنا کوئی خاص پروگرام عوام کے سامنے پیش کرتی ہے۔ تو بہت سے آدمی میدان میں سے نکل کر اسی مقصد کے لئے جدوجہد کرنے کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں لیکن اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ سبھی پوری پوری دیانت داری سے اس تحریک میں حصہ لینے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس کے حق قدامت کو تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ وہ تو محض اس پروگرام کو چرانا چاہتے ہیں جس پر نئی پارٹی نے اپنی بنیاد رکھی ہے۔

اس طرح ۱۹۱۸-۱۹ء میں جو بہت سی پارٹیاں "نیشلسٹ" کے نام سے قائم ہوگئی تھیں۔ ان کی قائمی ان کے بانیوں کے لئے کچھ باعث فخر نہ تھی۔ کیونکہ یہ تو محض ایک قدرتی نشونما تھی لیکن آج ۱۹۲۰ء میں ان سب میں سے نیشنل سوشلسٹ جرمن ورکز پارٹی آہستہ آہستہ سب سے زیادہ طاقتور اور فتح مند ثابت ہوئی۔ اس لئے اور کوئی چیز بھی ان پارٹیوں کے بعض لیڈروں کی صادقانہ دیانت داری اور قابلیت کو ایسے حیرت انگیز طریق پر ثابت نہیں کرپاتی تھی۔ جیسی کہ یہ حقیقت کہ ان میں سے کئی ایک نے نہایت قابل تعریف پھرتی کے ساتھ یہ فیصلہ کرلیا کہ وہ اپنی کم کامیاب پارٹیوں کو غیر مشروط طور پر قربان کرکے انہیں زیادہ کامیاب اور زیادہ طاقت ور پارٹی کے اندر جذب کردیں گے۔ چنانچہ نورمبرگ کی جرمن سوشلسٹ پارٹی کے روح رواں جولیس سٹریشر نے خصوصاً" یہی روش اختیار کی۔ یہ دونوں پارٹیاں بالکل آزادانہ طور پر ایک ہی مقصد کو مدنظر رکھ کر جاری کی گئی تھیں۔ کہ جرمن ورکز پارٹی اس کی پارٹی کی نسبت زیادہ مضبوط اور طاقتور ہے وہ اپنے سب ساتھیوں سمیت ہماری پارٹیوں میں شامل ہوگیا اور اپنی پارٹی کو توڑ کر ایک مشترکہ مقصد کے لئے ہمارے ساتھ مل کر کام کرنے لگا۔ اس کا یہ فیصلہ ہر پہلو سے قابل تعریف تھا۔ مگر بہ حیثیت ایک انسان کے ایسا کرنا کچھ آسان نہیں ہوتا۔

لیکن ہمیں یہ کبھی نہیں بھول جانا چاہئے۔ کہ اس دنیا میں صرف "اشتراک" (لوکیشن)

www.freepdfpost.blogspot.com

سے ہی کبھی کوئی بڑا کام سرانجام نہیں پاتا۔ بلکہ ہمیشہ صرف ایک واحد شخص کی فتح سے پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ اشتراک سے اگر کبھی کوئی کامیابی ہو بھی جاتی ہے۔ تو اس میں ابتداء سے ہی آئندہ پھوٹ کا بیج پیدا ہوجاتا ہے جس کی بدولت وہ کامیابی بھی بے اثر ہوجاتی ہے۔ جو اس اشتراک سے پہلے یا اس کے عین بعد کچھ تھوڑی بہت حاصل ہوئی تھی اور نہ ظہور پذیر ہوتی ہے۔ مختلف عناصر کے اشتراک سے تو یہ قطعی ناممکن ہے اس لئے کوئی قومی حکومت مختلف قوم پرست کارکنوں کی مختلف تحریکوں کے ناپائیدار اشتراک کی بدولت قائم نہیں ہوسکتی۔ اس کے لئے تو صرف ایک واحد تحریک کی ہی نہایت زبردست اور ناقابل تسخیر قوت ارادی کی ضرورت ہے۔۔ اور وہ بھی اس حالت میں جبکہ وہ تحریک اور سب تحریکوں کو شکست دے کر ان پر فتح پا لے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

سوشلسٹ ورکرز سنستھا کا مدعا و مقصد

پرانی حکومت کی طاقت تین ستونوں پر قائم تھی۔ ایک تو بادشاہ کی شخصی عظمت اور دوسرے صیغہ جات حکومت اور تیسرے فوج ۔ انقلاب ۱۹۱۸ء نے شخصی عظمت کو اڑا دیا فوجوں کی تنظیم کو بھی خراب کردیا۔ اور صیغہ جات حکومت کو پارٹی بازی کے رحم پر چھوڑ دیا۔ اس طرح ان تینوں ہی ضروری ستونوں کی بنیاد کھوکھلی ہوگئی۔

وقار حکومت کے لئے پہلا دائمی اور ضروری عنصر ہر دلعزیز حمایت ہے۔ لیکن جو حکومت صرف اسی پر انحصار رکھتی ہے۔ وہ بھی بالکل کمزور ' ناپائیدار اور ڈانوا ڈول رہتی ہے۔ دوسرا صریح عنصر "طاقت" ہے۔ جب طاقت اور ہردلعزیز حمایت دونوں مل جاتی ہیں اور ایک خاص عرصہ تک مضبوط رہتی ہیں تب حکومت بھی سستا" زیادہ پختہ بنیادوں پر قائم ہوجاتی ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ پائیدار بنیاد وہ ہوتی ہے جس میں ان دونوں کے ساتھ "روایات قومی" بھی شامل ہوتی ہیں۔ اگر ایک مرتبہ بھی کسی حکومت کی بنیاد میں "ہردلعزیز حمایت' طاقت اور روایات" کا اشتراک ہوجائے تو وہ حکومت اٹل اور راچل ہوجاتی ہے۔ اور اس کی پختگی اور مضبوطی میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا۔

یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کہ عوام کی اکثریت جسے میں "درمیانہ طبقہ" کہنا زیادہ پسند کروں گا۔ کبھی بھی کوئی نمایاں ہستی اختیار نہیں کرتی۔ سوائے اس حالت کے جبکہ دونوں انتہائی جماعتیں آپس میں برسرجنگ ہوں۔ ان میں سے جو بھی جماعت فتح مند ہوجاتی ہے۔ یہ درمیانہ طبقہ بھی اسی کی متابعت منظور کرلیتا ہے۔ جب بہترین آدمی برسر حکومت ہوتے ہیں تو عوام ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اور جب بدترین اشخاص کے ہاتھوں میں عنان حکومت ہوتی ہے۔ تو وہ کم از کم ان کی بھی مخالفت نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ "درمیانہ طبقے" کی عوام لڑنا بھڑنا تو کسی صورت میں پسند نہیں کرتے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

اسی لئے جنگ کے بعد ہمیں یہ نظارہ نظر آیا کہ قوم کے بڑے درمیانے طبقے نے جیسا کہ اس کا فرض تھا۔ خون کی صورت میں اپنے حصے کا محصول ادا کردیا۔ بہترین لوگوں نے انتہائی طبقے نے نمایاں مردانگی کے ساتھ تقریباً" آخری ممکن حد تک قربانی کی لیکن بدترین اشخاص کے انتہائی طبقے کی ہمارے احمقانہ قوانین کی حفاظت کرتے رہے اور قواعد جنگ کو ان پر اس حد تک عائد نہیں کیا گیا۔ جس حد تک ہونا چاہئے تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے تقریباً" ایک ایک آدمی زندہ بچ گیا۔ اور ہماری قوم کے اس کوڑے کرکٹ نے ہی جس کی ایسی احتیاط کے ساتھ حفاظت کی گئی تھی بالاخر انقلاب برپا کردیا۔ اور یہ صرف اپنی ان کوشش میں اسی لئے کامیاب ہوسکا کہ بہترین انسانوں کے اولین طبقے کے لوگ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے باقی نہ رہے تھے اور تقریباً" سب کے سب ہی جنگ میں کام آچکے تھے۔

لیکن یہ مارکسسٹ لٹیرے اپنے اختیارات کے لئے صرف "ہر دلعزیز حمایت" پر بھی زیادہ عرصہ تک بھروسہ نہیں رکھ سکتے تھے۔ لیکن بہرحال نوجوان جمہوریت کو اس کی ضرورت تھی۔ کیونکہ وہ یہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ ایک مختصر سے زمانے کی بدنظمی کے بعد ہماری قوم کی بہترین عنصر کے باقی ماندہ اشخاص ایک تعزیری طاقت کی شکل اختیار کرکے یکایک اٹھ کھڑے ہوں اور ان کے سر کچل ڈالیں مگر ساتھ ہی اس کے وہ عنصر جو انقلاب کا حامی تھا۔ اور جس نے انقلاب کرایا تھا۔ اپنی حفاظت کے لئے فوجوں کو بھی نہیں بلا سکتا تھا۔ کیونکہ وہ حکومت کی تنظیم پسند نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس میں جو بدنظمی پیدا ہوگئی تھی وہی ان کے لئے مفید طلب تھی۔ اس لئے اسے ہی وہ پسند بھی کرتے تھے۔ اسی لئے ان کا حفاظتی کلمہ (پاس ورڈ PASS WORD) یا آخری مقصد جرمن جمہوریت کی "باقاعدگی اور اس کی ساخت" نہیں تھا۔ بلکہ "اس کا لوٹنا۔ گھسوٹنا اور تباہی" کرنا تھا اور یہی وہ کر بھی رہے تھے۔

مگر اتنے ہی میں پہلی مرتبہ کچھ ایسے جرمن نوجوان میدان عمل میں نمودار ہوگئے جو ملکی خدمت کے لئے اور جیسا کہ وہ کہتے تھے۔ "امن و نظام کی برقراری کے لئے ملک کو تباہ کرنے والوں کے خلاف فوجی وردی پہن کر فولادی خودسہ پر اور بندوقیں کندھے پر رکھ کر میدان جنگ میں آنے کے لئے تیار تھے۔ وہ والیٹروں کی حیثیت سے جمع اور منظم ہوگئے اور انقلاب سے ہمیشہ نفرت کرتے ہوئے بھی ملک کی حفاظت اور اس میں طاقت عمل پیدا

www.freepdfpost.blogspot.com

کرنے کے لئے نیک نیتی سے کام کرنے لگے۔

انقلاب کے حقیقی مانی مبانیوں اور اس کے اصلی تار ہلانے والوں یعنی بین الاقوامی یہودیوں نے جرمنی کی صورت حالات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگا لیا تھا یعنی وہ یہ سمجھتے تھے کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا جب کہ جرمنی کو بھی بولشویکی خونریزی کے بڑھے میں ویسے ہی دھکیل دیا جائے جیسے کہ روس کو دھکا دیا گیا ہے کیونکہ ان کے سامنے یہ سب سے اہم سوال ہمیشہ سے درپیش تھا کہ اگر ایسا ہوا تو ان فوجی سپاہیوں کا رویہ کیا ہوگا؟ جو ابھی میدان جنگ میں ہیں؟ کیا وہ انقلاب میں ہمارا ساتھ دیں گے؟ اس لئے وہ ان ایام انقلاب کی گرما گرمی میں بھی یہ سوچنے کے لئے مجبور تھے۔ کہ اگر ہم اس خطرے میں نہیں پھنسنا چاہتے کہ ابھی فوجوں کے جو دو تین ڈویژن جو جنگی محاذات پر موجود ہیں وہ فوراً" ہی آکر ہم سب انقلاب انگیزوں کا خاتمہ کردیں تو ہمیں اپنی تمام انقلابی شورشوں کو حد تک درجہ معتدل صورت میں رکھنا پڑے گا کیونکہ اگر کہیں ایک ڈویژنل کمانڈر نے بھی اپنی دل میں ہماری مخالفت کا فیصلہ کرلیا۔ تو وہ اور اس کے وفادار ساتھی فوراً" ہی مارے "سرخ جھنڈے" کو پیروں تلے روند دیں گے اور اس جھنڈے کی حامی "کونسلوں" کو سی دیوار کے سامنے کھڑا کرکے بھنوں کی مانند بھون ڈالیں گے۔ اور اگر دستی بموں کے لوگوں سے ان کی کچھ مخالفت کی تو وہ کب کچھ کارگر ہوسکے گی؟ پھر اس ایک ڈویژن کا ایک ہی مہینے کے اندر اندر چھ ڈویژن بن جانا بھی تو کچھ غیر ممکن نہیں۔

غرضیکہ یہی وہ سب دور اندیشانہ خیالات تھے جنہوں نے ان یہودی ہلانے والوں کو ہیبت زدہ کرکے زیادہ شرارت کرنے سے باز رکھا تھا۔ کیونکہ انقلاب امن و انتظام کی طاقتوں کے ذریعہ تو ہوتا ہی نہیں صرف فتنہ و فساد اور لوٹ مار کی طاقتوں سے ہی ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی مزید تشویش ناک نشوونما بھی ان فتنہ انگیز منظموں کے قابو میں نہیں رہتی جو انقلاب پیدا کرتے ہیں نہ وہ اس کی آئندہ ترقی اور رفتار کا ہی کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں اور نہ وہ ان نگاہوں میں ہمیشہ کے لئے پسندیدہ رہ سکتی ہیں۔

اس لئے جوں جوں سوشیل ڈیموکریسی یعنی "مجلس جمہوریت" کے اصول ملک میں پھیلتے گئے۔ انقلاب کی تشدد پسندی اور وحشیانہ طاقت کا استعمال بھی روز بروز کم ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ جنگ ختم ہونے سے پہلے ہی "سوشیل ڈیماکریٹک پارٹی" عوام کی تساہل پسندی اور امن پرستی کا سہارا لے کر قومی تحفظ کرنے والی طاقتوں کے گلے میں سیسے کا ایک بھاری مردہ بوجھ

www.freepdfpost.blogspot.com

کی مانند لٹک کر رہ گئی۔ اور اس کا جو زیادہ شورش پسند اور سرگرم حصہ تھا۔ وہ اس سے باہر ہو کر مختلف حملہ آور دستوں کی صورت میں تبدیل ہوگیا۔ اور انڈ۔پینڈنٹ پارٹی "سپارٹیکس یونین" اور انقلابی مارکس ازم کے طوفانی دستے وغیرہ ناموں سے کئی چھوٹی موٹی جماعتیں پیدا ہوگئیں۔ لیکن جب فوجیوں نے محاذات جنگ سے واپس آکر انقلاب کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک حوفناک لیکن خاموش دیو کی سورت اختیار کرلی تب تو ابھی کی بھی نانی مرگئی۔ اور اس طرح انقلاب کی جدوجہد اور اس کی سرگرمی اور بھی ہلکی پڑ گئی۔ صرف سوشلسٹ ڈیموکریٹک ہجوم اپنے حاصل کردہ مقامات پر قابض بنے رہے۔ مگر انہوں نے انڈ۔پینڈنٹ اور سپارٹیکس پارٹی والوں کو بھی اپنے سے الگ ایک طرف دھکیل دیا۔ ابھی یہ صورت حال پوری طرح تبدیل بھی نہ ہونے پائی تھی کہ انقلاب پسندوں میں بھی دو مختلف جماعتیں پہلو بہ پہلو نظر آنے لگیں جن میں سے ایک تو امن و انتظام کی حامی تھی اور دوسری قتل وخونریزی اور ہیبت انگیزی کی ایسی حالت میں کیا یہ محض قدرتی نہ تھی کہ بورجیوس (درمیانہ طبقہ سے تعلق رکھنے والی سرمایہ پرست) جماعت کو بھی اپنی پوری طاقت و رسوخ کے ساتھ امن پسند لوگوں کے ساتھ شامل ہوجاتی۔؟

انجام اس کا یہ ہوا کہ جمہوریت کے مخالفوں نے بھی اس کے خلاف اپنا سب جنگ و جدل بند کدیا۔ اور ساتھ ہی اس کے وہ ان لوگوں کو بھی ٹھنڈا کرنے میں جمہوری حکومت کی مدد کرنے لگے۔ جو ابھی تک حکومت کے خلاف تھے۔ اگرچہ ان کے اس تعاون کی وجوہات باہم ہی مختلف تھیں مگر پھر بھی اس کے نتیجے میں آہستہ آہستہ یہ خطرہ پیدا ہوگیا کہ شاید پرانے دور حکومت کے حامی ہی نئی حکومت کی مخالفت میں جنگ و جدل شروع نہ کردیں۔

جب ہم اس سوال پر غور کرتے ہیں کہ پرانی حکومت کے ان تمام عیوب سے قطع نظر جو اس انقلاب کے باعث ہوئے ہیں۔ خود یہ انقلابی حکومت اتنی کامیاب کیسے ہوگی؟ تو ہم ان نتائج پہنچتے ہیں کہ اول تو اس کی کامیابی کی وجہ یہ ہے کہ عوام کے دلوں میں ان کے فرائض و فرمانبرداری کا تخیل بالکل ہی مردہ ہوچکا تھا اور دوسرے ان تمام دوسری پارٹیوں بزدلی اور مردنی سی چھا گئی تھی۔ جن سے یہ امید رکھی جاتی تھی۔ کہ وہ شاہی حکومت کو قائم رکھنے میں کچھ مدد کریں گی۔ ان میں سے پہلی وجہ کا حقیقی باعث تو وہ سرکاری تعلیم تھی جو قوم پرستی کے کسی برائے نام عنصر سے بھی قطعاً" عاری تھی۔ اور جس کی بدولت ہمارے قومی ذرائع و مقاصد کے متعلق بالکل غلط خیالات لوگوں میں پیدا ہوکر دور و نزدیک پھیل

www.freepdfpost.blogspot.com

چلے تھے۔ اور وہ یہاں تک بھول گئے تھے کہ قومی بیداری کی تکمیل فرائض اور فرمانبرداری ہی بذات خود ہمارا مقصد نہیں اور نہ حکومت ہی ہمارا آخری مقصد ہے۔ بلکہ یہ سب چیزیں تو ہمارے اس مقصد کو حل کرنے کے ممکن ذرائع ہیں۔ جن سے کہ یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ہماری قوم یقینی طور پر اپنی ہستی کو قائم رکھ سکے اور روحانی نیز جسمانی طور پر ایک مضبوط اور طاقتور زندگی بسر کر سکے اور یہ انقلاب صرف اس لئے کامیاب ہو گیا کہ ہماری قوم بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ہماری حکومت متذکرہ بالا خیالات کا صحیح احساس تک کھو بیٹھی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ احساس بطور ایک اصول کے کمزر ہو کر محض ایک نمائشی اور لفظی سی بات رہ گیا تھا۔ جس کی حقیقت و اہمیت کو کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ بورژوا پارٹیوں کو جو پرانی حکومت کے عہد میں اپنی قسم کی واحد سیاسی انجمنیں تھیں اس امر کا یقین ہو گیا تھا کہ چونکہ اپنی طاقت و قوت ظاہر کرنے کے سب جسمانی طریقے حکومت کے ماتحت ہیں۔ اس لئے وہ صرف دماغی ذرائع سے ہی اپنے خیالات اور اپنی قوت کا اظہار کر سکتی ہیں۔ لیکن یہ ایک بالکل حماقت آمیز خیال تھا۔ خصوصاً" اس زمانے میں جبکہ ان کے سیاسی مخالفوں نے اس نقطہ خیال کو بالکل ہی بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ اور وہ کمال دیانت داری سے یہ اعلان کر رہے تھے کہ وہ تو اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے جسمانی زور و طاقت سے بھی ضرور کام لیں گے۔ متوسط طبقات رعایا کی (بورجیوس) پارٹیوں کا سیاسی پروگرام زمانہ گزشتہ کے ساتھ اتنا وابستہ تھا کہ وہ اب تک بھی نئی صورت حالات سے مانوس نہ ہو سکے تھے۔ اگرچہ ان کا یہ مقصد ضرور تھا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے وہ نئی حکومت میں حصہ لے کے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں لیکن ان کے ہتھیار اب بھی لفاظی اور کوری لفاظی کے سوا کچھ اور نہیں تھے۔ اس لئے ان کی تمام کوششیں بے کار رہتی ہیں۔ اس وقت مارکس ازم کی مخالفت و ہمت اگر کسی میں تھی تو صرف ان جماعتوں میں جو پہلے تو فری کو "یعنی آزاد افواج" کے نام سے عوام کو مارکس ازم کے خلاف بھڑکا رہی تھیں اور بعد میں "ذاتی انجمنیں" ' "میں واما نروہر" اور سب سے آخر میں "رولیاتی زنجیروں کے مانند" وغیرہ وغیرہ ناموں سے مشہور ہو گئیں۔

اس زمانے میں مارکس ازم کی کامیابی کا باعث ان کے "سیاسی ارادوں کی مضبوطی" اور "وحشیانہ طاقت و قوت کی نمائش" کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔ جرمن قوم کے مستقبل کو کسی عملی سانچے میں ڈھالنے اور نشوونما دینے کے متعلق قوم پرست جرمنی کے راستے

www.freepdfpost.blogspot.com

میں اگر کوئی رکاوٹ تھی تو صرف یہ کہ اس کے سب افراد ابھی تک ارادے کی مضبوطی پوری پختگی و مضبوطی کے ساتھ نہ تو آپس میں تعاون ہی کرسکتے تھے اور نہ سیاسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ اپنے زور و قوت کا وحشیانہ استعمال ہی کرسکتے تھے۔ اس لئے ان "قوم پرست" مارٹیوں کی خواہشات اور ان کے جذبات خواہ کتنے بھی اعلیٰ اور بلند کیوں نہ مانے جائیں وہ ان کے لئے گلیوں اور بازاروں میں جنگ و جدل کرکے انہیں پایہ تکمیل تک پہنچانے میں بالکل قاصر ثابت ہوتے تھے مگر اس وقت تمام طاقت "ذاتی تحفظ کی انجمنوں" کے ہاتھوں میں تھی۔ اور وہی گلیوں بازاروں پر قابض تھیں۔ لیکن ان کا کوئی سیاسی پروگرام نہ تھا اور نہ کوئی سیاسی مقصد ہی ان کے پیش نظر تھا۔ اس لئے ان کی طاقت سے بھی قوم پرست جرمنی کو فوراً" کوئی فائدہ نہ پہنچ سکتا تھا۔"

یہ بھی ایک یہودی کارستانی تھی جس نے اخبارات میں مضمون چھپوا چھپوا کر نہایت کامیابی کے سے عوام کے ساتھ ساتھ ان "ذاتی حفاظت کی انجمنوں" کے ممبروں اور عہدیداروں کو بھی یہ یقین دلا دیا تھا کہ وہ تو بالکل غیر سیاسی جماعتیں ہیں اس لئے انہیں کبھی کسی ملکی یا قومی تحریک سے اپنے آپ کو وابستہ نہ کرنا چاہئے اس طرح یہ یہودی لوگ نہایت عیاری و مکاری سے سیاسی تحریکوں کو "خالصاً" دماغی تحریک" کہہ کہہ کر لوگوں کی نظروں میں ان کی اہمیت اور عظمت کو کم کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ انقلابی طاقتوں کے لئے بھی ابھی ایسا کوئی موقع نہ تھا کہ وہ نئی روایات قائم کرسکتیں۔ غرضیکہ اس وقت روایات کی تو کوئی قدر ہی باقی نہ رہ گئی تھی۔ پرانی سلطنت کی تباہی کے ساتھ ہی اس کی قدیم شان و شوکت اور روایات کا بھی نہایت بھدے طور پر خاتمہ ہوچکا۔ جس کے نتیجے کے طور پر حکومت کے وقار کو بھی سخت صدمہ پہنچا تھا۔

اس طرح اس حکومتی وقار کا دوسرا ستون بھی قائم نہ تھا۔ انقلاب پسندوں نے اپنی کامیابی کے لئے حکومت کی تمام منظم طاقت یعنی " سرکاری فوج" کے نظام کو بھی درہم برہم کردیا تھا۔ اور اس کا جو ٹوٹا پھوٹا غیر منظم حصہ بچ رہا تھا۔ اس سے وہ اپنے وہ اپنے انقلابی مقاصد کے متعلق جنگ و جدل میں کام لینے لگے تھے۔ لیکن پھر بھی حکومت ان باغیانہ ذہنیت والے سپاہیوں کی خدمات پر کچھ بھروسہ نہ کرسکتی تھی۔ جو فوجی خدمات کو بھہ نہایت سبک سری سے دن میں آٹھ گھنٹے تک کے لئے ہی محدود خیال کرنے لگے تھے۔ اس طرح انقلاب پسند جماعت اور اس کی حکومت کو سوائے ایک سہارے کے یعنی "ہردلعزیز

www.freepdfpost.blogspot.com

جماعت" کے اور وہ بھی مکمل طور پر نہیں بلکہ قدرے کم و بیش اور کوئی سہارا حاصل نہ تھا۔ اور اسی پر وہ اپنے وقار کی تمام عمارت قائم رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اگر غور کیا جائے تو قوم کو بھی اسی طرح تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اس کے ایک سرے پر تو بہترین اصحاب کو سمجھئے جو ہر پہلو اور ہر نیکی کے نقطہ خیال سے بہت مضبوط راسخ الاعتقاد اور اچھے ہیں۔ خصوصاً" اپنی' ہمت' جرات اور قربانیوں کے لئے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ دوسرے پر بدترین طبقہ یعنی سماج کا کوڑا کرکٹ جو حد درجہ خود غرض اور مطلب پرست ہوتا ہے اور اپنی ذات واحد کے سوا کسی کا بھی کچھ خیال نہیں کرسکتا ان دونوں حدود کے بیچ میں وہ سیرا فراخدل درمیانہ طبقہ ہے جس میں نہ تو بہت نیکی کی ہی سپرٹ اور نہ بہت بدی کی ہی۔

کسی نئے اور عظیم الشان تخیل کی کمی بھی ہر زمانے میں جدوجہد اور جنگ و جدل کی سپرٹ کو اکثر کرنے یا مار ڈالنے کی باعث ثابت ہوتی ہے یہ خیال کہ ہمیں ہر وقت اپنے اسلحہ کو استعمال کرنے کا حق حاصل ہے خواہ وہ ہتھیار کیسے بھی ناکارہ یا بے رحمانہ کیوں نہ ہوں عوام میں یہ پرجوش سپرٹ پھونک دیتا ہے کہ ہم ایک نئے انقلاب پسند طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جسے دنیا میں ضرور فتح یاب ہونا چاہئے جو تحریک ایک ایسے اعلیٰ آورش کے لئے بھی جدوجہد اور جنگ و جدل کرنے میں پس و پیش کرتی رہتی ہے۔ وہ کبھی آخری دم تک کشمکش نہیں کرسکتی اور جلد ہمت ہار بیٹھتی ہے۔ "انقلاب فرانس" نے دنیا کے سامنے ایک نیا اور عظیم الشان تخیل پیش کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل کرنے کا راز بھی معلوم کرلیا تھا۔ "انقلاب روس" کے متعلق بھی یہی بات کہی جاسکتی ہے۔ اٹلی کے "فیسرم" نے بھی اپنی تمام طاقت صرف اسی خیال سے حاصل کی ہے کہ وہ اسے اپنی تمام قوم کی کایا پلٹ کردینی چاہئے۔ اور اس کا نتیجہ بہرحال اس قوم کے لئے نہایت شاندار ہوگا۔

اسی طرح جب جرمن "ریش" کی بنیا رکھ کر اسے مضبوط کیا گیا۔ تو مارکس ازم نے بھی آہستہ آہستہ وہ سب طاقتیں حاصل کرلیں جو اس کے اختیارات کو قائم رکھنے کے لئے نہایت ضروری تھیں۔ اور اس کے منطقی نتیجے کے طور پر خوفناک نظر آنے والی "قوم پرست حفاظتی جماعتوں" کا اس بہانے سے خاتمہ کردیا تھا۔ کہ اب ان کی کچھ بھی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس کے بعد "نیشنل سوشلسٹ جرمن ورکز پارٹی" کا جنم بھی کسی ایسی تحریک کی

www.freepdfpost.blogspot.com

سب سے پہلی علامت کہا جاسکتا ہے جس کا مقصد دوسری بورجیوس پارٹیوں کی مانند محض مشینی طور پر گذشتہ زمانے کے حالات پیدا کرنا نہیں تھا۔ بلکہ موجودہ ناکارہ اور احمقانہ حکومتی مشینری کی بجائے ایک بالکل نئی اور قوم پرست مشینری قائم کرنا تھا۔ اور جس نے اپنے اس مقصد کے لئے مناسب سرگرمی سے کام بھی شروع کردیا تھا۔ اور اپنے اس خیال اور نوجوان تحریک کی اہمیت و عظمت پر اسے اتنا زبردست اعتقاد تھا کہ وہ اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لئے کسی بڑی سے بڑی قربانی کو بھی بہت زیادہ خیال نہ کرتی تھی۔

تاریخ عالم میں بارہا ایسا ہی ہوا ہے۔ کہ کسی عالم گیر نئے اصول کے زبردست اور خوف انگیز پرچار کو وقتی حکومت کبھی دبانے اور کچلنے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ بلکہ ہمیشہ ہی اسے اس نئے اصول کو پرچارکوں کے زبردست اور باہمت ارادوں کے سامنے ہار ماننی پڑی ہے۔ خواہ اس سے حکومت کے ان حامیوں کے دلوں کو جو اس وقت برسراقتدار تھے۔ کیسا بھی صدمہ کیوں نہ پہنچا ہو۔ لیکن وہ زمانہ رفتار کے راستے میں حائل نہیں ہوسکتے۔ اور نہ امور حقیقی کو بدلنے میں کامیاب ہوسکے۔ اس وقت چونکہ حکومت جرمنی مارکس ازم کا طوطی بول رہا تھا اس لئے یہ دیکھتے ہوئے ۹ نومبر ۱۹۱۸ء کو ارباب حکومت نے بغیر کسی خاص کشمکش کے غیر مشروط طور پر مارکس ازم کے سامنے سر تسلیم خم کرلیا ہے۔ وہ یہ خیال بھی اپنے دل میں نہ لاسکتے تھے کہ اتنی جلد وہ ایسی غیر متوقع طور پر کوئی دوسری طاقت مارکس ازم کا سر کچلنے کے لئے تیار ہوجائے گی اس لئے ان بوجیوس احمقوں نے جو وزارت کی کرسیوں پر متمکن تھے۔ مزدوروں کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی کبھی ضرورت محسوس ہی نہیں کی اور وہ "ورکرز یا "مزدوروں" کے معنی ہمیشہ مارکس ازم کے اصولوں کی پیرو مزدور ہی سمجھتے رہے۔

میں پہلے یہ بتا چکا ہوں کہ کس طرح ہماری نوجوان تحریک نے ہر عملی مقصد کے لئے لیکن بظاہر اپنے جلسوں کے انتظامات کو قائم رکھنے کے بہانے سے آہستہ آہستہ اپنا ایک دستہ تیار کرلیا جو بعد ازاں ایک باقاعدہ اور فوجی منظم قوت میں منتقل ہوگیا۔ اگرچہ شروع شروع میں یہ صرف اپنے جلسوں کا محافظ سمجھا جاتا تھا اور اس کا کام محض یہی تھا کہ اپنے جلسوں کا انتظام اور ان کی محافظت کرے جنہیں ان کے مخالف منعقد نہیں ہونے دینا چاہتے تھے۔ انہیں صرف حملوں کو روکنے کی تعلیم دی گئی تھی۔ اس لئے نہیں کہ ان کے رہنما اپنی حماقت سے یہ سمجھ بیٹھے کہ کہ ہمیں صرف ربڑ کے بنے ہوئے ان محافظ جان

www.freepdfpost.blogspot.com

آالات" کی ضرورت ہے جو سمندر میں ڈوبنے والوں کے کام آتے ہیں۔ بلکہ محض اس لئے کہ اگر فی الحاک کوئی دوسرا آورش اس کے سامنے رکھا گیا۔ تو اسے ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ تاریخ عالم میں اکثر ایسا ہی دیکھنے میں آیا ہے کہ بڑے بڑے لیڈروں کا انجام کسی ناکارہ ذلیل سے انسان کے ہاتھوں خراب ہوگیا ہے۔ اس لئے ہم اگرچہ جبر و تشدد کو اپنا مقصد و مدعا ہرگز نہ سمجھتے تھے لیکن یہ بھی برداشت کرنے کے لئے کسی صورت میں تیار نہ تھے کہ کوئی طاقت اپنے جبر و تشدد کی امداد سے ہمارے اس عظیم الشان آورش کو کچل دے اور ملیا میٹ کردے اور ساتھ ہی اس کے ہم یہ بھی محسوس کرتے تھے کہ ہمارے فرائض میں یہ بات بھی کسی طرح شامل نہیں کہ ہم اس حکومت کی حفاظت و حمایت کریں جو ہماری قوم کی حفاظت کے متعلق اپنے پاک فرائض سرانجام نہیں دیتی۔ کیونکہ ہم تو ان لوگوں کے خلاف اپنے قوم و ملک کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں۔ جو انہیں تباہ و برباد کرنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔

اس لئے ہمارا یہ "طوفانی ٹولہ" بھی جیسا کہ دشمن اسے کہنے لگے تھے ہماری تحریک کا ایسا ہی ضروری صیغہ تھا جیسے کہ پرچار و اخبارات سائنٹفک درسگاہیں' یا کوئی اور شعبہ جو پارٹی کو اس کے مقاصد کی تکمیل میں مدد دے رہا تھا۔ درحقیقت اس "طوفانی ٹولہ" کا حقیقی و بنیادی منشاء یہ تھا کہ اس طرح ہم اپنے قومی نوجوانوں کو ان کی جسمانی نشوونما کے متعلق بھی مناسب تربیت و تعلیم دے سکیں تاکہ وہ مکمل ڈسپلن میں آکر نیشنل سوشلسٹ تحریک کے زبردست معتقد و محافظ ثابت نہ ہوسکیں۔ اس حفاظتی دستے کی قائمی سے میرا مطلب در حقیقت یہ تھا کہ چونکہ میں اچھی طرح یہ جانتا تھا کہ کسی قوم کی پوری پوری حفاظت پرائیویٹ حفاظتی انجمنوں کے ذریعہ اس وقت تک نہیں ہوسکتی۔ جب تک کہ حکومت بھی ان کی حفاظت پر نہ ہو۔ اس لئے فی الحال یہ قطعی ناممکن تھا کہ کوئی ایسی طاقت پیدا کی جائے۔ جو نمایاں طور پر نام نہاد "فوجی ڈسپلن" کے ماتحت ہو۔ کیونکہ اسے وہ نہایت ضروری اختیارات تو کسی طرح بھی حاصل نہیں ہوسکتے تھے۔ جن کا تعلق "سزا دہی" سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء میں اس دستے کی قائمی کا امکان محض اس طرح نظر آنے لگا کہ ہمیں اس کے لئے بہت سے ایسے رضاکار مل گئے جو پرانے فوجی نظام کے ماتحت پوری پوری فوجی تربیت حاصل کرکے میدان جنگ میں داد شجاعت دے آئے تھے اور یہ ایک ایسا وصف تھا جو اس زمانے میں دوسرے "حفاظتی دستوں" میں بالکل مفقود تھا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

اگر یہ بھی فرض کرلیا جاتا کہ باوجود مشکلات کے کوئی جماعت چند ایسے جرمنوں کو جو اپنی جسمانی ساخت کے لحاظ سے ہر طرح موزوں و مناسب ہوں صحیح معنوں میں فوجی تعلیم و تربیت دینے میں کامیاب ہوجائے گی تب بھی تو اس وقت تک اس کا نتیجہ صفر کے ہی برابر تھا۔ جب تک ملکی حکومت کو یہ بات پسند نہ ہو۔ جو اس خیال کے قطعی خلاف تھی بلکہ اس سے نفرت کرتی تھی۔ کیونکہ حکومت کا مدعا تو ہر طرح ملک و قوم کی طاقت کو کمزور کرنا تھا نہ کہ اس تحریک کے مقاصد سے بالکل ہی نہیں مل سکتا تھا۔ جو آج بھی تقریباً" یہی حالت تھی کیونکہ کیا حکومت کے لئے یہ کوشش محض مضحکہ خیز نہ ہوتی کہ دس بارہ ہزار سپاہی ایسے بالواسطہ اور نیم پوشیدہ طریقوں پر تیار کرتی ہے۔ حالانکہ آج سے پھر چند سال پہلے ہی اس نے نہایت شرمناک طور پر پانچ لاکھ اعلیٰ تربیت یافتہ سپاہیوں کے فوجی نظام کو محض اس بہانے سے تباہ و برباد کردیا تھا۔ کہ اب ان کی کچھ ضرورت باقی نہیں رہی۔ گویا کہ یہی ان سب کی ان جان بازیوں اور جان نثاریوں کا معقول و موزوں معاوضہ تھا۔ جو انہوں نے قومی عزت و عظمت کی حفاظت کے لئے میدان جنگ میں ظاہر کی تھیں ایسی حالت میں کیا یہ کبھی امید کی جاسکتی تھی کہ کوئی بھی خود دار سپاہی ایسی حکومت کے ماتحت ملازمت کرنے کے لئے تربیت پانا پسند کرے گا۔ جس نے اپنے شاندار سپاہیوں پر تھوک کر ان کے تمغہ اور بلے نوچ کر پھینک دیئے ہوں اور ان کے فوجی جھنڈوں کو نہایت نفرت کے ساتھ پیروں میں روند کر ان کی شاندار کامیابیوں پر حقارت کی غلاظت بکھیری ہو؟ یا کیا اس حکومت نے اپنی پرانی فوج کو عزت و اہمیت کو برقرار رکھنے یا ان کی بحالی کے لئے کبھی کوئی معمولی سا بھی قدم اٹھایا تھا یا ان لوگوں کو کسی طرح سے کسی جواب دہی یا تلافی کے لئے مجبور کیا تھا۔ جنہوں نے کہ اپنے اختیارات کے غلط استعمال سے فوجوں کی توہین کی ہے۔ نہیں بالکل نہیں! بلکہ انہیں ترقی دے کر اور بھی اعلیٰ سرکاری عہدوں پر پہنچا دیا تھا۔ اور پھر سبرنگ کے مقام پر یہ ڈینگ ماری تھی کہ "طاقت کے ساتھ ہی ساتھ حق بھی رہتا ہے۔ یعنی چونکہ آج کل تمام ملکی طاقت ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ جنہوں نے انقلاب برپا کیا ہے اور چونکہ یہ انقلاب بھی ملک کے خلاف ایک ذلیل ترین غداری اور تاریخ جرمنی میں سب سے زیادہ بدمعاشی آمیز فعل ہے۔ اس لئے کوئی اور بھی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ایک نئی اور نوجوان فوج قائم کرکے اس کی شیطانی طاقت میں کچھ اور اضافہ کیا جائے۔ ؟

www.freepdfpost.blogspot.com

اسی لئے ہر ایک سمجھدار آدمی کی عقل و فہم اس کے خلاف ہے۔

مزید برآں اگر حکومت جیسی کہ آج کل ہے۔ حفاظتی دستوں کی تربیت کے کام کو اپنے ہاتھوں میں لے بھی لیتی۔ تو بھی اس سے یہ امید ہرگز نہ کی جاسکتی تھی۔ کہ وہ اپنے ان دستوں کو حدود ملک سے باہر کسی قومی مفاد کی حفاظت میں استعمال کرے گی۔ یا ملک کے اندر بھی ایسے اشخاص کے خلاف کام میں لائیگی۔ جو عوام پر جور و تشدد روا رکھ کر قومی مفاد کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اور قوم کے غیض و غضب کو بھڑکا رہے ہیں۔ اسی لئے ہم نے بھی اپنے "طوفانی دستوں" کا بظاہر کسی فوجی نظام سے کوئی تعلق نہیں رکھا اور انہیں خالصاً" نیشنل سوشلسٹ تحریک کی حفاظت و پرچار کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے نام نہاد "حفاظتی انجمنوں" سے بالکل ہی مختلف کاموں میں مصروف رکھا اور نہ انہیں کسی طرح سے کوئی خفیہ سوسائٹی ہی ظاہر ہونے دیا۔ کیونکہ خفیہ جماعتوں کا کام پھر بھی خلاف قانون سمجھا جاتا ہے۔ اور انہیں ہمیشہ شک و شبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

اس وقت ہمیں جس چیز کی سب سے بڑی ضرورت تھی۔ اور اب بھی ہے وہ یہ تھی اور ہے کہ ہمارے مددگار سو دو سو غلط کار سازشی نہ ہوں۔ ہماری نئی عالمگیر تحریک کی حمایت میں سب کچھ برداشت اور قرباں کرتے ہوئے ہر طرح کی جدو جہد کے لئے ہر وقت تیار رہیں۔ اس لئے انہیں چوری چھپے کوئی کام کرنے کی بجائے۔ کھلم کھلا 'دن دہاڑے' اور ببانگ دہل پوری طاقت و قوت سے ہر ایک کام جو انہیں کرنا ہو کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ کیونکہ ہم یہ اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ ہمارے کام کے لئے زہر خورانی۔ چھرے کی نوک یا پستول کی گولیوں سے ہرگز کوئی راستہ صاف نہ ہوگا۔ بلکہ گلی کوچے میں پھرنے والے ہر مرد و زن کے دل پر فتح۔ کامل فتح حاصل کرنے سے ہی ہمارا راستہ کھل سکے گا۔ ہم مارکس ازم کو صرف اس لئے ختم کرنا چاہتے تھے۔ کہ آئندہ گلی کوچوں کی نگرانی اور حکومت نیشنل سوشلسٹ کے ہاتھوں میں آجائے جیسے کہ اب آہستہ آہستہ آبھی رہی ہے۔ اور آئندہ بھی روز افزوں آنے کی امید ہے۔

خفیہ انجمنوں سے ایک اور بھی خطرہ یہ ہے۔ کہ ان کے ممبر اپنے کام کی اہمیت و عظمت کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتے اور یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ صرف ایک یا دو قتل و خون سے ہی ہماری قومی تحریک ایک شاندار کامیابی حاصل کرلے گی۔ یہ خیال صرف اس صورت میں کسی قدر حق بہ جانب خیال کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ قوم کسی ایک غیر معمولی طور پر

www.freepdfpost.blogspot.com

لائق و قابل شخص کے زور ظلم کا شکار ہو۔ نہ کہ ایسی حالت میں جبکہ لنکا میں ہر ایک باون گز کا ہو۔ چنانچہ ۲۰-۱۹۱۹ء میں یہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ کہ کہیں خفیہ انجمنیں قائم ہوجانے پر ان کے ممبر یا مختلف تاریخی نظائر سے متاثر ہو کر دشمنان ملک سے انتقام لینے اور ان کا خاتمہ کرنے کو ہی اپنی حد سے بڑھی ہوئی قومی بدقسمی کا علاج نہ سمجھ بیٹھیں ۔ اور اسی کو اپنی قومی مصائب دور کرنے کا ایک ذریعہ نہ خیال کرلیں۔ کیونکہ ایسی سب کوششیں خالص حماقت کے سوا اور کچھ بھی نہ ہوتیں۔ اس لئے کہ مارکسٹ فتوحات کا باعث کسی ایک سربراہ آورہ نمایاں شخصیت کی غیر معمولی قابلیت تو تھی ہی نہیں ۔ بلکہ ہمارے ہمارے بورجیوس(درمیانے) طبقے کی اپنی ناقابل اندازہ نالائقی و بزدلی ہی تھی جس کے لئے یہ علاج کسی طرح موزوں و مناسب نہیں ہو سکتا تھا۔

اس لئے یہی مناسب سمجھا گیا کہ جب ہمارے "طوفانی دستوں" کو نہ تو ایک فوجی نظام کی ہی شکل دی جاسکتی ہے اور نہ خفیہ انجمنوں کی ہی تو انہیں مندرجہ ذیل اصولوں پر ہی نشونما دی جائے:۔

۱۔ ان کی تعلیم و تربیت فوجی طریقہ پر ہوتے ہوئے بھی اس امر کو ہمیشہ خاص طور پر مد نظر رکھا جائے کہ ہماری پارٹی کی مقاصد براری کے لئے بہترین طریقہ عمل کیا ہوسکتا ہے ؟ اس لئے اپنے ممبروں کی جسمانی قابلیت بڑھانے کے لئے فوجی قواعد پر اتنا زور نہ دیا جائے جتنا کہ مردانہ کھیلوں اور ورزشوں کی تعلیم پر اسی لئے میں معمولی سے نشانہ بازی کی مشق پر مکے بازی اور جاپانی فن پہلوانی "جیوجنسو" کو ہمیشہ قابل ترجیح سمجھتا رہا ہوں۔

۲۔ طوفانی دستوں کو خفیہ جماعتوں کی سی صورت اختیار کرنے سے باز رکھنے کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا ہے۔ کہ نہ صرف ان کی وردی کو ہی عام طور پر تسلیم کر لیا جائے ۔ بلکہ اس کی اہمیت پر بھی ہمیشہ زور دیا جائے۔ تاکہ وہ تحریک کے لئے سب سے زیادہ مفید ہوسکے اور ہر جگہ .سہولت پہچانی جا سکے اور اس میں کسی طرح سے بھی کسی راز کو مد نظر نہ رکھا جائے۔

۳۔ "طوفانی دستوں " کی ساخت اور ان کے نظام میں پرانے فوجی قواعد و ضوابط پوشاک و لباس اور سازو سامان کی کسی طرح بھی نقل نہ کی جائے بلکہ اس کے لئے ایسی ایسی نئی باتیں اور نئی چیزیں سوچی اور تجویز کی جائیں جو ہمارے موجودہ منشا و مقصد کے

www.freepdfpost.blogspot.com

لئے بہترین و موزوں ترین ہوں۔

بعد ازاں تین واقعات نے ہمارے ان "طوفانی دستوں" کی اہمیت کو بڑھانے اور انہیں مزید نشو نما دینے میں اور بھی خاص طور پر مدد کی۔ ان میں سے پہلا واقعہ تو یہ تھا کہ ۱۹۲۲ء کی موسم گرم میں جب کہ سب محب وطن سوسائیٹیوں نے میونخ کے "کونگز پلائز" میں جمہوری حکومت "قوانین تحفظ" کے خلاف ایک عظیم الشان مشترکہ مظاہرہ کیا۔ تو ہماری نیشنل سوشلسٹ پارٹی کی طرف سے بھی صرف شہر میونخ کی چھ کمپنیاں شریک ہوئیں۔ ان کے پیچھے سیاسی پارٹی کے جو مختلف جتھے (سیکشن) تھے وہ ان کے علاوہ رہے اس موقع پر جو جلسہ ہوا اس میں ساٹھ ہزار سے کم حاضری نہ ہوگی۔ اور منجملہ دیگر اصحاب کے مجھے بھی اس جلسہ میں تقریر کرنے کا فخر بخشا گیا یہ مظاہرہ نہایت ہی شاندار طور پر کامیاب رہا کیونکہ "سرخوں" کی زبردست مخالفت اور دھمکیوں کے باوجود بھی اس موقع پر ہم نے پہلی مرتبہ یہ نہایت اچھی طرح ثابت کر دیا کہ میونخ کے قوم پرست بھی مناسب جرات کے ساتھ شہر کے گلی کوچوں میں اپنا جلوس نکال سکتے ہیں۔

۲۔ جب اکتوبر ۱۹۲۲ میں کوبرگ کو ایک مہم بھیجی گئی تو وہاں کی بعض جرمن نیشنلسٹ سوسائٹیوں نے وہاں بھی "یوم جرمنی" منانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ مجھے بھی اس کاروائی میں حصہ لینے کے لئے مدعو کیا گیا۔ اور یہ بھی درخواست کی گئی کہ میں اپنے ساتھ کچھ اور آدمیوں کو بھی لاؤں چنانچہ میں نے اپنے "طوفانی دستے" میں آٹھ سو آدمیوں کو اس چھوٹے سے قصبے میں لے جانے کے لئے منتخب کیا جو بویریا میں شامل کر لیا گیا تھا اور میں ایک سپیشل ٹرین میں انہیں وہاں سے لے کر پہنچ گیا۔ کوبرگ کے ریلوے سٹیشن پر مسلمان "یوم جرمن" کے ایک وفد نے ہمارا خیر مقدم کرنے کے موقع پر مجھے یہ اطلاع دی کہ یہ تمام انتظام مقامی ٹریڈ یونینوں کے ایما سے کیا گیا ہے۔ جن کا تعلق انڈیپنڈنٹ اور کمیونسٹ پارٹیوں سے ہے۔ اس لئے ہمیں اپنے جھنڈے لہراتے ہوئے اور بینڈ بجاتے ہوئے ایک ٹھوس جتھے کی صورت میں شہر میں داخل نہیں ہونا چاہئے (کیونکہ میں اس موقع پر اپنا بینڈ بھی ساتھ لے گیا تھا۔ جس میں ۴۲ باجہ نواز تھے) مگر میں نے ان شرمناک شرائط کو ماننے سے فوراً انکار کر دیا۔ اور جن شرفا نے یہ یوم منانے کی ہمت ظاہر کی تھی ان کے طریقہ عمل پر اظہار حیرت کرتے ہوئے پوچھا:۔

"پھر آپ نے ان لوگوں کو اپنے ساتھ کیوں شریک کیا؟ اور اگر شریک بھی کیا تھا تو

www.freepdfpost.blogspot.com

ان کی یہ شرط کیسے مان لی ؟ بعد ازاں ان سے یہ صاف کہہ دیا کہ "میں آپ کی یہ تجویز کسی طرح بھی منظور نہیں کر سکتا۔ اس لئے اعلان کرتا ہوں کہ میرا جتھا اپنی ٹھوس شکل میں ہی جھنڈے اڑاتا اور بینڈ بجاتا ہوا شہر میں داخل ہوگا"

چنانچہ جب ہم پلیٹ فارم سے سٹیشن کے احاطے میں نکلے تو ہزاروں آدمیوں کے ایک جم غفیر نے "قاتل 'ڈاکو' لٹیرے' مجرم' " وغیرہ وغیرہ خطابات کے پرزور نعروں سے جن کی جرمن جمہوریت کے حامی ہم پر ہمیشہ بارش کیا کرتے تھے ہمارا استقبال کیا مگر ہمارے نوجوان "طوفانی دستے" پر ان کی ان پوچھاڑوں کا کیا اثر ہو سکتا تھا؟ ان کے سکون میں ذرہ بھر بھی فرق نہ پڑا۔ وہ کامل خاموشی اور ضبط کے ساتھ آگے بڑھتے چلے گئے اور اسی طرح عین ناف شہر میں "ہاف براہوس کیلر" کے وسیع احاطے میں جا پہنچے مقامی پولیس نے لوگوں کو ہمارے پیچھے پیچھے جانے سے روکنے کے لئے ہمارے داخل ہوتے ہی احاطے کا پھاٹک بند کرکے قفل لگادیا۔ چونکہ میرے لئے یہ سب کچھ ناقابل برداشت تھا اس لئے میں نے پولیس سے فوراً پھاٹک کھول دینے کا مطالبہ کیا۔ کسی قدر پس و پیش کے بعد کچھ سوچ سمجھ کر پولیس نے پھاٹک کھول دیا اور ہم جس راستے سے آئے تھے اسی سے اس مقررہ مقام پر پہنچ گئے۔ جہاں کہ ہجوم سے ہمارا رود رود مقابلہ ہونا تھا وہاں سوشلزم مجلسی مساوات اور عالمگیر اخوت کے ان سچے نمائندوں نے ہمارے اوپر پتھر برسانے شروع کردیئے حتیٰ کے ہمارا صبر و تحمل بھی اپنی آخری حدود تک پہنچ گیا۔ پھر تو ہم نے بھی کوئی دس منٹ تک خوب دائیں بائیں آگے 'پیچھے وار پر وار شروع کر دیئے اور پندرہ منٹ میں ہی گلیوں میں کوئی "سرخ" ڈھونڈے بھی نہ ملا۔

رات کو بھی ایک زبردست تصادم ہوا "طوفانی ٹولے" کے گشتی دستے ایک جگہ عین وقت پر نیشنل سوشلسٹوں کی امداد کے لئے جا پہنچے۔ جہاں کہ مخالفین نے انہیں کمزور پاکر ان پر یکدم ہلہ بول دیا تھا۔ اور ان کا قافیہ تنگ رکھا تھا بس پھر کیا تھا ہمارے پہنچتے ہی سب کائی کی طرح پھٹ گئے اور نوکدم بھاگتے ہی نظر آئے۔ اس طرح اگلے روز صبح تک باشندگان کوبرگ کے دلوں سے "سرخوں" کی وہ سب ہیبت یک دم دور ہوگئی جس کے وہ برسوں سے شکار چلے آرہے تھے۔

اگلے روز ہم اس چوک میں پہنچے جہاں کہ دس ہزار مزدوروں کے مظاہرے کا اعلان کیا گیا تھا۔ لیکن وہاں ہزاروں کی تو بات ہی کیا؟ صرف چند آدمی نظر آئے جو ہمارے وہاں

www.freepdfpost.blogspot.com

پہنچنے پر زیادہ تر شریفوں کی مانند خاموش رہے۔ مگر پھر بھی کہیں کہیں "سرخ ٹولیوں" نے جنہیں پہلے کچھ ہمارے ساتھ واسطہ نہ پڑا تھا کچھ شرارت کرنی چاہی مگر انہیں جلد ہی یہ معلوم ہوگیا کہ ہم بھی کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں ؟ پھر تو یہ بھی نمایاں ہونے لگا کہ عام باشندگان شہر بھی جو ان کی دست درازیوں سے بری طرح خوفزدہ تھے۔ آہستہ آہستہ جان آرہی ہے اور بیداری پیدا ہورہی ہے۔ چنانچہ کہیں کہیں دوستانہ طور پر خیر مقدم بھی کرنے لگے اور شام کو تو جب ہم وہاں سے واپس آنے لگے۔ تب تو سب نے ہی نہایت جوش و خروش سے تالیاں بجابجا کر ہمیں "الوداع" کہا غرضیکہ ہمارے کوبرگ کے اس تجربے نے ہم پر یہ ثابت کر دیا کہ ہمارے "طوفانی ٹولے" کے ممبروں کے لئے وردی کیسے ضروری ہے ؟ صرف ان میں ایک رفیقانہ سپرٹ پیدا کرنے کے لئے ہی نہیں بلکہ انکے دوستوں اور دشمنوں میں تمیز پیدا کرانے اور انہیں کسی گڑ بڑ اور ناکامی سے بچانے کے لئے بھی۔ کیونکہ اس وقت تک وہ اپنے بازوؤں پر صرف "بلے" یا "بازو بند" ہی استعمال کیا کرتے تھے مگر اب ان کی وردی میں ایک خاص نمونے کا کرتہ اور خاص ٹوپی بھی شامل کردی گئی۔ جو اب اچھی شہرت حاصل کر چکی ہے۔ ساتھ ہی اس کے ہم پر اس امر کی اہمیت بھی ظاہر ہوگئی کہ ہمیں ایک خاص پروگرام کی مطابقت میں ان مقامات پر بھی باقاعدہ طور پر پہنچنا چاہئے جہاں کہ سالہا سال سے "سرخوں" کی اتنی ہیبت چھائی ہوئی ہے کہ ان سے مختلف خیالات و جذبات رکھنے والے لوگ اپنا کوئی جلسہ کر کے خیالات کا اظہار ہی نہیں کر سکتے اور جب وہ کچھ ہمت بھی کرتے ہیں تو انہیں مارپیٹ کر منتشر کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہاں انکی حوصلہ افزائی کر کے ان کے آزادی مجلس اور "آزادی خیال" کے حق کو پھر قائم کیا جائے۔

۳۔ مارچ ۱۹۲۳ء میں ایک اور ایسا واقعہ رونما ہوگیا جس کی روشنی میں اس تحریک میں کچھ تبدیلی کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یعنی یہ کہ سال مذکور کے ابتدائی ایام میں فرانسیسیوں نے روہر پر قبضہ کر لیا۔ جس سے بعد میں ہمارے "طوفانی ٹولے" میں بھی کچھ نہایت ضروری اور اہم نشوونما عمل میں آئی یعنی روہر پر فرانسیسی قبضہ ہوجانے سے جو کسی طرح بھی غیر متوقع نہ تھا ہمیں یہ ظاہر کرنے کا ایک بہانہ ہاتھ آگیا کہ اب ہمیں بھی برداشت کی بزدلانہ پالیسی ترک کر دینی چاہئے اور ہماری حفاظتی جماعتوں کو بھی اب کوئی خاص کام کر دکھانا چاہئے۔ کیونکہ ہمیں اس کا بھی امکان نظر آنے لگا کہ ہمارے "طوفانی

www.freepdfpost.blogspot.com

ٹولے" کو بھی جس میں اب کئی ہزار نوجوان شریک ہوچکے تھے ۔ ان قومی خدمات میں مناسب حصہ لینے سے محروم نہ رکھا جائے گا۔ چنانچہ ۱۹۲۳ء کے موسم بہار میں ہی ہم نے اسکی کایہ پلٹ کر کے اسے ایک جنگ آزما فوجی نظام کی سی صورت دی دے اسی وجہ سے ہماری تحریک میں مزید نشو نما ہوسکی جو کہ اس سال کے آخر میں عمل میں آئی ۔

۱۹۲۳ء کے آخر ایام جو واقعات رونما ہوئے اگرچہ وہ بادی النظر میں کسی قدرو نفرت انگیز ضرور معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن جب گہری نظر اور بلند خیالی سے ان پر غور کیا جاتا ہے تو ان کی ضرورت بھی ظاہر ہو جاتی ہے کیونکہ انہوں نے ایک ہی وار میں "طوفانی ٹولے" میں واقع ہونے والی ان سب تبدیلیوں کا خاتمہ کر دیا۔ جن سے ان کے نظام کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی اس کے ان واقعات نے عین اس وقت جب کہ ہم سیدھے راستے سے منحرف ہو رہے تھے یہ امکان بھی ضرور پیدا کردیا۔ کہ ہم اپنی چال بالکل ہی بدل ڈالیں اور ایک اور ہی رنگ اختیار کرلیں ۔(۱)

علاوہ ازیں ۱۹۲۵ء میں نیشنل سوشلسٹ جرمن ورکرز پارٹی کے نظام میں پھر کچھ اہم تبدیلیاں کرنے کی ضرورت پڑی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ "طوفانی ٹولے" کی ساخت کو بھی پھر ان ہی مضبوط اصولوں پر قائم کرنا پڑا۔ جن کا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور اپنی عالمگیر تحریک کی پختگی و مضبوطی کی جدو جہد میں اسے پوری طرح سے معاون و مددگار بنانے کے لئے طوفانی ٹولے کو زیادہ تر ایک "حفاظتی آلہ" کے طور استعمال کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور یہ قرار دیا گیا کہ اسے کسی صورت میں بھی ایک خفیہ جماعت نہ بننے دیا جائے ۔ بلکہ اس کے ممبروں ک تعداد ایک لاکھ تک پہنچاکر ان میں قوم پرستی کے خیالات و جذبات تیز کر کے انہیں نیشنل سوشلسٹ پارٹی کا ایک زبردست محافظ جتھا بنا دیا جائے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

فیڈرل ازم کی بیہودگی

۱۹۱۹ء کی سردیوں میں اور اس سے بڑھ کر ۱۹۲۰ء کے موسم بہار میں ہماری نوزاں پارٹی کو ایک ایسے سوال کے متعلق اپنی روش کا فیصلہ کرنا پڑا جو کہ ایام جنگ کے دوران میں ہی ایک خاص اہمیت حاصل کر چکا تھا۔ کسی پہلے باب میں میں بھی اس امر کا ذکر کر چکا ہوں کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں کی طرف سے ایک خوفناک پرچار شروع ہو گیا تھا۔ جس سے شمالی اور جنوب مغربی کے باشندوں کے درمیان اختلافات کی خلیج بڑھ کر جرمنی کے اتحاد اور ٹھوس پن کے لئے نہایت پرخطر علامات پیدا ہونے لگی تھیں۔ سب سے پہلے ۱۹۱۵ء میں ایسے مضامین تحریر کئے جانے لگے اور چھپے ہوئے اوراق تقسیم ہوئے جن میں جنگ کی تمام ذمہ داری پروشیا کے سر تھوپنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ۱۹۱۸ء تک یہ کوشش آہستہ آہستہ نہایت ہی پرفریب اور شرمناک طریق پر کی گئی۔ کیونکہ اپنے اس ناپاک مقصد کے لئے اس کوشش کے بانی مبانیوں نے نوع انسان کے ذلیل ترین خواص پر اعتماد کر کے شمالی و جنوبی جرمنوں کے دلوں میں نفرت و عداوت کا بیج بو دیا تھا جو جلد ہی اپنی کونپلیں بھی نکال لایا۔ اس غفلت کے لئے حکومت اور فوج (خصوصاً بویرین فوج) دونوں کے ہی افسر لعنت و ملامت کے مستحق سمجھے جاسکتے ہیں۔ اور وہ اپنے فرائض منصبی کی طرف غفلت و لاپروائی کے الزام سے کسی طرح بھی بری الذمہ قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ کیونکہ انہوں نے شروع میں اس شرارت کو کچل ڈالنے کی طرف بالکل بھی توجہ نہ کی۔ بلکہ برخلاف اس کے ان میں سے بعض نے تو اس کی طرف اپنی کسی زبردست ناراضگی کا بھی اظہار نہیں کیا اور شاید یہ بھی نہیں سوچا کہ ان کی یہ غفلت جرمن جاتی کے ٹھوس پن کو کتنا کمزور کر کے فیڈریشن کے خیال کو تقویت دینے والی ثابت ہوگی۔

تواریخ عالم میں شاید ہی کوئی ایسی نظیر مل سکے گی۔ جس میں کسی ایسی پرشرارت

www.freepdfpost.blogspot.com

غفلت کی سزا اس سے زیادہ سخت ملی ہو۔ جیسے کہ ہمیں ملی ہے۔ اس کی بدولت پروشیا کی طاقت میں جو کمزوری واقع ہوئی اس نے ہی تمام جرمنی کو تباہ و برباد نہیں کیا۔ بلکہ دوسری ریاستوں کو بھی فرداً" فرداً" اس سے بہت نقصان پہنچایا۔

جس شہر میں یہ مصنوعی طور پر پیدا کردہ نفرت کی آگ بہت زور سے نمودار ہوئی وہاں ہی سب سے پہلے برسر حکومت شاہی خاندان کے خلاف بغاوت و انقلاب کے شعلے بلند ہوئے۔ اس لئے اس سلسلے میں یہ خیال کرنا شاید غلط ہو۔ کہ اس صورت حال کی تمام ذمہ داری مخالفین کے زہر آلود پروپیگنڈے کے ہی سر ہے۔ ہمارے محکمہ جن کی تنظیم کرنے والوں کا بھی اس میں بہت کچھ قصور ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس بارے میں اسے ناقابل یقین بلکہ کامل طور پر مجنونانہ و احمقانہ طریقے استعمال کئے۔ جن کا نتیجہ پروشیا کے خلاف نفرت و حقارت کا جذبہ پیدا ہونے کے سوا اور کچھ ہو نہیں سکتا تھا۔ اس طریقے انہوں نے صریحی بددیانتی سے سلطنت کی تمام طاقت و قوت کا مرکز برلن کو بنادیا۔

ادھر یہودی اتنے عیار و مکار تھا۔ کہ ان کی تیز نظروں سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ کہ انہوں نے اس وقت "انجمن ہائے جنگ" کے پردے میں ملک کو لوٹنے کی غرض سے جو شرمناک مہم شروع کر رکھی ہے اس کی مخالفت بھی لازمی و لابدی ہے۔ لیکن اس مخالفت کو وہ اس وقت تک کچھ خطرناک نہ سمجھتے تھے۔ جب تک کہ اس سے ان کا گلا گھٹنا ہی شروع نہ ہوجائے۔ اس لئے انہیں یہ بات فوراً ہی سوجھ گئی۔ کہ ان کے خلاف عوام کے دلوں میں نفرت کا جذبہ پیدا ہونے کا جو اندیشہ ہر وقت موجود ہے اس کی تیزی و تندہی کم کرنے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی بھی ترکیب نہیں ہو سکتی۔ کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس کے رخ کو ابھی سے کسی اور طرف بدل دیا جائے۔ اتنے ہی میں بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا اور انقلاب ہوگیا۔ بین الاقوامیت کے شیدائی یہودی کرٹ ایزنر نے بویریا کو پروشیا کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ لیکن باقی ریش کے خلاف بویریا میں انقلاب کی آگ کو اس طرح تیز کرنے سے بھی اسے بویریا کی کچھ بھلائی مطلوب نہ تھی۔ بلکہ وہ تو صرف یہودیت کا نمائندہ تھا اور اسی کی بہتری کے لئے کام کر رہا تھا بویریا میں لوگوں کی وقتی ذہنیت سے فائدہ اٹھا کر ان کی مدد سے جرمنی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے میں اسے اور بھی زیادہ سہولت نظر آئی۔ اس لئے اس نے یہ سمجھ لیا کہ اس طرح ایک دفعہ ریش کا خاتمہ ہوجانے سے تمام ملک بہ آسانی بولشزم کا شکار ہوجائے گا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

ادھر بولشویک ایجنٹوں کے یہ ہتھکنڈے بھی اپنا رنگ لائے کہ ہمارے فوجی دستوں نے مختلف علاقوں میں عوام کو دشمنوں کی دست برد سے محفوظ رکھنے یا آزادی دلانے کے لئے پروشین افواج کی فتوحات کے نام سے مشہور کردیا۔ اور یہ ظاہر کیا۔ کہ یہ فتوحات پروشین فوجوں کو دشمنوں پر نہیں بلکہ پروشیا اور اس کے فوجی غلبے کی پالیسی کے مخالفوں پر حاصل ہوئی ہیں۔ حالانکہ اس وقت بویرین لیجسلیٹو اسمبلی کے انتخابات کے موقع پر میونچ میں کرٹ ایسنر کے حمایتیوں کی تعداد دس ہزار بھی نہ تھی اور کمیونسٹ تو تین ہزار سے بھی کم تھے ہاں کمیونسٹ جمہوریت کے ٹوٹ جانے پر جب یہ دونوں پارٹیاں مل گئیں تب ان کے ممبروں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ کے قریب ضرور پہنچ گئی۔

میں نے اپنی عمر بھر میں کبھی کسی ایسے غیر ہر دلعزیز کام میں ہاتھ نہیں ڈالا جیسا کہ یہ مخالفین پروشیا کے جوش و خروش کی مخالفت کا کام تھا۔ نیم کمیونسٹی عہد میں جب ہمارا پہلا جلسہ میونچ میں منعقد ہوا تب وہاں باقی جرمنی کے عموماً" اور پروشیا کے خلاف خصوصاً" یہ جوش و نفرت اتنے سخت زوروں پر تھا کہ اگر کوئی جرمن اس جلسے میں شریک بھی ہو تو اس کی جان سخت خطرے میں کہی جاسکتی تھی۔ جلسے میں ہر طرف یہی آوازیں سنائی دیتی تھیں کہ پروشیا کا خاتمہ کر دو "پروشین نکال دو" ' "پروشیا مردہ باد" وغیرہ وغیرہ۔ جرمن ریشتاغ میں ایک بویرین کی حیثیت سے مرنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ بہ نسبت اس کے کے ایک پروشین کی حیثیت سے زندہ رہ کر لڑتا رہوں۔

اس خیال کے خلاف شروع شروع میں جو جنگ میں تن تنہا شروع کی۔ اس میں میرے کئی محاذ جنگ کے ساتھی بھی بعد ازاں میرے ساتھ شامل ہوگئے۔ اور پھر تو جلد ہی ہماری نوجوان پارٹی نے بہ ہیت مجموعی اس کی حمایت اپنا ایک متبرک فرض سمجھ لیا۔ اور آج میں نہایت فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہم صرف اپنے ہم خیال و بہترین دوستوں کی مدد سے ہی آہستہ آہستہ لیکن یقینی طور پر اس تحریک کا جو حماقت اور غداری کا ایک مجموعہ کہلا سکتی تھی۔ خاتمہ کرنے میں کامیاب ہو سکے۔

یقیناً" یہ صاف ظاہر ہے کہ پروشیا کے خلاف اس تحریک کا فیڈریشن کے خیال کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ لیکن پھر بھی اس خیال سے فیڈریشن کے متعلق سرگرمیاں شروع کرنا۔ کہ ان کی بدولت ایک دوسری ٹھوس اور مرکب ہستی میں انتشار پیدا ہو کر وہ ٹوٹ پھوٹ جائیگی۔ کسی طرح بھی مناسب و معقول نہیں کہا جاسکتا تھا۔ بلکہ سراسر نامعقول

www.freepdfpost.blogspot.com

و نا مناسب ہی تھا۔ کیونکہ فیڈریشن کے ایک سچے اور صداقت پسند حمایتی کی نظروں میں ایک مشترکہ سلطنت کے متعلق بس مارک کا تخیل بھی کسی طرح محض ایک ایسی لفظی بات ٹھہر سکتا۔ کہ وہ ایک ہی سانس میں بسمارک کی اس قائم و مکمل کردہ پروشین سلطنت کو توڑ پھوڑ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں منتشر کرنے کے لئے آمادہ ہوجائے نہ وہ کسی طرح اس علیحدگی پسندی کی رغبت کی حمایت یا تائید ہی کر سکتا ہے۔ اس لئے تو اور بھی زیادہ ناقابل قیاس ہے کہ ان نام نہاد حامیان فیڈریشن نے پروشیا کے اس عنصر سے ؟ جسے نومبر کی جمہوریت کا کسی طرح حامی سمجھا جا سکتا ہو۔ کیونکہ ان کے حملے اور بدگوئیاں کسی طرح بھی "ویمر کسٹی ٹیوشن" کے جم داتاؤں پر جن میں زیادہ تر جنوبی جرمن اور یہودی شامل تھے۔ عائد نہیں ہو سکتی تھیں۔ بلکہ یہ تمام و کمال پرانے قدامت پسند پروشین لوگوں ہی کے خلاف تھیں جو "ویمر کسٹی ٹیوشن" کے سربسر مخالف تھے۔ اس لئے ہمیں یہ دیکھ کر کچھ بھی تعجب نہ ہوتا تھا کہ وہ یہودیوں پر کوئی حملہ نہ کرنے میں خاص ہوشیاری و احتیاط مد نظر رکھا کرتے تھے۔ اور شاید یہی اس تمام معمہ کو حل کرنے کی کنجی تھی۔ جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ یہودی صرف جرمنی کے قوم پرست عناصر کو ایک دوسرے کے خلاف جنگ آرا کرکے اپنا الو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی ان کی یہ خواہش ہے کہ قدامت پرست بویرین اور قدامت پرست پروشین آپس میں لڑ مریں اور اپنی ان کوششوں میں وہ ایک بڑی حد تک کامیاب ہوگئے تھے۔

۱۹۱۸ء کی سردیوں میں ہی سیمٹک یعنی یہودی نسل کے خلاف نفرت کا جذبہ جرمنی بھر میں پھیلنا شروع ہوگیا تھا اور یہودی بھی اپنا وہی پرانا وطیرہ پھر اختیار کرنے لگے تھے۔ یعنی انہوں نے نہایت حیرت انگیز پھرتی سے ملک کی ہر دلعزیز تحریک کے سامنے ایک اور بحث طلب سوال پیش کرکے ان کے درمیان اندرونی مخالفت پیدا کردی غرضیکہ "الٹرا مونٹین" رومن کیتھولک عقائد کا مسئلہ پیدا ہوجانے کے بعد اس کے مختلف پہلوؤں پر آپس میں جو بحث مباحثہ چھڑ گیا۔ اس سے بہ آسانی یہ امکان پیدا ہوگیا۔ کم از کم کچھ عرصہ کے لئے عوام کی توجہ یہودیوں کی شرارتوں کی طرف سے ہٹ جائے۔ اور جو جملہ ان کے خلاف مرکوز ہو رہا تھا وہ ٹل جائے۔

جن لوگوں نے اس سوال پر ہماری قوم میں یہ زہر پھیلایا تھا اس کی تلافی ان کے بھی ہاتھوں سے باہر ہوچکی تھی۔ مگر وہ اپنی اس کامیابی پر خوش تھے۔ اور پروٹسٹنٹوں نیز

www.freepdfpost.blogspot.com

کیتھولکوں کو آپس دست گریباں دیکھ دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ کیونکہ وہ صرف آریہ نسل کے ہی دشمن نہ تھے۔ بلکہ عیسایت اور انسانیت کے بھی خواہیدہ تھے۔

اف! خداوند کریم کے لطف و کرم سے ایک وقت دنیا میں جو عجیب و غریب شریفانہ سنستھا ظہور پزیر ہوئی تھی۔ اس کی افسوسناک تباہی و بربادی کو دونوں ہی عیسائی فرقے کمال لاپرواہی و بے تعلقی کے ساتھ دیکھتے رہے۔ اور اب دنیا کے مستقبل کے متعلق یہ سوال در پیش ہوگیاتھا کہ صرف پروٹسٹنٹ عیسائی ہی نہیں۔ بلکہ کیا تمام نسل بھی جو جرمنی میں مقیم تھی۔ اب اپنی ہستی کو برقرار رکھ سکے گی۔ یا اس کے خاتمے کے دن ہی نزدیک آگئے ہیں۔ کیونکہ آج اس کی دونو شاخیں اپنی آریہ نسل کے جانی دشمنوں خلاف نہیں۔ بلکہ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف ہی ایک نہایت زبردست تباہی خیز اور برباد کن جنگ میں مصروف تھیں۔

چونکہ جرمنی میں اس امر کی اجازت نہ تھی کہ خاص کیتھولک پروٹسٹنٹ کی مانند یہاں بھی ان مذہبی سوالات پر کھلا کھلا لڑائی جھگڑے کھڑے کئے جائیں۔ اس لئے یہاں جب کسی فریق کے سیاسی لیڈروں کے خیالات کی فریق ثانی کی طرف سے مخالفت شروع ہوتی تھی۔ تو وہ بہ آسانی پروٹسٹنٹوں اور رومن کیتھولکوں کے مذہبی جنگ کی سی شکل اختیار کرلیتی تھی۔

اس روشنی میں نظر ڈالنے سے سب حقائق اپنے متعلق خود ہی زبان حال سے شہادت دینے لگتے ہیں۔ اس لئے ۱۹۲۴ء میں جن حضرات کو اچانک ہی یہ معلوم ہوگیاتھا کہ قوم پرستوں کی تحریک کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ وہ رومن کیتھولک عقائد کی مخالفت کرے وہ اس مخالفت کو مٹانے کی بجائے قوم پرستی کی تحریک کو توڑنے پھوڑنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس لئے میں اطلاعاً" یہ اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ کہیں کوئی نا تجربہ کار نوجوان یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ ہماری قوم پرست تحریک وہ سب سے بڑا جادو کر دکھائی گی۔ جو بسمارک سے بھی نہیں ہوسکا اس لئے نیشنل سوشلسٹ تحریک کے لیڈروں کا یہ سب سے برا فرض ہے۔ کہ وہ کسی ایسے جھگڑے میں ہرگز شریک نہ ہوں۔ بلکہ اس کے متعلق اگر کوئی کوشش کی بھی جائے تو اس کی زبردست مخالفت کریں۔ اور جو لوگ یہ رغبت ظاہر کریں۔ انہیں فوراً پارٹی سے خارج کردیں چنانچہ ۱۹۲۳ء کی موسم خزاں تک ہمیں اس پالیسی میں برابر کامیابی بھی حاصل ہوتی گئی تھی یعنی پر جوش پروٹسٹنٹ اور پرجوش کیتھولک بغیر کسی مذہبی رد و بدل کے

www.freepdfpost.blogspot.com

مناسب سرگرمی کی ساتھ برابر پہلو بہ پہلو کام کرتے رہے تھے۔

ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ جمہوریت امریکہ کی ریاستوں نے وہاں کی یونین یعنی مشترکہ حکومت کو جنم نہیں دیا بلکہ یونین نے ان مختلف ریاستوں کو جنم دیا ہے۔ اور حقیقت ان حقوق سے ظاہر ہے جو ان مختلف ریاستوں کو ان کی یونین میں حاصل ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے رقبہ کی وسعت کے لحاظ سے ایک براعظم کے قریب ہیں۔ مگر پھر بھی یہ حقوق سب کے لئے بالکل یکساں ہیں۔ اس طرح امریکن ریاستوں کی اس یونین کا ذکر کرتے ہوئے کوئی شخص بھی نہیں کہہ سکتا کہ ان میں کسی ایک ریاست کو دوسری پر کوئی فوقیت حاصل ہے ۔ یا کسٹی ٹیوشن کے لحاظ سے کسی ایک ریاست کو دوسری کی نسبت کچھ زیادہ بہتر حقوق و اختیارات ادا کریئے گئے ہیں۔ لیکن جرمنی میں سبھی ریاستیں جنکے اشتراک سے جرمن سلطنت کی بنیاد پڑی اپنی بنیادی اصلیت کے لحاظ سے شاہی ریاستیں تھیں۔ جرمن سلطنت میں ان ریاستوں کی افرادی شرکت بھی آزادانہ رضامندی یا مساوی تعاون کے بنا پر نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اس طرح ہوئی بھی کہ پروشیا کو دوسری ریاستوں پر پہلے ہی غلبہ ہو چکا تھا۔ مختلف جرمن ریاستوں کے قدو قامت میں بھی جو فرق ہے۔ اس کے خیال سے بھی امریکن یونین کے ساتھ ان کی مشابہت نہیں ہوسکتی۔ بلکہ مختلف ریاستوں کی مشترکہ حکوت اور عدم مساوات کا اظہار کرتی ہے۔ اور نہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ امن میں اکثر ریاستوں کے حکمرانوں یا باشندوں کے پہلے بھی اپنی حدود میں مکمل آزادی و خود مختاری کے پورپ، پورے حقوق یا اختیارات حاصل تھے۔

ماسوائے اس کے ان ریاستوں نے سلطنت میں شریک ہونے کی غرض سے اپنے حقوق حکومت کے متعلق جو دست برداری دی تھی۔ وہ بھی بہت کچھ رضا مندانہ و آزاد طور پر نہ دی تھی۔ بلکہ اکثر حالات میں تو پروشیا کی فوقیت کے باعث ہی چھن چکی تھی۔ اور پھر بسمارک کی بھی یہ پالیسی نہ تھی۔ کہ ماتحت ریاستوں کے وہ اختیارات بحال کر دئے جائیں۔ جن سے انہیں محروم کر دیا گیا تھا۔ بلکہ بر خلاف اس کے اس کی یہی پالیسی تھی کہ سلطنت کے نام پر ان سے مزید اختیارات ترک کرنے کا ہی حسب ضرورت مطالبہ کیا جائے ۔ لیکن ساتھ ہی اس کے یہ کہنا بھی بالکل غلط ہوگا کہ بسمارک نے یہ فیصلہ کرتے ہوئے یہ سمجھ لیا تھا کہ حکومت نے وہ تمام اختیارات تمام و اکمال حاصل کر لئے ہیں۔ جن کی کہ اسے آئندہ زمانے میں بھی ضرورت پڑے گی۔ بلکہ بر عکس اس نے کسی آئندہ وقت کے

www.freepdfpost.blogspot.com

لئے ملتوی کر دیا تھا۔ اور اس طرح حقیقتاً ریش کے اختیارات روز بروز بڑھتے اور ماتحت ریاستوں کے کم ہوتے گئے تھے۔ اور جوں جوں وقت گزرتا جاتا تھا۔ بسمارک کی یہ امیدیں اور اس کا منشا بھی پورا ہوتا جا رہا تھا۔ جرمنی کی شکست اور اس کے بعد شاہی حکومت کے خاتمے سے یہ نشو نما لازمی طور پر اور بھی جلد پایہ تکمیل کو پہنچ گئی۔ اور اس سے فیڈریشن کے متعلق ریش کی خصوصیتوں کو اور بھی سخت صدمہ پہنچا۔ نیز "عہدہ نامہ امن" کی مجبوریوں نے تو انکا بالکل ہی خاتمہ کردیا۔

اس کا قدرتی اور نمایاں نتیجہ یہ تھا کہ تمام ممالک کی مالی حالت بد سے بد تر ہوتی گئی اور جب سے جنگ میں شکست ہونے پر ریش نے اس کے متعلق تمام مالی ذمہ داریوں کا بار اپنے سر پر لینا منظور کر لیا۔ تب سے تو سب ریاستوں نے اپنے رہے سہے جملہ اختیارات بھی ریش کے حوالہ کر دیئے۔ کیونکہ یہ تو کبھی خیال ہی نہیں کیا گیا تھا۔ کہ یہ سب ذمہ داریاں فردا" فردا" ریاستوں کے چندے سے پوری کی جائیں گی۔ مزید براں جب یہ فیصلہ ہوا کہ ریش سب ریاستوں کی ریلوں ڈاکخانہ جات کا انتظام بھی اپنے ہاتھوں میں لے لے تب تو "عہد نامہ صلح" کی رو سے ہماری قوم کی غلامی رفتہ رفتہ اور بھی پایہ تکمیل کو پہنچ گئی۔

بسمارک کی سلطنت آزاد اور غیر پابند تھی۔ یعنی وہ کسی طرح بھی غیر منفعت بخش پابندی کے بوجھ سے دبی ہوئی نہ تھی۔ جیسا کہ موجودہ "ڈانہ کی جرمنی" کو برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔ بسمارک کے تمام اخراجات نہایت اہم ملکی ضروریات کی حد تک محدود تھے اس لئے دیگر ریاستوں پر کوئی فوقیت ظاہر کئے بغیر بھی مختلف صوبہ جات اور ریاستوں کی منظور کردہ رقوم سے ہی وہ بہ آسانی اپنا کام چلا سکتا تھا۔ اور اس امر حقیقت کی بدولت سبھی ریاستیں قدرتا" مشترکہ سلطنت کے لئے روپیہ کا حصہ دار کی حیثیت سے زیادہ مطمئن تھیں کیونکہ انہیں اپنے اپنے علاقے میں پھر بھی کچھ نہ کچھ اختیارات حکومت حاصل تھے۔ اور سبتا" اخراجات سلطنت کے لئے روپیہ کا حصہ بھی بہت کم ادا کرنا پڑتا تھا۔ لیکن یہ کہنا واقعات کے بالکل خلاف اور قطعا" غیر دیانت دارانہ ہوگا۔ کہ اب ان میں جتنی بھی بے چینی پھیل رہی تھی۔ وہ سب کی سب اس مالی غلامی کے باعث تھی۔ جس کی زنجیروں سے سب ماتحت ریاستیں سلطنت کے ساتھ وابستہ تھیں۔ اور ان کے اختیارات حکومت کی کمی پر ہی اس کی ذمہ داری عائد کی جا سکتی ہے۔ بلکہ اس کے ذمہ دار حقیقتاً" وہ طریقہ تھا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

جس سے کہ ریش میں جرمنی قوم کی نمائندگی ہوتی تھی۔ اس لئے ریش نے اپنی ہستی کی حفاظت کے لئے صرف عام حکومتی نقطہ خیال سے ہی نہیں بلکہ اصولاً" بھی اختیارات حکومت کو روز بروز کم کرنے کے لئے مجبور تھا۔ کیونکہ یہ دیکھ کر کہ وہ خود اپنے اقتصادی نچوڑ کی پالیسی کے زیر اثر رعایا کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لینے کے لئے مجبور ہے اور اگر وہ ملک میں اپنے خلاف بغاوت کی آگ ہی مشتعل کرانے کے لئے آمادہ نہ تھی۔ تو وہ اپنے آپ کو اس امر کے لئے مجبور پاتی تھی۔ کہ شہری آزادی کے متعلق خواہ رعایا کے آخری حقوق بھی سب سلب کر لئے جائیں۔ لیکن وہ جیسے بھی بن سکے۔ رہ سکے اور اپنا کام چلاتی رہے۔

اس لئے ہم نیشنل **سوشلسٹوں** کی بھی یہ بنیادی اصول تسلیم کرنا پڑا کہ وہی مضبوط اور زبردست قومی ریش جو ملک سے باہر اپنے شہریوں کے حقوق کی ان کے وسیع ترین معنی میں حفاظت کرتی ہو۔ ملک کے اندر بھی اپنے شہریوں کو پوری پوری آزادی دے سکتی ہے۔ اور اسی صورت میں اسے اپنی طاقت کی پختگی و مضبوطی کے متعلق کوئی خطرہ نہیں رہ سکتا۔ برخلاف اس کے ایک زبردست قومی حکومت ہی یہ ذمہ داری اپنے سر پر لے سکتی ہے۔ وہ ملک میں اپنے شہریوں کے حقوق کو زیادہ سے زیادہ حد تک سلب کر کے بھی سلطنت کے کے تخیل کو کسی طرح کمزور نہ ہونے دے۔ اور اس کے سب شہری یہ محسوس کریں کہ ان کے حقوق محض قوم کو دنیا میں زیادہ شاندار بنانے کے لئے سلب کئے جارہے ہیں۔اور اس کا باعث سوائے اس کے اور کچھ نہیں۔

یہ ایک امر واقعہ ہے کہ دنیا بھر کی تمام حکومتیں آج کل اپنی ملکی پالیسی میں ایک طرح کی یکسانیت پیدا کرنے کی سمت قدم بڑھا رہی ہیں۔ اور اس بارے میں جرمنی بھی ان سے کچھ بہت پیچھے نہیں رہ سکتا۔ لیکن خواہ یکسانیت کا خیال اور طریق عمل خصوصاً" رسل رسائل کے حلقے میں کتنا بھی قدرتی کیوں نہ معلوم دے ہم نیشنل **سوشلسٹوں** کا یہ فرض ہوگا کہ وہ زمانہ موجودہ کی ریش میں نشوونما ہرگز پیدا نہ ہونے دیں کیونکہ اس طریق کار کا منشا سوائے اس کے اور کچھ بھی نہیں ہوسکتا کہ امور خارجہ میں ایک خوفناک اور تباہ کن پالیسی کے عمل پذیر ہونے کو ممکن بنا دیا جائے۔ اور اس کے اثرات بازگشت کو روک دیا جائے اسی لئے ہماری موجودہ ریش تمام صیغہ ہائے ریلوے ڈاکخانہ جات اور مالیات وغیرہ کو اپنے قابو میں لانے کی کوشش کر رہی ہے۔ بلکہ ان ذمہ داریوں کو لا محدود حد تک پایہ

www.freepdfpost.blogspot.com

تکمیل تک پہنچانے کے لئے وہ ایسے تمام ذرائع اور کفالتیں اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہتی ہے۔ جو کہ اس کے قابو میں بسہولت آسکتے ہوں اس لئے ہم نیشنل سوشلسٹوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس پالیسی کے عمل در آمد کو نکلنے اور ان ذرائع کو جو اس مقصد کے لئے استعمال کئے جائیں بے اثر کرنے کی غرض سے ہر ممکن طریق پر کوشش کریں"

جملہ اختیارات حکومت کے ایک جگہ مرکوز کر دیئے جانے کی اس زبردست مخالفت کی دوسری وجہ یہ تھی۔ کہ "یہودی جمہوری ریش" جو اس وقت در حقیقت جرمن قوم کے لئے ایک بہت بڑی لعنت بن گئی تھی ۔ تمام ماتحت ریاستوں کے پیش کردہ اعتراضات کو بے اثر کر دینا چاہتی تھی۔ اور انہیں کچل کر بالکل غیر ضروری حیثیت میں ڈال دینے کے در پے تھی۔ لیکن ہماری قوم ہمیشہ سے نہایت بلند پایہ اور وسیع رہی ہے اس لئے ہم اس تنگدلی یا خود غرضانہ پالیسی کو کسی طرح بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔

مگر اس سے کسی کو یہ بھی نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ ہم نیشنل سوشلسٹوں کا یہ منشا تھا کہ ریش کو ماتحت ریاستوں پر کسی طرح سے فوقیت کے کوئی اختیارات حاصل نہیں ہونے چاہئیں تھے۔ کیونکہ ریش کی یہ فوقیت تو ایک مسلمہ بات تھی۔ جس کے متعلق کبھی کوئی سوال اٹھ ہی نہ سکتا تھا۔ مگر ہمارے خیال میں حکومت تو محض ایک بیرونی شکل و صورت کا ڈھانچہ ہی ہوتی ہے۔ اصل چیز تو قوم اور باشندگان ملک ہیں۔اس لئے صاف ظاہر ہے کہ قومی مفاد کے مقابلے میں اور ہر چیز کا خیال ایک ادنیٰ اور ماتحت درجہ رکھتا ہے۔ خصوصاً" ہم کسی حکومت کو بھی خواہ وہ ریش ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ وہ بھی قوم کی ایک نمائندہ جماعت ہی تو ہے۔ کسی صورت میں بھی آزادی نہیں دے سکتے کہ وہ قوم کی متابعت سے قطعاً" آزاد ہو کر بہ حیثیت ایک سیاسی حکمران جماعت کے بالکل ہی مطلق العنان و خود مختار ہو جائے۔ بلکہ اس نا معقول بدعت کا خاتمہ بھی لازمی سمجھتے تھے۔ کہ ماتحت ریاستوں میں سے جو بھی چاہے از خود غیر ممالک سے اپنے تعلقات قائم کرلے اور وہاں اپنے سفیر رکھنے یا بھیجنے لگے۔ کیونکہ جب تک یہ ممکن ہے تب تک ہم اس امر پر کوئی تعجب نہیں کر سکتے۔ کہ غیر ممالک ہماری ریش کے ڈھانچے کو بالکل کمزور خیال کرتے ہیں اور اس لئے ان کا سلوک بھی اس کے ساتھ کچھ زیادہ پسندیدہ نہیں تھا۔

چنانچہ ہم نے یہ فیصلہ کر لیا تھا۔ کہ ماتحت ریاستوں کو اپنی حدود میں جو بھی اہمیت حاصل ہو۔ وہ زیادہ تر ان کی اپنی تہذیب اور قومی خصوصیت کے متعلق ہونی چاہئے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

لڈوک اول شاہ بویریا بھی جسے بویریا کی عزت و شہرت کا سب سے زیادہ خیال تھا۔ کوئی خاص مخالفت یا عناد ہو۔ بلکہ اسے بھی ایک عظیم الشان جرمنی اور اس کی روز افزوں صنعت و حرفت کے تخیل سے دلی ہمدردی و انس تھا۔ اس لئے ہمیں اس کی طرف سے بھی کسی خاص مخالفت کو کوئی خطرہ نہ تھا۔

ہم نے یہ بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ قومی افواج کو ماتحت ریاستوں کے رسوخ و اثر سے نہایت سختی کے ساتھ آزاد رکھا جائے گا۔ ہماری آئندہ قومی سوشلسٹ حکومت کو لازمی طور پر سابق حکومت کی اس احمقانہ غلطی سے احتراز رکھنا چاہئے اور افواج کو کبھی کسی ایسے کام پر نہیں لگانا چاہئے جو ان کے لئے مناسب و موزوں نہ ہو۔ کیونکہ جرمن فوج کسی خاص جماعت و فرقے کی فوقیت برقرار رکھنے کے لئے کسی سکول کا کام ہرگز نہیں دے سکتی۔ وہ تو سب جرمنوں کو یہ سبق سکھلانے کے لئے ہوگی کہ سب ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اور اس طرح باہمی نفاق و نزاع کو مٹا کر قومی اتحاد واتفاق کو ترقی دیں۔ نیز ہر ایک قومی و ملکی نوجوان کو اپنی مخصوص فرقہ واری اور جماعت پرستی کی دلدل سے باہر نکال کر مشترکہ و متحد قومیت کا شیدا بنائے اور جرمن قوم کے دائرہ رسوخ میں ایک موزوں و مناسب جگہ دلائے ۔ تاکہ وہ اپنے گھر شہر صوبے یا ملک کی حدود اربعہ پر ہی نظریں جمائے رہے۔ کیونکہ ایک دن ان کی حفاظت ہی اس کا اولین اور سب سے زیادہ متبرک و مقدس فرض ہوگا۔ اس لئے کسی جرمن نوجوان کو زیادہ عرصہ تک اپنے گھر میں رہنے دینا سب سے بڑی حماقت ہے۔ اس کے لئے یہی مناسب ہے کہ اسے ملکی فوج میں بھرتی کر کے تمام جرمنی کو دیکھنے اور اسے رشتہ محبت قائم کرنے کا موقع دیا جائے۔ اور آج تو اس کی اور بھی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ کیونکہ آج کل جرمن نوجوان پہلے کی مانند سہولت کے ساتھ دور نزدیک کا سفر کرکے اپنے دائرہ نگاہ کو وسعت دینے کے قطعی ناقابل تھے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارے قومی سوشلزم کے اصول مشترکہ ملک کی کسی خاص ریاست کے سیاسی مفاد کو ترقی یا تقویت دینے کے لئے تجویز نہیں کئے گئے تھے بلکہ ان سے تمام جرمن قوم کی بہتری پختگی و مضبوطی مطلوب تھی۔ وہ تمام قوم کی متحدہ زندگی پر نظر رکھتے تھے۔ اور اس میں نئی روح پھونک کر اسے نئی اور زیادہ مناسب و موزوں شکل و صورت دینا چاہتے تھے۔ لہٰذا ان کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ بوقت ضرورت مقررہ حدود سے بھی باہر قدم رکھنے کی ہمت و جرات کا اظہار کرتے۔ بلکہ اسے اپنا ایک حق سمجھ کر اس

www.freepdfpost.blogspot.com

کے دعویدار ہوتے۔ تاکہ ملک کی آئندہ سیاسی نشو نما کو مدنظر رکھ کر ان کی موجودہ حدود میں بھی مناسب ترمیم و تنسیخ کی جاسکتی۔ کیونکہ اس تقسیم در تقسیم اور س کی موجودہ سختیوں کو ہم اب بھی دائمی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔

www.freepdfpost.blogspot.com

پرچار اور تنظیم

پرچار کا درجہ ہمیشہ تنظیم سے پہلے ہے کیونکہ یہی ان اشخاص کے دلوں کو فتح کرتا ہے جنہیں بعد میں تنظیم دے کر ایک متحد اور ٹھوس صورت میں منظم کیا جاتا ہے۔ میں ہمیشہ سے جلد بازی اور عجلت میں کسی نمائشی تنظیم کو زیر عمل لانے کا سخت مخالف بلکہ دشمن رہا ہوں کیونکہ اس سے اکثر فائدے کی بجائے نقصان پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے یہی بہتر ہے کہ پہلے ایک خیال کا کسی خاص مرکز سے خوب پرچار کیا جائے۔ اور پھر جو اصحاب اس پرچار سے متاثر ہوں ان میں سے نہایت غور و خوض کے ساتھ اور خوب جانچ پڑتال کر کے ان کے لیڈر منتخب کئے جائیں۔ اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جو شروع شروع میں کوئی خاص قابلیت یا سرگرمی ظاہر نہیں دی بعد میں پیدائشی لیڈر ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ کتابی یا اصولی علم کی زیادہ واقفیت ہی ایک کامیاب لیڈر بننا ثابت ہونے کے لئے ضروری شرط ہے کیونکہ اکثر صورت حال اس کے برعکس بھی دیکھی جاتی ہے۔ یعنی جو شخص اصولوں اور قاعدوں سے اپنی زیادہ واقفیت کا اظہار کرتا ہے وہ شاذو نادر ہی ایک عظیم الشان لیڈر ثابت ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں اکثر ایک ایجیٹیٹر میں وہ صفات زیادہ تر پائی جاتی ہیں۔ جو ایک لیڈر کے لئے ضروری ہیں۔ اس سے ان لوگوں کو تو ضرور افسوس و رنج ہوگا جو ہر سوال پر صرف قاعدہ قانون اور سائنس کی رو سے غور کرنے کے عادی ہیں۔ مگر حقیقت بہر حال حقیقت ہی ہے جسے کوئی بھی چھپا نہیں سکتا۔

جو ایجیٹیٹر کسی خیال کو عوام کے ذہن نشین کرادینے کی قابلیت رکھتا ہے اس کے لئے ماہر نفسیات PSHYCHOLOGIST ہونا بھی ضروری ہے۔ تاکہ لوگوں کی دماغی حالت اور ان کے دماغی رجحان کو وقتاً فوقتاً اچھی طرح پہچان کر اس سے مناسب و موزوں طور پر فائدہ اٹھا سکے۔ خواہ ویسے وہ "کورالفاظ" ہی کیوں نہ ہو یعنی اور کچھ لیاقت اس میں

www.freepdfpost.blogspot.com

بہت زیادہ نہ ہو تو بھی وہ ہمیشہ ایک اچھا لیڈر ثابت ہوگا۔ بہ نسبت اس قاعدہ قانون اور اصولوں کے ماہر کے جسے انسانی دل و دماغ کے متعلق کچھ بھی علم نہیں۔

کیونکہ لیڈر تو وہی ہو سکتا ہے جس میں عوام پر اپنا اثر ڈالنے کی کچھ قابلیت موجود ہو۔ خیالات یا سکیمیں پیدا کرنے کی قابلیت کا لیڈری کے ساتھ کچھ تعلق نہیں۔ لیکن جس شخص میں اصولوں کی واقفیت، تنظیم کی طاقت اور عوام کو متاثر کرنے کی تینوں قوتیں موجود ہوں۔ اس کا تو کہنا ہی کیا ہے؟ وہ تو دنیا میں نادر و نایاب ہی ہے۔ اور یہی اس کی عظمت و بلندی کی خاص شان ہوتی ہے۔

میں پہلے ہی تو یہ بیان کر چکا ہوں کہ میں نے اپنی تحریک کے ابتدائی ایام میں پرچار کی طرف کتنی توجہ دی تھی۔ اس کا مقصد یہی تھا کہ پہلے اپنے خیال کو عوام کی ایک محدود سی تعداد کے اچھی طرح ذہن نشین کرادیا جائے۔ تاکہ ان میں سے وہ لوگ نکل سکیں جن سے کہ آئندہ تنظیم کی بنیاد رکھی جانی ہے۔ اس طریق عمل میں پرچار کا مقصد تنظیم سے بدرجہا زیادہ فوقیت رکھتا ہے کیونکہ پرچار کو یہ کام پڑتا ہے کہ کسی نئے خیال کی حمایت کرے۔ تاکہ وہ اس طرح پرچار کے ذریعہ فتح کردہ آدمیوں میں سے بہترین و قابل ترین آدمیوں کو منتخب کر کے انہیں پارٹی کے سرگرم کارکن بناتی جائے۔ پرچارکوں کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر شخص کی لیاقت قابلیت ماہرانہ خصوصیت کا کیریکٹر یا کسی اور خوبی کی طرف کچھ توجہ دیں۔ اور اس کی تلاش میں سرگرداں و پریشان رہیں۔ یہ تو **منتظموں** کا کام ہے کہ وہ ہمیشہ متذکرہ بالا صفات کو پیش نظر رکھ کر اپنے ہم خیال عوام میں سے ایسے بہترین و معتمدین اصحاب کو منتخب کرتے رہیں جو ان کی تحریک کی ترقی اور اس کی فتوحات میں حقیقی طور پر کار آمد ہو سکیں۔

اس لئے پروپیگنڈہ یا پرچار کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ آئندہ تنظیم کے لئے عوام کے دلوں پر فتح حاصل کرے۔ اور تنظیم کا کام یہ ہے کہ وہ اس پرچار کو مناسب جوش و خروش سے جاری رکھنے اور توسیع دینے کے لئے عوام میں سے بہترین و موزوں ترین آدمیوں کو منتخب کرتی رہے۔ پرچار کا دوسرا کام یہ ہے کہ وہ اپنا نیا عقیدہ پیش کر کے پرانے و موجودہ بوسیدہ عقائد کو کھوکھلا کرتا رہے اور تنظیم کا کام یہ ہے کہ وہ ان عقائد کو تہ و بالا کرنے کی طاقت حاصل کرنے کے لئے برابر جنگ و جدل جاری رکھے تاکہ اس کی بدولت وہ اپنی تحریک کی آخری کامیابی کو یقینی بنا سکے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

تنظیم یا سنستھا کا ایک اور سب سے بڑا ضروری کام یہ ہے کہ وہ اپنے ممبروں کے حلقے میں کسی طرح بھی نفاق نہ پیدا ہونے دے تا کہ وہ آپس میں تقسیم در تقسیم ہو کر تحریک میں کمزوری پیدا کرنے کا باعث نہ بنیں۔ اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی خیال رکھے کہ اس کے ممبران میں حملہ آور رہنے کی سپرٹ کسی طرح ٹھنڈی نہ ہونے پائے بلکہ برابر تیز ہوتی جائے۔ اس لئے ممبران کی تعداد میں بھی اسی عجلت کے ساتھ ضرب در ضرب کبھی نہیں ہونی چاہئے۔ کہ انہیں سنبھالنا اور منظم رکھنا ہی ناممکن ہوجائے۔ کیونکہ سرگرمی اور جرات ہر شخص کا حصہ نہیں ہوتی۔ بلکہ ہمیشہ ایک محدود سی فیصدی ہی ان اوصاف سے ہوا کرتی ہے۔ اس لے جو تحریک اپنی تنظیم کے متعلق مناسب و شرائط و حدود قائم نہیں کرتی۔ وہ ناپسندیدہ لوگوں کے گھس آنے سے جلد ہی کمزور ہوجایا کرتی ہے۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے ہے کہ اگر وہ کسی لئے نہیں تو محض ذاتی تحفظ کے خیال سے ہی جب تک تحریک کو اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل نہ ہوجائے وہ نئے ممبروں کو بھرتی پر زور نہ دے اور اس کے بعد بھی بڑی احتیاط ہوشیاری اور چھان بین سے کام لے کر اپنی ترقی و توسیع کی طرف متوجہ ہو۔ صرف اسی طرح وہ اپنی تحریک کے مغز کو ترو تازہ اور تندرست رکھنے میں کامیاب ہو سکتی ہے ۔ اس امر کا بھی ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے کہ تمام تحریک نگرانی اور باگ ڈور برابر اس مغز کے ہی ہاتھوں میں رہے یعنی وہی ایسے طریق پر چار کا فیصلہ جو عالمگیر ہر دلعزیز واعتراف حاصل کر سکے اور وہی تمام طاقت کا خزانہ و ذخیرہ بن کر اپنے آورش کی کامیابی و تکمیل کے لئے ضروری سرگرمیوں کو جاری رکھے اور مناسب طور پر ان کی نگرانی کرتا رہے ۔

میں اپنی پارٹی کے پرچار کا نگران (کنٹرولر) ہونے کی حیثیت سے نہ صرف تحریک آئندہ عظمت و شان کے لئے میدان تیار کرنے میں محتاط رہتا تھا بلکہ تحریک کے لئے بہترین مصالحہ حاصل کرنے کی غرض سے بھی نہایت وسیع اور آزاد خیالی سے پر اصولوں پر عمل کیا کرتا تھا ۔ کیونکہ جتنا زیادہ بلند پائیہ آزادی پسند اور پرجوش میرا پرچار ہوتا تھا اتنے ہی کمزور دل اور متذبذب مزاج اشخاص اس میں شراکت سے گھبراتے اور خوف کھاتے تھے۔ اور اس طرح وہ ہماری تحریک کے مغز میں گھسنے سے باز رہ کر اسے خراب نہ کر سکتے تھے۔ اور یہ سبھی کے لئے اچھا بھی تھا۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء کے وسط تک ہماری یہ تخلیقی سرگرمیاں نہایت کافی ثابت ہوتی رہیں۔ اور ان سے ہر طرح تحریک کی بہتری ہی ہوئی۔ لیکن اس سال

www.freepdfpost.blogspot.com

گرمیوں میں چند واقعات ایسے رونما ہوگئے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوا کہ ہماری تحریک پرچار کی رفتار کے مطابق ترقی کررہی ہے۔ یعنی ہمارا پرچار تحریک کی نسبت نمایاں طور پر زیادہ کامیاب ثابت ہورہا تھا۔ مگر تنظیم ایسی نہیں جیسی کہ ہونی چاہئے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ ۲۱-۱۹۲۰ء میں ممبران کی نگرانی کے لئے ایک کمیٹی منتخب کر دی تھی۔ اس کا مضحکہ خیز پہلو یہ تھا کہ کمیٹی اسی پارلیمنٹری اصولوں پر منتخب کی گئی جس کے خلاف ہماری تحریک نہایت شدومد کے ساتھ جنگ و جدل کر رہی تھی۔ چنانچہ میں نے اس حماقت کو برداشت کرنے سے انکار کردیا۔ اور چند روز بعد کمیٹی کے اجلاسوں میں حصہ لینا چھوڑ دیا۔ مگر اپنے طور پر آزادانہ پرچار برابر جاری رکھا۔ اور میں نے کبھی کسی اناڑی شخص کو یہ اجازت نہ دی کہ وہ مجھے میرے راستے سے گمراہ کرسکتا۔ اسی طرح میں نے دوسروں کے کام میں دخل دینا قطعاً" چھوڑدیا۔ لیکن جونہی کہ نئے قواعد منظور ہونے پر مجھے پارٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔ اور مجھے اس سلسلے میں مناسب اختیارات و حقوق حاصل ہوئے۔ میں نے اس حماقت کا فوراً خاتمہ کردیا۔ اور کمیٹی کے فیصلوں کی بجائے قطعاً" ذمہ داری کے اصول کو ایک مرتبہ پھر قائم کردیا۔ اس طرح تحریک کا صدر ہی اس کی تمام و کمال نگرانی کا واحد ذمہ دار بن گیا۔ پھر یہی اصول آہستہ آہستہ قدرتاً" کم از کم جہاں تک پارٹی کی عام نگرانی کا تعلق تھا تحریک کے تمام اندرونی حلقوں میں کام کرنے لگا۔

ان کمیٹیوں کو جو سوائے ناقابل عمل سفارشات کرتے رہنے کے اور کچھ بھی کام نہیں کرتیں۔ بے ضرر بنانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انہیں کسی اصلی کام کی سرانجام دہی میں لگا دیا جائے پھر یہ نہ دیکھ کر بے اختیار قہقہہ لگانے کو جی کرے گا۔ کہ کام سے جی چرانے والے اور محض باتیں بنانے والے ممبر کمیٹیوں سے کس طرح خود بخود غائب ہونے شروع ہوجاتے ہیں۔ اور کہیں ڈھونڈے بھی نہیں ملتے۔ اس سے مجھے اسی قسم کی ایک دوسری بڑی سنستھا یعنی "ر۔شتاغ" کا بھی خیال آیا اور میں نے سوچا کہ اگر وہاں بھی در حقیقت کوئی کام ہونے لگے۔ اور صرف باتیں نہ ہوتی رہیں تو اس کے باتونی ممبر بھی کس طرح خود بخود اڑ اجائیں گے۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ ہر ایک ممبر کو ذاتی طور پر اس کے کام کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔

دسمبر ۱۹۲۰ء میں ہم نے اخبار "دول کیشر بیوباشٹر" کو خرید لیا۔ یہ ایک ہر دلعزیز اخبار تھا جو اب نیشنل سوشلسٹ جرمن ورکرز پارٹی کا ترجمان ہوگیا۔ پہلے یہ ہفتے میں دو مرتبہ

www.freepdfpost.blogspot.com

شائع ہوا کرتا تھا۔ مگر ۱۹۲۳ء کے شروع میں اسے روزانہ کر دیا گیا۔ اور اگست کے آخر میں اس کا حلیہ تبدیل کر کے اس کے قدو قامت اور ضخامت کو بھی بڑھا دیا گیا۔ اس وقت سے اس نے خوب شہرت حاصل کی اور ہر دلعزیزی اور بھی بڑھ گئی۔ اگرچہ یہ پہلے بھی ایک ہر دلعزیز سنستھا میں ہوا کرتے ہیں۔ گو اس کے مضامین نہایت اعلیٰ ہوتے تھے مگر بہ حیثیت ایک تجارتی کاروبار کے اس کا انتظام "ناممکن" کی حد تک خراب ہو چکا تھا۔ اس کی تہ میں یہ بنیادی خیال کام کر رہا تھا کہ اسے اس کی ہر دلعزیزی کے نام پر عوام سے عطیات حاصل کر کے جاری رکھنا چاہئے یہ کبھی محسوس نہیں کیا گیا تھا۔ دوسرے اخبارات کے مقابلہ میں اسے بھی اپنے پیروں پر آپ کھڑا ہونے کے قابل بننے کی ضرورت ہے کیونکہ اگر ایثار پسند نیک مزاج محب الوطنوں کی فیاضی کی بدولت اس کاروبار کی تاجرانہ غلطیوں، کمزوریوں اور لاپرواہیوں پر برابر پردہ ڈالا جاتا رہے گا تو یہ ایک شرمناک فعل ہوگا۔

چنانچہ میں نے ان خوفناک صورت حالات کو سمجھ کر ان کی اصلاح کے لئے سخت محنت کی ۱۹۱۴ء میں جنگ کے دوران میں ہی مسکس امان سے میری ملاقات ہوگئی تھی جو آج کل ہماری پارٹی کے عام کاروباری ڈائریکٹر ہیں۔ ۱۹۲۱ء میں میں نے اپنے پرانے رفیق جنگ کی جس سے اتفاقاً" ایک دن بازار میں ملاقات ہوگئی تھی خدمت میں یہ درخواست کی کہ وہ ہماری تحریک کا کاروباری مینیجر ہونا منظور کریں۔ بہت پس و پیش کے بعد انہوں نے میری درخواست منظور کرلی کیونکہ اس وقت بھی وہ ایک اچھے عہدے پر مامور تھے جہاں آئندہ ترقی کی بھی خوب گنجائش تھی، مگر اس شرط پر کہ انہیں اناڑی ممبروں کی کسی کمیٹی کے رحم پر نہ چھوڑا جائے۔ اور ایک واحد ذمہ دار مالک کی حیثیت سے کام کرنے کی اجازت ہو۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اخبار مذکور کے عملے میں چند ایسے آدمی بھی لے لئے گئے جن کا تعلق بوریین پیپلز پارٹی کے ساتھ تھا۔ وہ اپنے کام میں بہت ہوشیار تھے۔ اور بالآخر یہ تجربہ بھی نہایت کامیاب ہوا۔ اور حقیقی قابلیت کے اس دیانت دارانہ اعتراف کی بدولت ہماری تحریک کو اپنے ملازموں کے دلوں پر بھی نہایت تیزی کے ساتھ اور یقینی طور پر ایک ایسی فتح حاصل ہوگئی جو پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ بعد ازاں وہ بوریین بھی نہایت اچھے اور سرگرم "نیشنل سوشلسٹ" ثابت ہوئے اور انہوں نے اپنے طریق عمل سے ہماری نئی تحریک کے ساتھ اپنی سرگرم وفاداری و صداقت شعاری کا پورا ثبوت دیا۔ نیز پارٹی کی نہایت گراں بہا خدمات ادا کیں۔

www.freepdfpost.blogspot.com

میں نے آئندہ دو سال میں اپنے خیالات و تجاویز کو اور بھی نمایاں طور پر عملی جامہ پہنایا۔ اور آج جہان تک تحریک کے سب سے بڑے رہنما کا تعلق ہے۔ ان کی پوزیشن نہایت مضبوط ہے اور موجودہ مشکلات کا یہ تحریک ہی قدرتی حل سمجھی جاتی ہے ۹ نومبر ۱۹۲۳ کو ہمارے اس طریق عمل کو کامیابی اور نمایاں طور پر ظاہر ہوگئی۔ چار سال پہلے جب کہ اس تحریک میں شامل ہوا تھا تو جیسا کہ میں پہلے ظاہر کر چکا ہوں اس کے دفتر میں ربڑ کی ایک مہر تک موجود نہ تھی۔ مگر ۹ نومبر ۲۳ء کو جبکہ سرکاری حکم بموجب ہماری پارٹی کو خلاف ضابطہ قرار دے کر اس کی تمام مقبوضات ضبط کر کے نیلام کی گئیں تو ان کی قیمت ایک لاکھ ستر ہزار طلائی مارکس وصول ہوئی اس سے بڑھ کر شان دار کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

ٹریڈ یونین کا سوال

ہماری تحریک جس سرعت اور تیزی کے ساتھ ترقی کر رہی تھی۔ اس کے باعث ۱۹۲۲ء میں ہمیں ایک ایسے سوال کی طرف بھی اپنی روش کا فیصلہ کرنا پڑا ۔ جو کہ ابھی تک کچھ بہت صاف نہ ہو چکا تھا۔ اس مسئلہ کے مطالعہ کرتے ہوئے کہ ہماری تحریک عوام کے دلوں پر نہایت ہی تیزی اور سہولت کے ساتھ کس طرح قبضہ حاصل کر سکتی ہے۔ ؟ بار بار یہ اعتراض ہمارے سامنے آیا ہے کہ جب تک مزدوروں کے پیشہ واران اور اقتصادی سوالات و مفادات کا حل اور ان کی تمام سیاسی انجمنوں کی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جو ہم سے بالکل مخالفانہ رائے رکھتے ہیں تب تک وہ ہماری تحریک کے ساتھ تمام و کمال طور پر کیسے وابستہ ہو سکتے ہیں ؟

اس سے پہلے بھی میں ٹریڈ یونینوں کے مقاصد ان کے کام اور ان کی ضروریات کے متعلق اپنی رائے ظاہر کر چکا ہوں۔ کہ جب تک سرکاری قوانین و جن سے بالعموم کوئی فائدہ نہیں پہنچتا یا ایک نئے آورش کی تعلیم کی بدولت مزدوروں سے کام لینے والے مالکوں کے رویہ میں یہ غیر معمولی تبدیلی نہیں ہوتی۔ کہ وہ اپنے مفاد کی حفاظت کا کام خود اپنے ہاتھ میں لیں اور اس مقصد کے لئے ملک کی اقتصادی زندگی میں کسی عہد نامے کے ایک فریق کی حیثیت سے اپنے مساوی حقوق پر پورا پورا زور دیں۔ اور ان کے حصول کے لئے عوام سے براہ راست پر زور اپیل کرتے رہیں۔ ان کے اس طریق عمل کا ہماری تمام قوم کی مجلسی نظام پر نہایت گہرا اثر پڑے گا۔ کیونکہ اس بارے میں جو مجلسی بے انصافیاں اس وقت ہو رہی ہیں ان کی وجہ سے جان و مال کے ان نقصانات کا روکا جانا ممکن ہے ۔ اس صورت میں ان کی آئندہ بھی وقوع پزیر ہونے کا سخت احتمال ہے میں نے بھی یہ ظاہر کر دیا تھا کہ جب تک مالکان میں ایسے آدمی موجود ہیں جو نہ صرف اپنی مجلسی ذمہ داریوں کی ہی

www.freepdfpost.blogspot.com

کچھ پرواہ نہیں کرتے بلکہ انسانیت کے نہایت ابتدائی حقوق تک کا بھی کچھ خیال نہیں کرتے تب تک ٹریڈ یونینوں کی ضرورت بھی مسلمہ طور پر قائم رہے گی۔ اور موجودہ صورت حالات میں مجھے اس امر کا پورا پورا یقین ہے کہ ٹریڈ یونین تحریک کے خاتمے کا کوئی بھی امکان نہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہماری قوم کی اقتصادی زندگی میں نہایت ہی ضروری سنستھائیں ہیں۔

ممکن ہے نیشنل سوشلسٹ تحریک جس کا مقصد یہ ہے کہ آئندہ عوام کے لئے ایک نیشنل سوشلسٹ حکومت قائم کی جائے۔ اس بارے میں کوئی بھی شک و شبہ اپنے دل میں نہ آنے دے کہ آئندہ حکومت کی بنیاد ہی اس ٹریڈ یونین تحریک پر ہی رکھی جائے۔ کیونکہ یہ خیال کر لینا سب سے بڑی غلطی ہوگی۔ کہ صرف طاقت ہاتھ میں آجانے سے ہی سوسائٹی کا نظام خود بخود ہی کوئی اور صورت اختیار کر لے گا۔ اور اس کی ابتدا بھی محض نیستی سے بغیر ایسے آدمیوں کے کسی عملے کے ازخود ہی ہوجائے گی۔ جنہیں پہلے سے ہی اس کام کے سر انجام دہی کے لئے مناسب سپرٹ میں تعلیم دی گئی ہو۔ اس لئے یہاں ہی ہمیں یہ اصول بھی ماننا پڑے گا کہ کسی نمائشی شکل و صورت کی نسبت اس کی روح یا سپرٹ بہت زیادہ ضروری چیز ہے اور وہ نسبتاً زیادہ سرعت کے ساتھ پیدا کی جاسکتی ہے۔

اس لئے کوئی شخص بھی اچانک ہی اپنے جزدان میں سے کوئی "نیا آئین ساخت" (کنسٹی ٹیوشن) نکال کر پیش نہیں کر سکتا۔ اور نہ کسی بالائی آسمانی حکم سے کسی ایسے آئین کو "نافذ" ہی کیا جاسکتا ہے۔ اگر ایسی کوئی کوشش کی بھی جائے تو اس کا انجام کچھ نہ ہوگا اور وہ یقیناً ایک مردہ بچے کی مانند بے جان ہی پیدا ہوگا اس سلسلہ میں مجھے یاد آتا ہے کہ کس طرح "ویمار کنسٹی ٹیوشن" کو جنم دے کر اسے ایک نئے کنسٹی ٹیوشن کی حیثیت سے ایک نئے جھنڈے کے زیر سایہ جرمن قوم کے گلے منڈھنے کی کوشش کی گئی تھی۔ حالانکہ ان دونوں اس کنسٹی ٹیوشن اور اس جھنڈا کا ہی گزشتہ نصف صدی کے دوران میں ہمارے قوم و ملک سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔ لہٰذا نیشنل سوشلسٹ حکومت کو بھی ایسے تمام انوکھے تجربات سے احتراز رکھنا پڑے گا۔ کیونکہ اسے صرف ان ہی بنیادوں پر نشو نما حاصل ہو سکے گی جو پہلے سے یہاں کام کر رہی ہوگی۔ اس لئے یہ مناسب و ضروری ہے کہ نیشنل سوشلسٹ تحریک اس ضرورت کو ابھی سے تسلیم کرلے کہ اسے اپنے علیحدہ ٹریڈ یونین قائم کرنی پڑے گی۔

www.freepdfpost.blogspot.com

لیکن ہماری یہ ٹریڈ یونین ہوں گی ؟ ان کے متعلق ہمارا کام اور ہمارا مقصد کیا ہوگا۔ اس کے جواب میں صرف اتنا ہی سمجھنا کافی ہوگا۔ کہ جماعتی جنگ کا کوئی آلہ کار نہ ہوں گی۔ یہ صرف مزدوروں کی نمائندگی اور ان کے حقوق کی حفاظت کا کام سرانجام دیں گی۔ نیشنل سوشلسٹ حکومت میں جماعتوں کو کوئی تمیز و تخصیص نہ ہوگی۔ بلکہ سیاسی نقطہ خیال سے سبھی لوگ صرف "شہری" ہوں گے سب کو کامل طور پر مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ اور اسی طرح سب کے فرائض بھی بالکل یکساں ہوں گے اور ان کے پہلو بہ پہلو رعایا کی ایک ایسی ماتحت جماعت ہوگی جسے سیاسی نقطہ خیال سے کچھ بھی حقوق حاصل ہوں گے۔

ہماری اس ٹریڈ یونین تحریک کا ابتدائی مقصد یہی ہوگا۔ کہ وہ کسی بھی جماعتی جنگ میں حصہ نہ لے۔ حالانکہ مارکس ازم نے انہیں جماعتی جنگ کے لئے ہی ایک اوزار کے طور پر تیار کیا ہے۔ ساتھ ہی اس کے مارکس ازم نے ایک اور اقتصادی ہتھیار بھی بنایا ہے جسے آزاد و مختار قومی حکومتوں کی اقتصادی بنیادوں کی تباہی کی غرض سے اور ان کی قومی صنعت و حرفت نیز تجارت اور سوداگری کو برباد کرنے کے لئے بین الاقوامی یہودی استعمال میں لاتے ہیں۔ کیونکہ ان کا مقصد ہی صرف یہ ہے کہ کس طرح دنیا بھر کی آزاد قوموں کو اقتصادی طور پر یہودیوں کا غلام بنا دیا جائے۔ جن کا اپنا نہ تو کوئی ملک ہی ہے اور نہ کوئی حکومت یا ریاست ہی۔ اس لئے ہر ایک نیشنل سوشلسٹ مزدور کو اس امر سے متنبہ رہنا چاہئے۔ کہ قومی خوشحالی اور فارغ البالی کا مطلب ہی یہ ہے۔ کہ مزدور کو مادی خوشی و مسرت حاصل ہو سکے نیشنل سوشلسٹ کارخانہ دار اور مالکوں کو بھی یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ان کے عظیم الشان کارخانوں اور کاروباروں کی ہستی اور نشوونما کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ ان کے مزدور کارکن خوش و مطمئن رہیں۔

اس لئے ہماری اپنی نیشنل سوشلسٹ ٹریڈ یونین کو بھی دوسری یونینوں کے پہلو بہ پہلو قائم کردینا بالکل دیوانہ پن ہوگا۔ کیونکہ سب سے پہلے تو ہمیں اس بات پر پورا یقین ہونا چاہئے کہ ہمارا یہ کام ایک عالمگیر وسعت رکھتا ہے اور پھر یہ جاننا چاہئے کہ اس سے ہمارے اوپر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں ؟ نہ صرف اسی قسم کی ان جماعتوں کے متعلق جن کا منشا و مدعا ہم سے بالکل مختلف و مخاصمانہ ہے۔ بلکہ خود ہمارے اپنے ممبروں اور معاونوں کے متعلق بھی پھر ہمیں۔ اپنی اس جداگانہ اور ضرور ہستی کے اعلان و اظہار کے لئے بھی ہر طرح تیار ہوجانا چاہئے۔ تاکہ ہمارے متعلق کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہوسکے۔ کیونکہ پھر ہم

www.freepdfpost.blogspot.com

دوسری نسبتی خواہشات والوالعزمیوں کے ساتھ کسی طرح بھی کوئی سمجھوتہ نہ کر سکیں گے۔ اور اپنی واحد مطلق العنان ہستی کو قائم رکھنے کے حق کے لئے ہمیں ہر طرح جدوجہد کرنی پڑے گی۔

اس طرح ہماری ٹریڈ یونین ابھی قائم کرنے کے خلاف اور بھی بہت سے دلائل ہیں۔ اور میں ہمیشہ ایسے تجربات کا نہایت سخت مخالف رہا ہوں۔ جن کی کامیابی شروع سے ہی نہ یقینی ہو۔ اور میں اسے ایک قومی جرم سمجھتا ہوں کہ غریب مزدوروں سے ان کے لہو پسینے کی کمائی میں سے کچھ حصہ کسی ایسے کام کے لئے وصول کرلیا جائے۔ جس کی کامیابی کی ہمیں خود ہی کوئی پوری پوری امید نہ ہو۔ اور اس لئے جس سے ہم آخر میں انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکیں۔

۱۹۲۲ء میں ہم نے جو طریق اختیار کیا ہے۔ اس کی بنیاد بھی ان ہی خیالات پر تھی۔ لیکن باہمیں ہمہ دوسرے لوگوں نے شاید اپنی عقل و ہمت پر زیادہ بھروسہ کرکے ٹریڈ یونین جاری کردیں لیکن وہ بھی کچھ ہی مدت بعد غائب ہوگئیں اور آخر میں وہ بھی پھر اسی حالت میں رہ گئے جس میں کہ ہم تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ہم نے نہ تو اپنے آپ کو ہی کوئی دھوکا دیا ہے اور نہ کسی اور کو ہی۔

www.freepdfpost.blogspot.com

صلح و جنگ کی جرمن پالیسی

امور خارجہ کے متعلق پالیسی میں جرمنی ریش کی کمزوری نیز صلح اور سمجھوتوں کے متعلق صحیح اصولوں کی پیروی میں اس کی ناکامیابی ' انقلاب کے بعد بھی صرف جاری ہی نہیں رہی۔ بلکہ روز بروز بد سے بدتر صورت اختیار کرتی گئی۔ کیونکہ اگر امور خارجہ میں حکومت کی غلط رہنمائی کی ذمہ داری جنگ سے پہلے کے ایام میں سیاسی خیالات کی گڑبڑ اور ابتری پر ڈالی جائے۔ تو یہ کہنا پڑے گا کہ بعد از جنگ اس کی تمام کمال ذمہ داری ان لوگوں کے سر تھی۔ جنہوں نے صورت حال کو ٹھیک کرنے کے سب اختیارات رکھتے ہوئے بھی اس کی اصلاح کے لئے کبھی صادقانہ کوشش نہیں کی کیونکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ جس پارٹی نے اپنے تباہ کن مقاصد میں انقلاب انگیزی سے کامیابی حاصل کی تھی وہ از سرنو ایک آزاد جرمن حکومت قائم کرنے کی غرض سے کسی بھی طاقت کے ساتھ کوئی صلح یا سمجھوتہ کرنا پسند نہ کرتی تھی۔ اس لئے جب تک ہماری نیشنل سوشلسٹ جرمن ورکز پارٹی ایک چھوٹی سی اور غیر مشہور جماعت رہی تب تک تو ہمارے دوست احباب کی ایک تعداد کثیر کی نگاہوں میں خارجہ پالیسی کا مسئلہ کچھ زیادہ اہم و ضروری نہیں رہا اور درحقیقت ممالک غیر کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے متعلق ہر جدوجہد کی ابتداء بھی لازمی طور پر اسی طرح ہوسکتی تھی۔ کہ سب سے پہلے ان بنیادی وجوہات کو دور کیا جاتا۔ جو میدان جنگ میں ہماری شکست اور تباہی کا باعث ہوئی تھیں اور پھر ان لوگوں کو ٹھیک کیا جائے جو بمصداق اپنا مرنا ان کے گھر شادی ہوئی خون کے چھاپے لگے دیوار میں۔

ہماری اس قومی بربادی سے خاطر خواہ فائدے اٹھاتے تھے اور من مانے طور پر اپنے ہاتھ رنگتے تھے بعد ازاں کسی اور طرف توجہ کی جائے۔

لیکن جونہی کہ ہماری ناچیز اور ناقابل توجہ سوسائٹی نے رفتہ رفتہ اپنی روز افزوں

www.freepdfpost.blogspot.com

کارگذاریوں اور سرگرمیوں سے کافی اہمیت و عظمت حاصل کرلی۔ اور میدان عمل میں نمایاں طور پر پرزے نکال لئے۔ اور ہاتھ پیر پھیلالئے۔ تب تو اس کے لئے بھی یہ ضروری ہوگیا کہ وہ اس امور خارجہ کے متعلق سیاسی پالیسیوں کی طرف بھی اب کچھ توجہ دے کر ان کی نشوونما کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کی طرف متوجہ ہو اس غرض سے سب سے پہلے تو ہمارے لئے ایسے اصولوں کا فیصلہ کرنا لازمی آیا جو ہمارے بنیادی تخیل سے کسی طرح بھی ٹکر نہ کھاتے ہوں۔ بلکہ ہر طرح سے ان کے معاون و مددگار ثابت ہوکر ان کی تشریح و توضیح کا ذریعہ بن سکیں۔ اس پہلو سے سب سے اول وہی خیال ہمارے سامنے آیا جو ہمیشہ ہر سوال میں ہمارے پیش نظر رہتا ہے کہ یہ خارجی پالیسی بھی ہماری نظر کی نظروں میں اپنا اصل مقصد حاصل کرنے کے مختلف ذرائع میں سے صرف ایک ذریعہ ہی ہوگی اور اس سے بڑھ کر اس کی اہمیت کبھی کچھ نہ سمجھی جائے گی اس لئے اس کا آخری نتیجہ بہرحال یہ ہونا چاہئے کہ اس سے ہماری قومیت کے خیال کی حوصلہ افزائی ہو اور اسے کچھ نہ کچھ تقویت ضرور حاصل ہو۔ لہٰذا غیر ملکی سیاسیات کے متعلق کبھی کسی تجویز پر اس نقطہ خیال کے سوا اور کسی خیال سے غور نہ کیا جائے۔ کہ اس سے ہماری قوم کے زمانہ ہائے حال و مستقل قریب و بعید پر کیا اثر پڑے گا یعنی اس سے کیا فائدہ حاصل ہونے کی امید کی جاسکتی ہے۔ یا کیا کچھ نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔؟

ماسوا اس کے ہمیں یہ بھی سوچنا ضروری تھا کہ اپنے مادر وطن کی آزادی اور اس کی برباد شدہ طاقت و قوت کی بحالی کے لئے یہ لازمی و لابدی ہے کہ ان سب علاقہ جات کو پھر حاصل کرنے کے سوال پر پورا پورا غور و خوض کیا جائے جو کسی زمانے میں ہم سے چھینے جا چکے ہیں لیکن مادر وطن کے لئے تمام و کمال آزادی حاصل کرنے کے اہم ترین سوال کے مقابلے میں ان علاقہ جات کے سوال کو بھی ہم فی الحال قطعی لاپرواہی سے نظرانداز کرسکتے ہیں جو ابھی تک اغیار کے قبضے بے جا میں ہیں۔ کیونکہ مادر وطن کی گود سے کسی جدا شدہ علاقے یا وہاں کے باشندوں کی مجبوریوں معذوریوں یا ان پر پروا رکھنے جانے والے ظلم ناوار کا علاج نہ تو ان جدا شدہ بچوں کی چیخ و پکار اور اظہار و اضطراب و ناراضگی سے ہوسکتا ہے۔ اور نہ ان بچوں کی بے قراری و پریشانی سے ہی جو کہ اس وقت جبراً" مادر وطن کی گود سے بچھڑ کر جیسے کیسے اپنی زندگی کے ایام بسر کر رہے ہیں اس کا واحد علاج تو صرف یہی ہے کہ خواہ وطن کی جو اپنے سب بچوں کی واحد مشترکہ ماں ہے حقیقی طاقت و قوت کو مضبوط

www.freepdfpost.blogspot.com

کیا جائے۔ اور اسے ہر طرح مکمل و موثر طور پر آزاد و خود مختار کردیا جائے تاکہ وہ خود اپنے پیروں پر پختگی و مضبوطی سے کھڑے ہوکر اپنے بچوں کی حفاظت کرسکے اور بچھڑوں کو ملا کر اپنا سایہ عاطفت میں یکساں آرام و آسائش کے ساتھ جگہ دے سکے۔

اس لئے رہنمایان ملک کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی ملکی غیر ملکی دونوں پالیسیوں کو اس طرح ڈھالیں کہ ان سے مادر وطن کی طاقت خود بخود بڑھتی اور مضبوط ہوتی جائے اور اسے ایسے جانبازوں و جانثار مرد میدان حاصل ہوتے جائیں جو اس کی حمایت میں اتنی تمام مشترکہ و متحدہ طاقتوں سے ہر طرح کام لینے کے لئے ہمیشہ آمادہ و کمربستہ رہیں میں اس کتاب کے ابتدائی ابواب میں اس امر پر کافی روشنی ڈال چکا ہوں کہ جنگ سے پہلے غیر ممالک سے صلح و سمجھوتہ کرنے کے متعلق ہماری پالیسی کیسی کمزور اور نیم دلی کی پالیسی رہی ہے اور کس طرح ہم یورپ کے ہی اندر نئے علاقے حاصل کرنے کے متعلق کوئی مضبوط پالیسی اختیار کرنے کی بجائے یورپ سے باہر آبادیاں بسانے اور اپنی تجارت کو پھیلانے کی غلط پالیسی کو ترجیح دیتے رہے ہیں۔

اور اس میں بھی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ ہم یہ امید کرتے رہے کہ اپنی اس پالیسی میں بھی ہمیں کسی خاص مسلح جنگ و جدل کے بغیر ہی کامیابیوں حاصل ہوجائے گی۔ اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بہت سی کرسیوں پر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے ہم منہ کے بل اوندھے زمین پر آرہے۔ جیسا کہ ایسی حالتوں میں اکثر ہوا کرتا ہے۔ اور عالمگیر جنگ میں ہمیں اس غلط رہنمائی کا خمیازہ ایک شرمناک شکست کی صورت میں بھگتنا پڑا۔ حالانکہ اس پہلو میں صحیح راستہ جو ہمارے سامنے کھلا پڑا تھا وہ یہ تھا کہ ہم یورپ میں ہی نئے علاقے حاصل کرکے اپنی حدود کو وسعت دینے کی کوشش کرتے رہتے۔ اور اپنی طاقت بڑھاتے رہتے۔

لیکن چونکہ ہماری اس جد و امجد یعنی ہماری جمہوریت پارلیمنٹ کے ممبروں نے ملکی حفاظت کے متعلق کسی باقاعدہ سکیم پر غور کرنے سے انکار کردیا۔ نیز یورپ میں ہی نئے علاقے حاصل کرنے کے متعلق سب تجاویز کو ٹھکرا دیا۔ اور ان کے مقابلہ میں آبادیاں قائم کرنے اور غیر ممالک میں تجارت پھیلانے کو ترجیح دی۔ انگلستان کے ساتھ رشتہ اتحاد جو اس وقت عین ممکن تھا قائم کرنے کی اصلاح بھی نہ مانی اور ساتھ ہی اس کے روس سے امداد حاصل کرنے کے موقع کو بھی ہاتھ سے کھو دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب انہیں عالمگیر

www.freepdfpost.blogspot.com

جنگ میں پھنسنا پڑا تو سوائے بدقسمت منحوس اور روبہ زوال ہیپسبرگ خاندان کے اور کسی نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔

ملکہ ایلزبتھ کے زمانے میں سے ہی برطانوی سیاسیات کی تاریخی رغبت یہ تھی۔ جس کا جواب جرمنی میں بھی پروشین افواج کی روایات کو کہا جاسکتا ہے کہ یورپ میں کسی قوم کو بھی ایک خاص درجہ سے زیادہ مضبوط طاقتور نہ ہونے دیا جائے۔ اور جو اس سے بڑھتی ہوئی دکھائی دے۔ اور اسے ہی اگر ضرورت ہو تو فوجی طاقت سے بھی کچل کر کمزور کردیا جائے اس مقصد کیلئے برطانیہ جو بھی ذرائع استعمال کرسکتا تھا۔ وہ سب حسب ضرورت مختلف ہوا کرتے تھے لیکن ان سب کے پس پشت مقصد ایک ہی کام کیا کرتا تھا۔ برطانیہ کی سابق امریکہ نو آبادیوں کی سیاسی آزادی کا نتیجہ ہوا کہ وہ براعظم یورپ کی اقوام میں ماداد اور سہارا تلاش کرنے لگا۔ اس طرح جب سپین اور نیدر لینڈز یورپ کی شان دار طاقتیں بنے بنتے رہ گئے تو سلطنت برطانیہ نے اپنی تمام توجہ فرانس کی ابھرتی ہوئی طاقت کو کمزور کرنے پر لگا دی۔ حتیٰ کہ نپولین کی شکست سے اس کا بھی فیصلہ ہوگیا۔ اور اس طرح برطانیہ کے ایک زبردست رقیب کا جس کے کبھی مدمقابل ثابت ہونے کا زبردست خطرہ پیدا ہوچلا تھا بظاہر ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔

جرمنی کے طرف برطانوی مدبروں کی نظر عنایت کا رخ اس لئے بہت ہلکا تھا۔ کہ جرمنی میں اندرونی طور پر قومی یگانگت موجود نہ تھی کہ وہ انگلستان کے لئے کسی خطرے کا باعث ہوسکتا۔ لیکن ۷۱ - ۱۸۷۰ء میں انگلستان نے ایک اور روش اختیار کرنی شروع کی۔ کیونکہ ایک طرف تو دنیا کے اقتصادیات میں امریکہ کی اہمیت روز بروز بڑھتی جارہی تھی اور دوسری طرف روش بھی بہ حیثیت ایک قوم کے خاص نشوونما حاصل کررہا تھا جس سے انگلستان ایک خاص تذبذب میں تھا۔ لیکن بدقسمتی سے ہم نے اس کی اس حالت سے جرمنی کے لئے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ حتیٰ کہ اس میں تبدیلی ہونے سے برطانوی مدبروں نے اپنی ایک اس سے بھی زیادہ مضبوط پالیسی اختیار کرلی۔

جرمنی کی تجارتی اور صنعتی ترقی دیکھ کر برطانیہ اس میدان میں جرمنی کو بھی آخر کار اپنے لئے ایک خطرہ سمجھنے لگا۔ اور اس نے پر امن طریق پر گھسنے کی پالیسی سے دنیا کو فتح کرنا کا جو طریق اختیار کر رکھا تھا اور جسے وہ جرمن مدبر دانشمندی و تدبر کا سب سے اعلیٰ درجہ سمجھا رہے تھے۔ اسے ہی برطانوی مدبروں نے اپنی طاقت تحفظ کی تنظیم کی بنیاد بھی بنا لیا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

یہ بات حتیٰ کہ اس تنظیم تحفظ نے ہی بعد ازاں ایک منظم حملے کی صورت اختیار کر بھی لی۔ برطانوی مدبروں کی پالیسی کے عین مطابق تھی جس کا منشاء ابتداء سے ہی یہ تھا کہ اس قابل اعتراض امن و امان کو زیادہ عرصہ تک قائم نہ رکھ کر دنیا میں برطانوی عظمت کی دھاک بٹھانے کے لئے کوشش کی جائے۔ مزید براں یہ امر واقعہ کہ برطانیہ جن حکومتوں سے فوجی نقطہ خیال سے کسی طرح فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ ان ہی سے اس نے اپنے دوستانہ تعلقات گانٹھ لئے۔ برطانوی مدبروں کی اس روایتی دوراندیشی کے کسی طرح خلاف نہ تھی جس سے وہ اپنے مخالفوں کی طاقت کا اندازہ لگا کر خاص موقع پر ان کی کمزوری کا علم حاصل کیا کرتا تھا۔ برطانوی نقطہ خیال سے یہ کسی طرح ناجائز بھی نہیں کہا جاسکتا تھا کیونکہ ایسے مکمل طور پر ایک عظیم الشان جنگ کی تنظیم کے کام کا اندازہ کسی طرح بھی ایک بہادری کے معیار سے نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ وقت اور موقع کی مناسبت و موزونیت سے ہی ہوا کرتا ہے۔ اور اسی کو تدبر بھی کہتے ہیں کہ اپنی بہادری کے زعم میں آکر بھی قوم کو شکست نہ کھانے دی جائے بلکہ ہر ایک عملی طریق سے فتح کے میدان میں اس کے قدم مضبوط رکھے جائیں ایسی حالت میں ہر ایک سڑک جو اس منزل مقصود تک پہنچا سکے وہی صحیح ہوتی ہے اور اس پر قدم نہ بڑھانا ہی اپنے فرض کی طرف سے سخت لاپرواہی و غفلت ظاہر کرنے کے الزام کا جان بوجھ کر مجرم ہونا ہے جو کوئی معمولی سمجھ دار انسان بھی پسند نہ کرے گا۔

جب جرمنی میں انقلاب پھیل گیا تو جہاں برطانوی مدبروں کا تعلق تھا۔ جرمنی کی عالمگیر عظمت کی سب دھمکیوں کا بھی اس کے ساتھ ہی خاتمہ ہوگیا لیکن یورپ کے نقشے سے جرمنی کا نام تک مٹا دینا بھی کسی طرح برطانوی مفاد کے حق میں نہ تھا بلکہ برخلاف اس کے نومبر ۱۹۱۸ء میں ہمارے خوفناک انجام نے برطانیہ کو ایک نئی صورت حال سے روبرو کرا دیا جو فوراً" ہی ممکن نظر آنے لگی یہ جرمنی کی تباہی کے بعد یورپ بھر میں فرانس کی سب سے زیادہ طاقت ور ہوجانے کا اندیشہ تھا لیکن چونکہ دوران جن میں برطانوی مدبر خود ہی عوام کے جذبات کو فرانس کے حق میں ہمیشہ سے زیادہ بھڑکا چکے تھے اس لئے وہ نومبر ۱۹۱۸ء اور موسم گرما ۱۹۱۹ء کے درمیانی عرصے میں اس خطرے کے باوجود بھی فرانس کی طرف سے اپنی روش میں کوئی تبدیلی ظاہر نہیں کرسکتے تھے اب فرانس کی طاقت کو حد سے زیادہ بڑھنے سے روکنے کا صرف یہی طریقہ برطانیہ کے سامنے کھلا تھا کہ وہ فانس کی مخاصمانہ خواہشات میں خود بھی شریک ہوتا رہے۔ کیونکہ در حقیقت انگلستان جس نیت سے جنگ

www.freepdfpost.blogspot.com

میں کودا تھا وہ مقصد اس کا پورا نہیں ہوا تھا۔ یعنی وہ یورپ میں کسی دوسری قوم کو اپنے خاص معیار طاقت سے زیادہ مضبوط و طاقتور ہونے سے نہیں روک سکا تھا۔ اور آخر وہ طاقت جرمنی کی صورت میں نہیں تو فرانس کی صورت میں ہی نہایت پختہ طور پر قائم ہوگئی تھی۔

غرضیکہ آج فرانس کی پوزیشن بے نظیر ہے۔ فوجی نقطہ خیال سے وہ براعظم یورپ میں سب سے زیادہ زبردست طاقت ہے۔ جس کا کوئی بھی رقیب نہیں اس کی سرحدیں بھی اٹلی اور سپین کے حملوں کی طرف سے قطعاً" محفوظ ہیں جرمنی کی طرف سے اس کی اپنی فوجیں ہی اس کی حفاظت کرتی ہیں جو اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ زبردست ہیں جرمنی بالکل مجبور و لاچار ہے۔ اس کے لمبے چوڑے سمندری ساحل بھی اس کے بیڑے کی طاقت و قوت کے باعث جو آہستہ آہستہ بیڑے سے بھی بازی لئے جا رہا ہے۔ ہر قسم کے حملے سے محفوظ ہیں۔ اس لئے برطانیہ کی ہمیشہ سے یہ مستقل خواہش رہی ہے کہ وہ یورپ کے تمام ملک میں توازن قائم رکھے۔ کیونکہ دنیا میں برطانیہ کے رسوخ و عظمت کی برقراری کے لئے یہی سب سے ضروری شرط ہے۔

لہٰذا انگریز امریکہ یا اطالین مدبروں میں تو کوئی ایک مدبر بھی ایسا نہیں ہے جسے کسی طرح بھی جرمنی کا حمایتی یا خیر اندیش کہا جاسکتا ہو جو شخص بھی ان ممالک میں سے کسی مدبر پر جرمنی کی بہتری کے لئے بھروسہ کرتا ہے وہ یا تو مدبر ہی نہیں کہلا سکتا اور اگر وہ کہلاتا بھی ہے تو پھر خالصاً" "گدھا" انگلستان ہرگز بھی جرمنی کو دنیا کی بڑی طاقتوں کی صف میں دیکھنا پسند نہیں کرسکتا اور فرانس تو اسے کسی طاقت کی صورت میں بھی دیکھنا برداشت نہیں کرسکتا یہی ان دونوں کا سب سے بڑا فرق ہے۔ ہم بھی اس وقت دنیا کی طاقتوں میں شمار ہونے کے لئے جدوجہد نہیں کرتے ہم تو ابھی صرف اپنی جد امجد کی سرزمین کی ہستی کی برقراری اپنی قوم کے اندرونی اتحاد نیز اپنے بچوں کی روزانہ روٹی کی فکر میں ہی مبتلا ہیں۔ ان حالات میں صرف دو قومیں ہی ہمارے لئے باقی رہ جاتی ہیں جن سے ہمیں کوئی دوست مل سکتا ہے۔ ایک برطانیہ اور دوسری اٹلی۔

برطانیہ فرانس کو اپنے مفادات کا مدمقابل دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ فرانس کی فوجی عظمت اس کی آنکھ میں کانٹے کی طرف کھٹکتی ہے اور اٹلی بھی یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ یورپ میں فرانس کی طاقت کچھ اور مضبوط ہوجائے کیونکہ اس کے مستقبل کا انحصار ہی اسی پر

www.freepdfpost.blogspot.com

ہے۔ کہ بحیرہ روم میں اس کی عظمت قائم ہو وہ جنگ میں فرانس کی طاقت بڑھانے کے لئے شریک نہیں ہوا تھا۔ بلکہ بحیرہ ایڈریاٹک میں جو اس کے رقیب تھے ان کا خاتمہ کرنے کے لئے شامل ہوا تھا۔ اس لئے فرانس کی طاقت میں جو بھی اضافہ ہوگا۔ وہی اٹلی کے مستقبل کے لئے خطرہ ہے اور وہ اس دھوکے میں مبتلا نہیں کہ قومی تعلقات رقابت کے زہر سے مبرا ہوتے ہیں۔

اس لئے نہایت گہرے غور و خوض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ اور اٹلی دونوں کے اپنے اپنے مفاد کسی طرح بھی جرمنی کی ہستی کے خلاف نہیں۔ بلکہ کسی حد تک اس کے حق میں ہیں۔ اگرچہ جرمنی کو اور بھی زیادہ ذلیل کرنا برطانیہ کی حکومتی پالیسی نہیں ہوسکتا مگر یہودیوں کی بین الاقوامی اقتصادی پالیسی اس کی ضرور ہی خواہاں ہوسکتی ہے۔ برطانوی حکومت کی بہتری و مفاد سے قطع نظر تمام یہودی سرمایہ پرست جرمنی کی مزید اقتصادی ذلت کے خواہاں نہیں۔ بلکہ اس کی مکمل سیاسی غلامی کے بھی متمنی ہیں۔ اس لئے یہودی جرمنی کی تباہی کے لئے سب سے بڑھ چڑھ کر ایجی ٹیشن کرنے والے ہیں۔ ان کے خیالات کا رجحان صاف ظاہر ہے وہ جرمنی کے قومی تخیل کو تباہ کرکے اور جرمن مزدوروں کی طاقت کو عالمگیر یہودی اور اقتصادیات اور سرمایہ پرستی کے جوئے میں جوت کر جرمنی میں بولشوزم پھیلانا چاہتے ہیں اور یہی ان کی تمام قریب و بعید کی وسیع عالمگیر فتوحات کے سلسلہ میں سب سے پہلی کڑی ہے ماسوا اس کے کے انگلستان اور اٹلی دونوں ہی ممالک میں وہاں کے خالص سیاسی تدبیر کا یہودی دنیائے اقتصادیات کے مطالبات سے جتنا وسیع اختلاف ہے وہ بھی ہم سے کسی طرح پوشیدہ نہیں۔ اس لئے ہمیں صرف حکومت فرانس اور یہودی سرمایہ داروں میں ہی جو سٹاک ایکسچینج کی نمائندگی کرتے ہیں ایک گہرا سمجھوتہ معلوم ہوتا ہے۔ اور اس لئے بھی ہم فرانس کو جرمنی کے لئے ایک بڑا زبردست خطرہ خیال کرتے ہیں۔

لیکن ہم نیشنل سوشلسٹوں کے لئے یہ بھی آسان نہیں کہ ہم برطانیہ کو اپنا ایک ممکن دوست ہی سمجھ لیں ہمارا یہودی پریس اور اس کی دیکھا دیکھی کئی ایک کوڑھ مغز اور بے وقوف جرمن قلم قصائی بھی یہاں برطانیہ کے خلاف نفرت پھیلا رہے ہیں اور جرمن بیڑے کو طاقتور بنانے کی باتیں بنا رہے ہیں۔ ہماری نو آبادیوں کے چھینے جانے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے یہ آواز اٹھا کر ہمیں انہیں پھر حاصل کرنا چاہئے یہودی

www.freepdfpost.blogspot.com

بدمعاشوں کے ہاتھوں میں کھیلے ہوئے انگلستان کو اور بھی زیادہ ہمارے خلاف بھڑکا رہے ہیں لیکن ان کوتہ اندیش مدبروں کو یہ معلوم ہوجانا چاہئے کہ ہمیں ابھی اپنی بحری طاقت کی بحالی کے لئے جدوجہد کرنے کی کچھ ضرورت نہیں کسی روسی جنگ سے پہلے اس مقصد کے لئے قومی طاقت کا ضائع کرنا۔ ایک حماقت ہی ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے ہمیں یورپ میں اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو یقینی طور پر مضبوط بنا لینا چاہئے۔ اور حالات موجودہ میں تو اس قسم کی خواہش کواپنے دل میں جگہ دینا بھی اس قسم کی حماقتوں میں شامل ہوگا جنہیں کہ مجرمانہ کہا جاتا ہے۔

یہاں میں خاص شرارت کا بھی کچھ ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ جسے گذشتہ چند سال سے یہودی نہایت ہوشیاری اور دانائی سے پیدا کر رہے ہیں وہ ہے جنوبی ٹیرول کے متعلق سب سے پہلے اس بارے میں یہ ظاہر کردینا چاہتا ہوں کہ میں ان آدمیوں میں سے ایک ہوں۔ جنہوں نے کہ اگست ۱۹۱۴ء سے نومبر ۱۹۱۸ء تک جبکہ ٹیرول کی قسمت کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ اس کی خدمت میں کچھ حصہ لیا تھا اس لئے نہیں کہ اسے دشمنوں کے حوالہ کردیا جائے بلکہ اس لئے کہ جب تک ممکن ہوسکے اسے مادر وطن کی گود میں ہی محفوظ رکھا جائے کیونکہ جرمنی کے لئے جنوبی ٹیرول کی محافظت کی ضامن ویانا کی "را تھیس یا میونخ" کے فیلڈ ہر ہال کے جلسوں میں پرجوش اشتعال انگیز دروغ بافیوں سے بھرے ہوئے ہوشیار ممبران پارلیمنٹ کی دھواں دھار تقریریں بھی کسی طرح نہیں ہوسکتی تھیں۔ بلکہ صرف وہ جانباز فوجیں ہی ہوسکتی تھیں جو اس محاذ پر سر کٹا رہی تھیں اور ان ہی لوگوں نے دیگر جرمن اضلاع کی فوجوں کی مانند ان میں بھی بے چینی و بے اطمینانی پھیلا کر جنوبی ٹیرول کے ساتھ غداری اور دھوکا بازی کی تھی۔ جو آج یوں بڑھ بڑھ کر اس کے لئے باتیں بنا رہے تھے۔

صرف یہی نہیں بلکہ سب سے زیادہ شرمناک بات تو یہ ہے کہ ان باتیں بنانے والوں کو خود بھی یہ یقین نہیں کہ ان کی صدائے احتجاج کا کچھ اثر ہوگا کیونکہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کی یہ سب فضول بک بک کتنی بے ضرر اور بے اثر ہے اور اب وہ یہ سب بکواس صرف اس لئے کر رہے ہیں کہ اس وقت جنوبی ٹیرول کی حفاظت میں سرکھپ ہونے کی نسبت اس کے پھر حاصل کرنے کے لئے یہ بک بک کرنا بہت زیادہ آسان ہے۔ کیونکہ سب کو ہی کچھ نہ کچھ کرنا تو ضرور چاہئے ہم لوگوں نے اس کی حفاظت میں اپنا خون بہایا تھا تو کیا یہ اپنی زبان کی تیزی و طراری بھی اس کے لئے نہ دکھائیں اور بالکل ہی غدار

www.freepdfpost.blogspot.com

بنے رہیں۔

اگر جرمن قوم اس آفت کو روکنا چاہتی ہے جو اس وقت یورپ کے اوپر منڈلا رہی ہے۔ تو پھر اسے اسی غلطی میں ہرگز نہ پھنس جانا چاہئے۔ جسکی کہ وہ گذشتہ جنگ سے پہلے مرتکب ہوئی تھی۔ اور اس طرح اپنے آپ کو خدا اور دنیا دونوں کا ہی دشمن نہ بنا لینا چاہئے۔ بلکہ اسے سب سے پہلے تو یہ معلوم کرنا چاہئے کہ اس کا سب سے زیادہ خوفناک اور خونخوار دشمن کون ہے۔ اور پھر اپنی تمام طاقت کو اسی کے خلاف مرکوز کردینا چاہئے۔ اگر جرمنی نے یہ طریق عمل اختیار کیا۔ آئندہ نسلیں بھی ہماری ان عظیم ضروریات اور ان کی تکمیل کے متعلق ہمارے فکر و اضطراب کو کچھ محسوس کرکے ہمارے نا جانبازانہ ارادوں کی اور بھی زیادہ تعریف کریں گے۔ جبکہ وہ یہ دیکھیں گے کہ ان کی بدولت ہم نے کیسی شان دار کامیابی حاصل کی ہے۔

سچ پوچھو تو جرمنی کی تباہی و بربادی کا اصل باعث ہیپسبرگ حکومت آسٹریا کی مردہ لاش کے ساتھ اتحاد و اتفاق کی احمقانہ خواہش کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔ اور آج بھی ہماری کسی خارجہ پالیسی کے متعلق کوئی ناقابل قیاسات و تخیلات ہی ہماری آئندہ ترقی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوسکتے ہیں۔ لیکن ہماری موجودہ حکومت اور قوم میں حصول آزادی کی یہ قابل فخر سپرٹ پیدا کرنے اور ہمارے ان مردانہ قومی ارادوں کی مخالفت میں کیا کیا کچھ کیا ہے۔ یہاں اس پر کچھ غور و خوض کرنا بھی کسی طرح بے محل نہ ہوگا۔

۱۹۱۹ء میں جب جرمن قوم کی گردن پر عہد نامہ صلح کا بار گراں لد رہا تھا اس وقت تو یہ امید کرنا کچھ حق بجانب بھی ہوسکتا تھا کہ اس دستاویز جبر و تشدد کے خلاف ہمارے نالہ و فریاد کرتے رہنے سے حصول آزادی کے لئے جرمنی کی چیخ و پکار کو ضرور کچھ نہ کچھ مدد ملے گی۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ صلح نامے ہی جو ایک زبردست قوم کے لئے وبال جان بن جاتے ہیں اس کی آئندہ ترقی اور اسے از سرنو زندگی بخشنے کے لئے سے سے بڑا معاون ہوتی ہے اور اس کے حصول آزادی کے لئے نقارے کی پہلی بن جاتی ہے۔ اس طرح ہم بھی عہد نامہ ورسیلز سے کتنا فائدہ اٹھا سکتے تھے۔

اس کی ہر ایک مدقوم کے دل و دماغ پر گرم جلتے ہوئے لوہے کی مانند داغی جاسکتی تھی حتیٰ کہ اس کی شرم و ذلت سے جرمنی کے چھ کروڑ مردوں عورتوں کے دلوں میں اپنے

www.freepdfpost.blogspot.com

دشمنوں کے خلاف حقارت کی آگ کا ایک بحر و ذخار شعلہ زن ہو اٹھتا اور انؐ کے دلوں میں ایک فولادی قوت ارادی پیدا ہوکر وہ سب یک زبان ہوکر چلا اٹھتے کہ ہم بھی دوسری قوموں کی مانند مسلح ہوئے بغیر کسی آرام اور اطمینان سے نہ بیٹھیں گے۔ لیکن افسوس کہ ہماری مہربان حکومت نے سب موقع ہاتھ سے کھو دیئے اور کچھ بھی نہیں کیا۔ ان حالات میں پھر تعجب ہی کیا ہے اگر ہماری قوم کی وہ حالت اور وہ عزت نہیں جو کہ ہونی چاہئے تھی اور جسے وہ باآسانی حاصل بھی کرسکتی تھی۔

ایک ایسی قوم جو اس ذلیل حالت میں ہو۔ جس میں کہ ہم ہیں اسے دنیا بھر میں کون سا ایسا آزاد ملک ہوگا۔ جو اس قابل سمجھے گا کہ اس کے ساتھ کوئی عہد نامہ کیا جائے تاوقتیکہ اس کی حکومت اور رائے عامہ سریکف ہوکر یہ ظاہر نہ کردے کہ وہ پوری پوری آزادی حاصل کرنے اور اسے ہر طرح برقرار رکھنے کی غرض سے ہر طرح جنگ و جدل کے لئے آمادہ و کمربستہ ہے اس لئے ابھی اپنے جنگی بیڑے اور اپنی نو آبادیوں کی بحالی کے لئے سب چیخ و پکار صریحاً" بے سود ہے کیونکہ اس کے عملی امکان و تکمیل کی کوئی بھی صورت نظر نہیں آتی۔ جو یہ شور و غوغا مچا رہے ہیں۔ وہ خدا اور باقی دنیا کے سامنے ایک فضول مظاہرات میں اپنا وقت و طاقت ضائع کر رہے ہیں جن کا نتیجہ سوائے نقصان کے اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ وہ حصول کامیابی کے اس پہلے اور نہایت ضروری اصول کو ہی بھول رہے ہیں یا نظرانداز کر رہے ہیں کہ جو کچھ بھی کرو جی جان سے اور اپنی پوری پوری طاقت و جرات سے کرو۔ پانچ یا دس حکومتوں کے برخلاف پھونک پھونک کر ہم اپنی قومی قوت ارادی جسمانی کوشش اور تمام طاقتوں کو اپنے زبردست اور پرجوش دشمنوں کے خلاف کرنے کے موقعوں کو بالکل نظرانداز کرتے رہے ہیں۔ اور ہم ان ذلیل کن شرمناک شرائط کی نظر ثانی کرانے کے لئے دوسروں سے اتحاد اور میل جول پیدا کرکے اپنی طاقت بڑھانے کے لئے ہرایک امکان کو قربان کرتے رہے ہیں۔

یہی ہماری" نیشنل سوشلسٹ تحریک کے لئے ایک مشن اور منزل مقصود بن سکتا ہے۔ اسے قوم کو یہ تعلیم دینا چاہئے کہ وہ اپنے عظیم الشان مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہیں۔ معمولی اور جزوی باتوں کو نظرانداز کرنا سیکھیں۔ اور کبھی ان کی بناء پر آپس میں پھوٹ نہ ڈالیں۔ اور کبھی یہ نہ بھولیں۔ کہ جس مقصد کے لئے آج ہم جنگ و جدک کر رہے ہیں۔ اسی پر ہماری قومی زندگی و موت کا انحصار ہے۔ اور جس دشمن پر ہم اپنی پوری پوری طاقت

www.freepdfpost.blogspot.com

سے حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ہماری قومی ہستی مٹانے اور تباہ و برباد کرنے کے درپے ہیں ماسوائے اس کے جرمن قوم کو اس وقت تک دنیا کی باقی طاقتوں سے کوئی شکوہ و شکایت کرنے کی بھی بالکل گنجائش نہیں بلکہ وہ اپنے ہی قومی غداروں اور ملکی دشمنوں کو قرار واقعی سزا نہ دے لے جنہوں نے اپنی خود غرضی اور مطلب پرستی کو مدنظر رکھ کر اسے دشمنوں کے ہاتھوں بیچ دیا ہے۔ کیا یہ بھی ممکن ہے کہ جو لوگ اقوام پرست حکومتوں کے ان جانی دشمنوں کے ہم خیال ہوسکیں گے یا ایک دفعہ ان کے جال میں پھنس کر ان کی منشا مرضی سے اپنے حقیقی مقصود میں کوئی کامیابی حاصل کرسکیں گے۔

فاشٹ اٹلی نے یہودیت کی تین سربراہ آوردہ طاقتوں کے خلاف نادانستہ طور پر اگرچہ مجھے بذت خود اس کا یقین نہیں جو جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ یہ اس امر کا بہترین ثبوت ہے کہ باہر سے اور اوپر جو زہریلے دانت اس حکومت پر جم رہے ہیں ان سے نجات حاصل ہو رہی ہے۔ خواہ یہ نجات بالواسطہ ہی کیوں نہ ہو۔ غرضیکہ سب خفیہ سوسائٹیوں کا قلع قمع کردیا گیا ہے۔ نام نہاد آزاد اور قوم پرستی کا مخالف پریس دبا دیا گیا ہے۔ اور بین الاقوامی مارکس ازم کی طاقت کو کچل ڈالا گیا ہے۔ انگلستان میں بھی اسی طرح برطانوی حکومت کے نمائندوں اور یہودی دنیا کی ڈکٹیٹری کے درمیان عرصہ دراز سے برابر ایک زبردست کشمکش جاری ہے۔ اور جنگ کے بعد پہلی مرتبہ نمایاں طور پر یہ ظاہر ہوا ہے کہ جاپانی سوال برطانوی اخبارات اور حکومت کے درمیان رہنمائی کے لئے آپس میں کیسی کھینچ تان ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح جنگ ختم ہوتے ہی امریکہ اور جاپان میں بھی ان کی پرانی کشاکش ازسرنو شروع ہوگئی ہے۔ اور تو اور بین الاقوامی اقتصادیات و سیاسیات کے میدان میں بھی امریکہ بھی جو صلح نامے اور عہد نامے کرتا ہے انہیں بھی انگلستان اپنے تمام رشتہ دارانہ و یگانہ تعلقات کے باوجود نہایت شک آمیز نظروں سے دیکھتا ہے۔ اور اس سے یہ بات بہ آسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ انگلستان کیوں اتنے غور و فکر کے ساتھ اپنے پرانے احباب اور حلیفوں کی فہرست پر نظر دوڑ رہا ہے۔ اور نہایت پرخوف نظروں سے اس آمد کا انتظار کر رہا ہے۔ جبکہ دنیا کے سمندروں پر برطانیہ "برطانیہ اعظم" کی بجائے امریکہ کا بول بالا ہوگا۔

غرضیکہ جرمنی کو اس طرح تباہ و برباد کرنے میں برطانیہ کا اتنا بھلا نہیں تھا۔ جتنا کہ یہودیت کا بالکل اسی طرح جیسے آج جاپان کی تباہی سے برطانوی مفاد کو کسی صورت میں اتنا

www.freepdfpost.blogspot.com

فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ جتنا کہ یہودیوں مجوزہ وسیع عالمگیر اقتصادی سلطنت کو جس کی قائمی کی وہ امید لگائے بیٹھے ہیں اس لئے جہاں ایک طرف انگریز ڈینا میں اپنی موجودہ عظمت و اہمیت کو قائم رکھنے کے لئے سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ وہاں دوسری طرف یہودی اپنی آئندہ اقتصادی فتوحات کے لئے اپنی تمام زیر اثر طاقتوں کو تنظیم دے رہے ہیں کیونکہ وہ یہ نہایت اچھی طرح جانتے ہیں ہ ہزار ہا سال سے ان کی ان ریشہ دوانیوں کو جو برداشت کیا جا رہا ہے۔ اس کی بدولت وہ یورپ کی تمام قوموں کو ان کی اصل سے بے اصل کرنے اور نسل سے دوغلہ بنانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ لیکن ایشیاء کی کسی بھی قوم پرست حکومت پر جیسی کہ جاپان ہے۔ ان کا یہ جادو چلنا صرف محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

اس لئے یہودی آج دنیا بھر کی قوموں کو بالکل ویسے ہی جاپان کے خلاف بھی بھڑکا رہے ہیں۔ جیسے کہ وہ پہلے جرمنی کے خلاف بھڑکایا کرتے تھے۔ اور عین ممکن ہے کہ اس کا یہ نتیجہ ہو کہ ایک طرف جہاں برطانوی مدبر جاپان کے ساتھ صلح و اتحاد کے لئے کوشاں ہیں۔ وہاں دوسری طرف برطانیہ کا یہودی پریس اس کے اسی رفیق کے خلاف اعلان جنگ کا مطالبہ کرے۔ اور جمہوریت کی دہائی مچاتا ہوا اس کے نام و نشان تک مٹا ڈالنے کے درپے ہوجائے۔ نیز یہ نعرہ جنگ بلند کرنے لگ جائے کہ جاپانی جنگ پرستی اور شاہ پرستی کا خاتمہ کردو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ آج یہودی انگلستان میں بھی علم بغاوت بلند کر رہے ہیں۔ اور ان کے اس وسیع عالمگیر خطرے کے خلاف وہاں بھی جلد ہی ایک زبردست جدوجہد شروع ہونے والی ہے۔

اب ہماری نیشنل سوشلسٹ تحریک کا یہ فرض ہے کہ کم از کم اپنے ملک میں تو وہ اپنے اس جانی دشمن کی ہستی سب کو محسوس کرا دے۔ اور جو جنگ و جدل اس کے خلاف یہاں شروع ہو۔ وہ ایسا ہو کہ دوسری قوموں کے لئے جہاں کہ ابھی یہ تاریکی اتنی زیادہ نہیں پھیلی۔ ایک شمع ہدایت کا کام دے سکے۔ نیز زندگی کی جدوجہد میں انہیں آرین انسانیت کے فوائد سے مستفید ہوسکے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

مشرقی پالیسی

ہماری نام نہاد صاحب دماغ جماعت نہایت ہی نامعقول طور پر ہماری خارجہ پالیسی کو قومی مفاد کی حقیقی نمائندگی کی طرف سے محض اس لئے منحرف کر رہی کہ وہ ان کے خیالی اصولوں کی کچھ معاونت کرسکے۔ اس لئے اس بارے میں بھی میں یہ نہایت ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے ہم خیال دوستوں کے سامنے اپنے خیالات صاف صاف اور نہایت احتیاط کے ساتھ ظاہر کردوں۔ پہلے یہ حقیقت ہی ہم سب کو اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ روس کے ساتھ ہمارے تعلقات کیسے رہنے چاہئیں اور پھر ہمیں حتی الوسع اس پر عمل بھی کرنا چاہئے۔

ہر ایک قومی حکومت کو ہمیشہ اپنی خارجہ پالیسی میں یہ فرض پیش نظر رکھا جانا چاہئے۔ کہ جو نسل اس حکومت کے ساتھ سب سے زیادہ گہرا تعلق رکھتی ہے۔ اس کی آبادی کا تناسب غیروں کے مقابلہ میں ہمیشہ صحت بخش اور قدرتی بنا رہے اور اس قوم کی تعداد نیز اس کے زیر قبضہ ارضیات میں جو ترقی و اضافہ ہو اس میں بھی یہ تناسب کبھی کم نہ ہونے پائے۔ بلکہ ہمیشہ برقرار رہے۔ اور ملک کی جن زمینوں پر اس نسل کا قبضہ ہو۔ وہ اپنی قسم و پیداوار کے لحاظ سے اچھی رہیں۔ کیونکہ کسی قوم کی ہستی اور آزادی کی برقراری کے لئے اتنی ضرور ، چیز اور کوئی بھی نہیں۔ جتنی کہ اس کی قابل کاشت اور اچھی پیدوار والی زمین ہے۔ اس نقطہ خیال سے صرف جرمن قوم ہی دنیا کی ایک بڑی قوم کی حیثیت سے اپنی حفاظت کرسکے گی۔ اور جرمن میں جو بھی دوسری قومیں آباد ہیں وہ اس بارے میں ایسی کبھی کوئی مدد نہیں دیں گی۔

ہمارے قومی مفاد نے جیسا کہ ہمیں ہمیشہ کم اپنی منفعت بخش خارجہ سرگرمیوں کو ہمیشہ سمجھنا چاہئے۔ گذشتہ دو ہزار سال سے تاریخ عالم میں ایک نہایت شان دار حصہ لیا ہے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

ہماری اپنی زندگی ہی اس کی بہترین شہادت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک دنیا کی سب قومیں جس عظیم الشان جدوجہد میں مصروف رہی۔ وہ سوائے اس کے اور کچھ بھی نہیں تھی کہ ہماری جرمن قوم دنیا میں اپنی ہستی کے اظہار کے لئے ایک زبردست کشمکش کر رہی تھی۔ اور یہی کشمکش "عالمگیر جنگ" کے نام سے مشہور ہوگئی۔ اس زمانہ میں جرمن قوم نمایاں طور پر دنیا کی کوئی بڑی قوم نہ تھی۔ جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں اگر اس نے اپنے متذکرہ بالا تناسب کو برقرار رکھا ہوتا۔ تو درحقیقت وہ ایک بڑی قوم ضرور ہو جاتی۔ اور جنگ عظیم باوجود اپنے تمام دیگر ضروری عناصر کے یا تو ہوتی ہی نہیں۔ اگر ہوتی تھی تو اس کا انجام بہرحال ہمارے حق میں ہوتا۔ خلاف ہرگز نہ ہوتا۔

لیکن آج جرمن قوم کسی طرح بھی دنیا کی قوموں میں ایک سربراہ قوم نہیں کہلا سکتی۔ وہ دنیا کی دوسری بڑی قوموں کے رقبہ کے لحاظ سے ہماری ریش کے تحت میں جو رقبہ ہے۔ وہ دنیا کی دوسری بڑی قوموں کے رقبہ کے مقابلہ میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ انگلستان کی مثال تو کسی طرح بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ برطانوی مادر وطن انگلستان تو درحقیقت برطانیہ کی وسیع سلطنت عالم کا صرف ایک دارالسلطنت ہی تو ہے۔ جو کل صفحہ عالم کے تقریباً" ایک چوتھائی رقبے کی ملکیت پر فخر کرسکتی ہے۔ لیکن دوسری حکومتوں مثلاً" امریکہ کی ریاست ہائے متحدہ ' روس اور چین ہی کو دیکھئے جن میں سے بعض کا رقبہ ہماری نام نہاد سلطنت جرمنی کے رقبے سے تقریباً" دس گنا ہے۔ فرانس کو بھی ان میں سے ایک ہی سمجھنا چاہئے۔ وہ بھی اپنی وسیع سلطنت کے مختلف حصوں کی رنگدار آبادی سے اپنی افواج میں روز بروز اضافہ کرتا جا رہا ہے۔ او اگر وہ برابر اسی طرح ترقی کرتا رہا۔ جیسا کہ گذشتہ تین سو سال سے کر رہا ہے تو ایک دن اس کی وسیع حد بند سلطنت رہائن سے لے کر کانگو تک کے رقبہ پر پھیل جائے گی۔ اور اس کی روز افزوں آبادی روز بروز زیادہ سے زیادہ تر مخلوط النسل ہوتی جائے گی۔ نو آبادیوں کے متعلق فرانس کی پالیسی صرف اس پہلو میں ہماری سابقہ پالیسی سے مختلف ہے۔ کیونکہ ہماری پالیسی نے نہ تو اس زمین میں کچھ اضافہ کیا ہے۔ جو جرمنی کے قبضہ میں تھی اور نہ سیاہ خون کو ہی اپنی نسل میں شامل کرنے کی کوئی مجرمانہ کوشش کی۔ جرمن مشرقی افریقہ میں عسکری موجودگی بھی اسی سمت میں ایک چھوٹا سا قدم تھا۔ جو نہایت پس و پیش کے بعد اٹھایا گیا تھا۔ لیکن ہم انہیں بھی درحقیقت اس نو آبادی کی حفاظت کے لئے ہی استعمال کرتے تھے۔ اب تو دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں میں

www.freepdfpost.blogspot.com

ہماری وہ حیثیت بھی باقی نہیں رہی۔ اس کے لئے بھی ہماری وہ خارجہ پالیسی ذمہ داری ہے۔ جو شروع سے ہماری قوم کی اس مہلک سمت میں رہنمائی کرتی رہی ہے۔ کیونکہ اس میں ہمارا وہ روایاتی رنگ موجود نہ تھا۔ جس کو میں ایک خارجہ پالیسی کا نہایت ضروری عنصر سمجھتا ہوں اور اسی لئے ہماری وہ زور حس اور اکساہٹ جو ہمارے قومی احساس کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری تھی تمام و کمال زائل ہوگئی تھی۔

ان تمام خرابیوں کا علاج بھی اب نیشنل سوشلسٹ تحریک کو ہی کرنا پڑے گا۔ اس لئے یہ کوشش ہونی چاہئے کہ ہماری آبادی اور نیز ہماری گذشتہ عظمت اور موجودہ مایوسی خیز ذلت و بے عزتی کے درمیان جو ناموزوں تناسب پیدا ہوگیا ہے وہ قائم نہ رہے کیونکہ یہ رقبہ ہی تو ہماری سیاسی طاقت کی بنیاد اور اس کی پرورش کا ذریعہ ہے۔ ہماری سابقہ جرمن پالیسی کے تمام کارناموں میں سے سب سے زیادہ شاندار کارنامہ تو پرشین حکومت کی قائمی تھا۔ اور اس کی بدولت ہی وہ شان حکومت تخیل پیدا ہوکر جرمن افواج کی ساخت اور زمانہ جدید کی تمام ضروریات کے مطابق اس کی پختگی و مضبوطی رونما ہوتی تھی حکومت کے اس تخیل اور اس کی طاقت و قوت کی ساخت سے ہی نیز اس کے تحت میں جو نئے اصول قائم کئے گئے ان کی بدولت ہی ذاتی و انفرادی حفاظت کے خیال نے قومی و ملکی حفاظت کے فرض کی صورت اختیار کرلی ہے۔ اور اب اس خیال کی اہمیت و عظمت میں کسی طرح کا مبالغہ کرنا ناممکن ہے۔ ہماری جرمن قوم جو پہلے انفرادی شخصیت کیخیال سے تقسیم در تقسیم ہوکر کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ پرشین افواج کے زیر نظام ایک عمدہ تربیت یافتہ جماعت بن گئی۔ اور اس طرح اس نے ایک مرتبہ پھر اس زبردست طاقت تنظیم کی قابلیت حاصل کرلی۔ جو کہ پہلے اس سے زائل ہوچکی تھی۔

اس فوجی تعلیم کی بدولت ہی ہم نے ایک قوم کی حیثیت سے اپنے اندر وہ بات پیدا کرلی تھی جسے اور قومیں اپنے اتحاد و اتفاق کے لئے ہمیشہ ضروری سمجھتی ہیں اسی لئے لازمی فوجی خدمات کے قاعدے کی منسوخی۔ جو شاید دوسری دیجنوں قوموں کی نظر میں معمولی سی بات ہوگی۔ وہی ہمارے لئے زندگی اور موت کا سوال بن گئی۔ بلکہ اس دس پشت تک جرمنوں کو فوجی تعلیم ڈسپلن نہ ملے اور انہیں ان کی اس پھوٹ اور نفاق کے زیر اثر چھوڑ دیا جائے۔ جو ان کے خون میں داخل ہو چکی ہے تو یقیناً" ہماری قوم صفحہ زمین پر اپنی آزاد ہستی کی آخری یاد بھی اپنے دل سے بھلا بیٹھے گی۔ اس صورت میں بھی شاید یہ ممکن ہوتا

www.freepdfpost.blogspot.com

کہ دوسری قوموں کی غلامی میں بھی ہم قومی تہذیب و اخلاق کا کچھ حصہ دنیا کو دیتے رہتے مگر یہ ضرور تھا کہ اس حالت میں ہم اپنی اصلیت و حقیقت کو بالکل بھول جاتے اور وہی کچھ بن جاتے جو کہ دوسرے ہمیں بنانا چاہتے تھے۔

اب اور آئندہ بھی ہماری بہتری و بہبودی کے لئے یہ نہایت ضروری تھا کہ ہم یہ اچھی طرح سمجھ لیتے۔ کہ ہماری قوم کی حقیقی سیاسی کامیابی کس بات پر منحصر ہے؟ اور وہ فضولیات کیا ہیں۔ جن کے لئے ہماری قوم کا خون فضول بہایا گیا ہے۔ اس لئے ہماری نیشنل سوشلسٹ تحریک کو کبھی بھی آج کل کی نام نہاد بورجیوس (جمہور نواز) دنیا کے پرشور اور شرارت آمیز حب الوطنی کے جال میں نہیں پھنسنا چاہئے ہم لوگوں کے لئے یہ اور بھی خاص طور پر نقصان دہ ہوگا اور اگر ہم اپنے آپ کو ان تمام نشوونماؤں سے ذرا بھی وابستہ سمجھنے لے۔ جو جن سے عین پہلے رونما ہوئی تھی۔ ہمارا سب سے بڑا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اپنے ملک کے رقبے کو اپنی آبادی کی تعداد کے مطابق موزوں و مناسب تناسب میں کس طرح لائیں۔ ؟ لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی ہماری ایک بہت بڑی سیاسی حماقت ہوگی اگر ہم ابھی سے یہ مطالبہ کرنے لگیں کہ ہماری ۱۹۱۴ء سے ملکی حدود کو بحال کردیا جائے۔ لیکن پھر بھی لوگ برابر یہی شور مچا رہے ہیں اور اسے ہی سب بڑا مدبرانہ فعل سمجھتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم اپنی اس بے وقوفی سے اپنی سب مخالف قوتوں کے اتفاق و اتحاد کو اور بھی زیادہ مضبوط کرتے جا رہے ہیں۔ جو بصورت دیگر خود بخود قدرتی طور پر ڈھیلا پڑ جاتا۔ کیونکہ ان میں یگانگت و یکسانیت کا تو کوئی عنصر موجود ہی نہیں یہی اس امر کی سب سے زیادہ نمایاں تشریح ہے کہ آج جنگ عظیم سے سالہاسال کے بعد بھی وہ تمام مختلف عناصر ہماری مخالفت میں کم و بیش ٹھوس بنے ہوئے ہیں۔ جو ہمارے خلاف فتح یاب ہونے کے لئے مختلف ہوتے ہوئے بھی کسی نہ کسی طرح ایک ہوگئے تھے۔

جرمنی کی تباہی اور بربادی سے ان سبھی حکومتوں نے کم و بیش فائدہ اٹھایا تھا۔ ہماری طاقت قوت کے خوف نے ہی دنیا کی ان سب بڑی بڑی قوموں کے دل میں ان کے حقیقی رشک و حسد کو عارضی طور پر دبا دیا تھا۔ اور وہ سبھی یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اگر کسی طرح ہماری جرمن سلطنت کے آپس میں حصے بخرے کرنے میں وہ کامیاب ہوجائیں تو ہم پھر کبھی سر نہ اٹھا سکیں گے۔ اور ہماری طرف سے ان کے سب خوف و خطر ہمیشہ کے لئے مٹ جائیں گے۔ غرضیکہ ان کی گنہگار ضمیر اور ہماری زبردست قومی طاقت کے خوف نے ہی

www.freepdfpost.blogspot.com

ایک نہایت مضبوط سیمنٹ بن کر انہیں ایک دوسرے کے ساتھ اتنا متحد و متفق کر رکھا تھا مگر اب ویانا کانفرنس کے بعد سے صورت حال بالکل بدل چکی تھی اب شہزادے اور ان کے منظور نظر محبوب صوبجات کو تڑاوٗ پر لگا کر جوا نہ کھیل سکتے تھے۔ مگر اب وہ خود ہی یہودیوں کی شطرنج کے مہرے بنے ہوئے تھے اور یہ بے رحم بین الاقوامیت پرست یہودی خود سب قوموں کی قسمت کا مالک بننے کی غرض سے جدوجہد کر رہے تھے۔

اس لئے اب ۱۹۱۴ء کا جرمنی کے مستقبل سے کچھ تعلق نہ تھا۔ نہ تو وہ زمانہ ماضی میں ہی اس کی حفاظت کرسکتی تھی۔ اور نہ مستقبل میں ہی کرسکتی تھی۔ وہ جرمن قوم کو اندرونی طور پر کچھ طاقت و قوت دے کر اسے ٹھوس بھی نہیں بنا سکتی تھی اور نہ اسے اپنا پیٹ بھرنے کے لئے کچھ خوراک بہم پہنچا سکتی تھی۔ غوجی نقطہ خیال سے بھی وہ کچھ زیادہ موزوں بلکہ قابل اطمینان نہ تھا اور نہ وہ ہماری موجودہ حالت میں دنیا کی دوسری قوموں کا مقابلہ کرنے میں ہی کچھ زیادہ فائدہ پہنچا سکتی تھیں۔ جو آہستہ آہستہ حقیقی طور پر دنیا کی طاقت و قوت بنتی جارہی تھیں لیکن صرف ایک بات ضرور تھی۔ ۱۹۱۴ء کی حدود بحال کرنے کے لئے ابھی جو بھی کوشش کی جائے گی۔ اگر وہ کامیابی بھی ہوگئی تو اس کا نتیجہ صرف یہی ہوگا کہ ہماری قوم کو اپنا اور بھی خون بہانا پڑے گا حتیٰ کہ اتنا بھی خون باقی نہ رہے جس سے کہ ہم کوئی ایسا فیصلہ کرسکیں یا طریق عمل اختیار کرسکیں جس سے قوم کی آئندہ زندگی بحال ہوسکے۔ اور وہ زمانہ مستقبل میں خاطر خواہ طور پر پھل پھول سکے۔ برخلاف اس کے اس بے محل اور بے سود فتح کے فضول غرور و تکبر سے بھول کر ہم اپنے اس بہ دیر حاصل ہونے والے مقصد کو بھی نظر انداز کردیں گے۔ کیونکہ اس وقت قومی ذلت اور بے عزتی کا یہ خیال بھی ہمارے دل سے دور ہوجائے گا اور ایک مرتبہ کسی نہ کسی طرح ہمارا دروازہ ان سب پرانی اتحاد ریشہ دوانیوں کے لئے کھل جائے گا حتیٰ کہ پھر کوئی ایسا ہی ناپسندیدہ واقعہ رونما ہوکر ہماری تباہی و بربادی کو مکمل کرنے والا بن جائے گا۔

اس لئے حالات موجودہ میں ہم نیشنل سوشلسٹ لوگوں کا یہی فرض ہے کہ ہم اپنی خارجہ پالیسی میں بھی نہایت مضبوطی کے ساتھ اپنے ان مقاصد کے ساتھ چمٹے رہیں اور جرمن قوم کو یہ یقین دلاتے رہیں کہ ایک نہ ایک دن ہم اس صفحہ زمین پر اس سب علاقے کو ضرور اپنے قبضہ اقتدار میں لے لیں گے جو ہمارا ہے اور جس پر ہمیں حق ملکیت حاصل ہوچکا ہے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

دنیا کی کسی قوم کے قبضہ میں بھی کوئی ایک گز کا خطہ زمین ایسا نہیں جس کا حق ملکیت اسے کسی خدائی پٹے کے ذریعہ حاصل ہوا ہو۔ ممالک کی حد تو یہ حضرت انسان ہی ہمیشہ بناتے اور بگاڑتے رہتے ہیں یہ حقیقت کہ کوئی قوم صفحہ زمین کی ملکیت میں ناجائز طور پر ایک بڑا حصہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی ہے۔ اس امر کی دلیل کی کوئی اعلیٰ دلیل نہیں کہ اس کے اس قبضہ کو ہمیشہ ہی عزت کی نظر سے دیکھا جائے ۔ یہ تو صرف فاتح کی قوت اور مفتوح کی کمزوری کو ثابت کرکے اسی اصول کی تائید کرتا ہے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس اور اس طرح طاقت ہی حق ملکیت کو ثابت کرتی ہے خواہ آج ہم فرانس کے ساتھ کسی سمجھوتے اور صلح نامے کی ضرورت کو کتنا بھی کیوں نہ محسوس کریں۔ اگر اس سمجھوتے کے لئے ہماری خارجہ پالیسی کے مقصد کو قربان کردینے کی بھی ضرورت پیدا ہوجائے تو یہ سمجھوتہ ہمارے لئے بالکل بے سود اور فضول ثابت ہوگا۔ لیکن اگر اس خطہ زمین کی ملکیت کے لئے جس پر ہماری قوم کو یورپ میں رہنا اور آباد ہونا ہے۔ یہ ہمارے حق کو کچھ تقویت بخشتا ہے تبھی یہ ہمارے لئے مفید ہوسکتا ہے۔ اور اس کے منظور کرنے میں ہماری دانائی و دانش مندی ہے چونکہ نو آبادیوں کا حصول ہماری اس مشکل کو حل نہیں کرسکتا۔ اس لئے ایسے خطہ ملک کو حاصل کئے بغیر ہمیں کبھی بھی اطمینان حاصل نہیں ہوسکتا۔ جہاں ہمارے نو آباد کار نہ صرف اپنی مادر وطن کے قریب ہی رہتے ہوئے اس کے دکھ سکھ میں ہر طرح شریک رہیں بلکہ ایک متحدہ ملک کے بڑے قد و قامت سے جو فوائد حاصل کرسکتے ہیں۔ ان سب سے فیضاب ہوتے رہیں اور اس کے ضامن بھی بن سکیں۔

ہم نیشنل سوشلسٹوں نے اپنی قوم کی جنگ سے پہلے کی رغبتوں کا بڑے غور سے مطالعہ کیا ہے اور اب سے چھ سو سال پہلے کی حالت ہماری نظروں کے سامنے پھر رہی ہے۔ ہم یورپ کے جنوب اور مغرب کی طرف بہنے والے جرمنی کے چشمے کا رخ ادھر سے موڑ کر اپنی نگاہیں مشرق کی طرف جما رہے ہیں۔ ہم نو آبادیوں اور تجارت کے متعلق جرمن پالیسی کا خبط چھوڑ کر آئندہ کے لئے ارضیات و علاقہ جات کی پالیسی کی طرف توجہ دینا چاہئے۔ قسمت بھی اس وقت ہمیں یہی ہدایات دیتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ جب قسمت نے روس کو بالشوزم کے ہاتھوں چھوڑ دیا تو گویا اس نے روسیوں سے ان کی تعلیم یافتہ جماعتوں کو چھین لیا۔ جنہوں نے ایک زمانہ میں ان کی حکومت کو قائم کیا تھا۔ اور جو بہ حیثیت ایک قوم کے ان کی ہستی کی ضامن تھے۔ جرمن عنصر تو گویا اب روس میں بالکل رہا ہی نہیں۔

www.freepdfpost.blogspot.com

اور اس کی جگہ بھی اب یہودی عنصر نے لے لی ہے۔ اب روسیوں کے لئے محض اپنی طاقت سے یہودیوں کے جوئے سے چھٹکارا پانا ایسا ہی ناممکن ہوگیا ہے۔ جیسا کہ یہودیوں کے لئے زیادہ عرصہ تک اس وسیع سلطنت پر اپنا قبضہ رکھنا ناممکن ہے۔ کیونکہ تنظیم و تعمیر تو اس کی عادت میں داخل ہیں نہیں۔ وہ غریب تو توڑ پھوڑ اور بربادی و تباہی ہی جانتے ہیں۔ اس لئے یہ عظیم الشان سلطنت بھی ایک دن انتشار اور خاتمے کا شکار ضرور ہوگی۔

۲۱ ۔ ۱۹۲۰ کے آغاز میں ہی کئی طرف سے ہماری پارٹی کے پاس یہ پیغامات آنے لگے کہ ہم دیگر ممالک کی حصول آزادی کے لئے کوششوں کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کرلیں۔ یہ منظوم اقوام کی انجمن کے طریق پر کام کرنے کی دعوت تھی۔ جس کی اتنی وسیع اشتہار بازی ہوئی ہے۔ اس میں زیادہ تر بلقانی ریاستوں کے نمائندے شامل ہیں۔ اور کچھ ہندوستانی و مصری بھی ہیں۔ جنہیں میں نے صرف باتونی ہی پایا ہے۔ ان کی جڑھ میں یا پیٹھ پر کوئی طاقت نہیں۔ لیکن ان میں چند جرمن قوم پرست بھی تھے۔ جو ان بکواسی مشرقیوں کے جال میں پھنس گئے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہر ایک ہندوستانی یا مصری طالب علم جو کسی نہ کسی طرح یہاں آپہنچا ہے۔ ہندوستان یا مصر کا حقیقی نمائندہ ہے۔ انہوں کے کبھی ان کے متعلق کچھ زیادہ پوچھ پاچھ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اور نہ میں نے ہی یہ خیال کیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی پیٹھ پر کوئی مضبوط طاقت نہیں۔ اور نہ انہیں یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے ملک و قوم کی طرف سے کسی کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کرسکیں۔ اس لئے ان کے ساتھ کچھ مغز ماری کرنے کا نتیجہ صفر اور توضیع اوقات کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔

مجھے وہ طفلانہ اور ناقابل اعتبار امیدیں بڑی اچھی طرح یاد ہیں۔ جو ۲۱-۱۹۲۰ء میں ان جرمن قوم پرستوں کے دلوں میں اچانک ہی پیدا ہوگئی تھیں۔ جبکہ انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ بس اب ہندوستان میں حکومت برطانیہ کا خاتمہ ہی ہوا چاہتا ہے۔ چند ایشیائی لفنگوں نے ممکن ہے کہ وہ ہندوستان میں آزادی کے حقیقی سپاہی بھی ہوں۔ مگر اس کی بھی مجھے پرواہ نہیں جو یورپ میں جگہ جگہ بھاگے پھرتے تھے۔ اچھے اچھے سمجھدار لوگوں کو یہ یقین دلایا تھا کہ بس اب وسیع برطانوی سلطنت کا جس کا چول ہندوستان میں قائم ہے۔ خاتمہ نزدیک ہے۔ لیکن ان کے دل میں یہ خیال کبھی نہیں گذرا کہ یہ سب اسی خواہش کا سرا ہے۔ جو ان کے دل میں برطانیہ کے خلاف موجزن ہے۔ کیونکہ خواہش ہر خیال کی ماں ہے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

یہ خیال کرلینا بھی محض بچپن ہی ہوگا کہ انگلستان بھی اپنے عالمگیر اور وسیع برطانوی اتحاد کے لئے اپنی سلطنت ہند کی عظمت اور اہمیت کو اچھی طرح محسوس نہیں کرتا۔ اور یہ اس امر کا ایک نہایت ہی افسوس ناک ثبوت ہے کہ ہم نے جنگ عالم سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ اور ہم انگریزوں کو اینگوسیکس خصلت کو اچھی طرح نہیں سمجھے۔ جو ہم اپنے بھولے پن سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ انگلستان میں ایسی آسانی کے ساتھ ہندوستان کو اپنی مٹھی سے نکل جانے دے گا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی تک جرمنی میں برطانوی حکومت و انتظام کے طریق عمل کی طرف سے بھی کتنی لاعلمی و جہالت پھیل رہی ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ انگلستان اس وقت تک ہندوستان کو اپنے قبضے سے کبھی نہیں نکلنے دے گا۔ جب تک کہ وہ اپنی حکومتی مشینری میں نسلی گڑبڑ پیدا نہ کرے گا یا کسی زبردست دشمن کی تلوار کے دباؤ سے وہ ایسا کرنے کے لئے مجبور نہ ہوجائے ہندوستان میں بغاوت کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ ہم جرمن ذاتی تجربے سے جانتے ہیں کہ انگریزوں کو کسی بات کے لئے مجبور کرنا کتنا مشکل ہے ان سب باتوں سے قطع نظر میں بہ حیثیت ایک جرمن کے یہ کہوں گا کہ میں ہندوستان کو کسی اور کا غلام دیکھنے کی نسبت یہ پسند کروں گا کہ وہ انگریزوں کا غلام ہی بنا رہے مصر میں بھی انگریزوں کے خلاف کسی بغاوت کی امید ایسی ہی خیالی قیاسی اور بے بنیاد جیسی ہندوستانی بغاوت کی!

امن و امان کے زمانے میں یہ بھی امیدیں کافی خراب ہیں۔ اتحاد ٹرکی اور آسٹریا کے وقت بھی ہمارے لئے خوشیاں منانے کی کوئی بات نہ تھی۔ کیونکہ ایک ایسے زمانے میں جبکہ دنیا بھر کی بڑی بڑی فوجی اور صنعتی حکومتیں سرگرم جارہانہ اتحاد میں شریک ہو رہی تھیں۔ ہم نے دو چار کمزور اور میدان ترقی و عمل میں بہت پیچھے رہی ہوئی قوموں کے ساتھ رشتہ جوڑ کر اس کوڑے کرکٹ سے ہی دنیا بھر کے اس سرگرم اتحاد کا مقابلہ کرنے کی سوچ لی۔ اور اپنی اس غلط خارجہ پالیسی کا خمیازہ بھی خاطر خواہ برداشت کیا۔ لیکن میں بطور ایک قوم پرست کے جو انسانیت کا اندازہ اس کی نسلی خوبیوں پر لگاتا ہو۔ یہ کبھی تسلیم نہیں کرسکتا۔ کہ ہمیں کسی طرح بھی نام نہاد مظلوم قوموں کے ساتھ کوئی رشتہ اتحاد قائم کرنا چاہئے۔ کیونکہ میں یہ جانتا ہوں کہ وہ سب نسلی لحاظ سے ہی بالکل گئی گذری ہیں۔ کوڑی کام کی نہیں۔ اور موجودہ روس کے فرمانراؤں کا بھی یہ دلی ارادہ ہرگز نہیں کہ وہ کسی بھی قوم سے کوئی دیرپا اتحاد کریں۔

www.freepdfpost.blogspot.com

ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ بولشویک خونی اور قاتل ہیں۔ ایک غمناک وقت پر صورت حال سے فائدہ اٹھا کر انہیں نے ایک عظیم الشان حکومت کا خاتمہ کردیا ہے۔ اور قتل عام کے جنون و دیوانگی کے زیر اثر انہوں نے اپنے لاکھوں ہوشیار اور صاحب دماغ لوگوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ اور اب گذشتہ دس سال سے وہ ایسے ہی ظالمانہ طور پر حکومت کر رہے ہیں۔ جس کی نظیر صفحہ عالم پر کسی زمانے میں بھی کہیں نہ ملے گی۔ ہمیں یہ بھی ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان میں سے اکثر لوگ تو ایک ایسی نسل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جن کی خصلت میں بدترین حیوانی زندگی کی نایاب خاصیت شامل ہے۔ جو جھوٹی باتیں بنانے کی نادر قابلیت رکھتی ہے۔ اور جس کے دماغ میں یہ خبط سمایا ہے کہ وہ دنیا بھر کو اس خونی جبرو تشدد میں اپنا شریک کار بنانے کے لئے ہی پیدا ہوئی ہے۔ ساتھ ہی اس کے ہم یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کرسکتے اس بین الاقوامیت پرست یہودیوں کا روس میں بول بالا ہے۔ اور وہ جرمنی کو اپنا دوست نہیں سمجھتے بلکہ ایک ایسی قوم خیال کرتے ہیں کس کا وہی حشر ہونے والا ہے۔ جو کہ روس کا ہوا ہے۔

جو خطرہ روس نے برداشت کیا ہے۔ جرمنی کے سر پر بھی وہ ہمیشہ ایک ننگی تلوار کی مانند لٹک رہا ہے۔ کیونکہ جرمنی ہی بولش ازم کا دوسرا بڑا نشانہ ہے۔ ہماری قوم کو ایک مرتبہ پھر بیدار کرنے اور اٹھانے کے لئے ہمارے اصولوں کے پرچار کے متعلق ایک پرزور تخیل کی ضرورت ہے تاکہ اس سے اس بین الاقوامی بھوت کے پنجے میں پھنسنے سے بچایا جاسکے اس کے خون میں جو زہر پیدا ہورہا ہے اسے روکا جاسکے اور اس طرح قوم کی تمام طاقتوں کوایک مرتبہ پھر آزاد کرنے انہیں اپنی قومیت کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکے۔ اگر ہمارا دلی مقصد یہی ہے تو ہمارے لئے اس سے بڑھ کر بیوقوفی اور حماقت کیا ہوسکتی ہے۔ کہ ہم اس قوم کے ساتھ گہرے اور یگانگت کے تعلقات پیدا کریں جس کے آدرش سے ہم بالکل مختلف ہیں اور جو زمانہ مستقبل میں ہماری جانی دشمن ثابت ہوسکتی ہے۔

ایک اور خاص گناہ جو پرانی جرمن سلطنت سے اپنی اتحاد و رفاقت کی پالیسی کے سلسلہ میں سرزد ہوا وہ یہ تھا۔ کہ اس نے اپنی متلون مزاجی کی بدولت اور اپنی اس کمزوری کی وجہ سے کہ چاہے کچھ بھی کیوں نہ ہوجائے امن و امان ہی قائم رکھنا چاہئے سب کے ساتھ ہی اپنے تعلقات بگاڑ لئے۔ لیکن بایں ہمہ اس بات کا الزام اس پر کسی طرح بھی نہیں لگایا

www.freepdfpost.blogspot.com

جاسکتا۔ کہ اس نے روس کے ساتھ اپنے تعلقات قائم نہیں رکھے۔ اگرچہ میں یہ کھلے دل سے تسلیم کرتا ہوں۔ کہ دوران جنگ میں میرا یہ خیال ضرور تھا۔ کہ جرمنی کے حق میں یہ بہت اچھا ہوتا۔ اگر وہ بحری افواج اور نو آبادیات کے متعلق اپنی احمقانہ پالیسی ترک کرکے کسی روسی حملے کے خلاف انگلستان کے ساتھ اتحاد و اتفاق کرلیتا۔ اور براعظم یورپ میں یہی علاقے حاصل کرنے کے خیال سے ایک دن تمام دنیا پر چھا جانے کا کمزوری آمیز ارادہ ترک کردیتا۔ کیونکہ میں ان گستاخانہ دھمکیوں کو کبھی بھی نہیں بھول سکتا۔ جو روس نے سلاووں کا حمایتی بن کر روس کو دی تھیں اور نہ ان مسلسل جنگی تیاریوں کو نظرانداز کرسکتا ہوں جس کا مقصد جرمنی کو تنگ کرنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھا۔ نیز جنگ سے پہلی روسی رائے عامہ کا جو رجحان تھا۔ یعنی جس طرح وہ ہماری قومی سلطنت کے خلاف اپنے حملوں کی تلخی میں اپنی سب پہلی کارگذاریوں سے بھی بازی لے جانا چاہتی تھی۔ اسے بھی میں فراموش نہیں کرسکتا۔ اور نہ میں روسی پریس کو ہی نظرانداز کرسکتا ہوں۔ جو ہمارے مقابلہ میں فرانس کی حمایت کرتا رہا ہے۔

دنیا کی بڑی بڑی قومیں اس وقت بھی اپنی طاقتوں کو جس طرح مضبوط کرکے ٹھوس بن رہی ہیں یہ ہمارے لئے آخری فہمائش ہے۔ کہ ہم بھی ہوشیار ہوجائیں اور اپنے ہم وطنوں کو ان کے خواب غفلت سے بیدار کرکے تلخ واقعات اور سخت سچائیوں پر غور کرنے کے لئے مجبور کریں۔ اور انہیں وہ طریقہ بتلائیں جس پر عمل کرکے ہماری پرانی "رائخ" پھر نئی طاقت و قوت حاصل کرکے پھل پھول سکتی ہے۔ اس لئے اگر ہماری نیشنل سوشلسٹ تحریک ہر طرح کے توہمات سے آزاد ہوکر صرف عقل و دلیل کو اپنا رہنما بنا لے تو ۱۹۱۸ء کی رہنمائی بھی ہمارے لئے ایک برکت و رحمت ثابت ہوکر بطور ایک قوم کے مستقبل کو نہایت شان دار بنا سکتی ہے۔ اور انجام کار ہم بھی وہ طاقت حاصل کرسکتے ہیں۔ جسکی بدولت وہ بار بار اپنی بگڑی بنا لینے میں کامیاب ہوئے ہیں۔اور وہ طاقت سیاسی روایات کی طاقت کے سوا اور کوئی طاقت نہیں ہے۔

اٹلی اور انگلستان کے ساتھ اتحاد و اتفاق کرنے میں اگرچہ ہمیں کامیابی حاصل ہو جائے۔ تو اس کا نتیجہ روس کی دوستی و رفاقت سے بالکل ہی مختلف ثابت ہوگا۔ ان دونوں ممالک کی دوستی میں سب سے بڑی بات یہ ہوگی کہ ہمیں جنگ کا خطرہ بالکل نہ رہے گا۔ ہمارے اس اتحاد کا مخالف اگر کوئی ہوسکتا ہے۔ تو صرف فرانس لیکن وہ بھی کھلم کھلا اس کی

www.freepdfpost.blogspot.com

مخالفت کی جرات نہ کرسکے گا۔ اور اس طرح یہ نیا اینگلو جرمن اٹالین اتحاد فرانس کی لگام کو بھی اپنے قابو میں رکھ سکے گا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ حقیقت بھی ہر طرح قابل غور ہے۔ کہ اس نئے اتحاد میں تمام حکومتیں شامل ہوجائیں گی۔ جو تمام صنعتی و حرفتی صفات سے بھرپور ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کی ضروریات کی تکمیل بھی کرتی ہیں۔

اس میں شک نہیں جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ یہ اتحاد کسی قدر مشکل ضرور ہے۔ لیکن کیا اس سے پہلے جو اتحاد ثلاثہ ہوچکا ہے۔ وہ اس وقت کچھ آسان دکھائی دیتا ہے۔ جبکہ شاہ ایڈورڈ کو ان سب بظاہر مخالف نظر آنے والے مفادات کے متحد کرنے میں کامیابی نصیب ہوگئی تھی اسی طرح اگر ہمیں بھی کبھی کسی متحد طریق عمل کی ضرورت کا پورا پورا احساس ہوجائے تو یہ اتحاد بھی کسی طرح ناممکن نہ ہوگا۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنے ملک و نسل کے دشمنوں کی کینہ توزیوں کا ہر طرح پوری پوری سختی و جانبازی کے ساتھ مقابلہ کرتے رہیں۔ اس لئے ہم نیشنل سوشلسٹوں کو اچھی طرح محسوس کرلینا چاہئے۔ کہ ہم اس کے متعلق ان لوگوں کے مقابلے کو بھی تیار ہیں۔ جو مکار یہودیوں کے بہکانے میں آکر ایک دفعہ تو ہماری یہ رائے سنتے ہی پاگلوں کی طرح آپے سے باہر ہوجائیں گے۔ اگرچہ آج تو ہماری حالت بالکل ایسی ہی ہے۔ جیسی کہ دریا میں کوئی چٹان کھڑی ہو لیکن چند ہی سال میں یہ عین ممکن ہے۔ کہ ہم ایک ایسے زبردست پشتے کی مانند بن جائیں جس کے ساتھ دریا کی لہریں ٹکرا ٹکرا کر لوٹ جاتی ہیں۔ یا کسی اور سمت میں ادھر ادھر پھیل جاتی ہیں۔

www.freepdfpost.blogspot.com

ضرورت کے وقت مدافعت کا حق

جب ہم نے ۱۹۱۸ء میں ہتھیار ڈال دیئے۔ تو اس وقت ہم نے ایک ایسی پالیسی منظور کرکے اس پر عمل پیرا ہونا منظور کرلیا تھا۔ جس کا نتیجہ ہر انسانی امکان کی رو سے قابل تباہی اور بربادی کے سوا اور کچھ بھی نہ ہوسکتا تھا۔ اس وقت یہ بات ہماری سمجھ میں آئی کہ ۱۸۰۶ میں جر پرشیا کی ایک جنگ میں شکست فاش کھا کر بالکل ہی بے دست و پا ہو بیٹھا تھا تب چھ سات سال کے ہی مختصر عرصے میں ۱۸۰۶ سے ۱۸۱۳ کے درمیانی عرصے میں ہی اس کے باشندوں کے دلوں میں ایک کسی شاندار اور کتنی زبردست جنگی سپرٹ از سر نو پیدا ہوگئی تھی۔ لیکن افسوس کہ انہوں نے اس سپرٹ سے کچھ بھی فائدہ نہ اٹھا کر اپنی طاقت کو اور بھی کمزور و تباہ کرلیا۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ بھی نہ تھی کہ اس شرمناک صلح نامے پر دستخط کرنے کے بعد وہاں کے کسی بھی محب وطن نے اتنی ہمت و جرات نہیں دکھائی کہ دشمن کی طرف سے پرشین لوگوں پر بار بار جو ناگفتہ بہ مظالم ہوا کرتے تھے ان کی کسی طرح مخالفت کرتا۔ اور ان سے چھٹکارا پانے کی مردانہ سپرٹ اپنے ہم وطنوں کے دلوں میں پیدا کرتا۔ ان میں سے ہر ایک شخص اتنا ہی دانش مند اور دور اندیش بنا رہا کہ کسی نے بھی کسی وقت کوئی زبردست مطالبہ اپنی زبان پر لانے کی ہمت و جرات ظاہر نہیں کی۔

اسی طرح اس مرتبہ بھی غیر مسلح کردینے کا متعلق احکام کا منشاء سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا۔ کہ ہمیں سیاسی طور پر بالکل ہی بے دست و پا کردیا جائے ان احکام کی تعمیل کے بعد سے ہی ہماری اقتصادی لوٹ کھسوٹ کے واقعات بھی یکے بعد دیگرے مسلسل طور پر شروع ہوگئے اس کی غرض یہ تھی کہ ہمارے دلوں میں ایک ایسی بزدلانہ سپرٹ پیدا کردی جائے کہ ہم جنرل ڈانر کی حمایت و سرپرستی کو بھی اپنے لئے ایک خدائی رحمت اور اپنی خوش نصیبی سمجھنے لگیں۔ حتیٰ کہ ۲۳ ۔ ۱۹۲۲ء کے موسم سرما تک ہم سب یہ محسوس کرنے لگے

www.freepdfpost.blogspot.com

کہ صلح و امن کے بعد بھی فرانس ایک فولادی ارادے کے ساتھ یہی خواہش دل میں رکھتا ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو وہ ان تمام مقاصد و مدعا کو حاصل کرلے جو دوران جنگ میں اس کے پیش نظر تھے اور جن سے بچنے کے لئے ہی ہم نے صلح کی یہ ذلت گوارہ کی تھی۔ کیونکہ اس وقت کوئی بھی یہ یقین نہیں کرسکتا تھا کہ فرانس نے اپنے باشندوں کا خون محض اس لئے بہایا ہے کہ وہ اس تمام نقصان کے عوض جو اس نے جنگ میں برداشت کیا تھا صرف تھوڑے سا برائے نام معاوضہ حاصل کرکے ہی خاموش بیٹھ جائے گا۔ کیونکہ آلسیس اور لورین کے علاقہ کی واپسی بھی فرانس کے جنگی لیڈروں کی ان سرگرمیوں کے اظہار کے لئے کافی نہ تھی جنہیں انہوں نے فرانس کے آئندہ عظیم الشان سیاسی پروگرام کے متعلق اپنے دل میں جگہ دے رکھی تھی نیز وہ پروگرام اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ جرمنی کو بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کرکے اس کی مرکزی طاقت کو ہمیشہ کے لئے منتشر کردیا جائے صرف یہی منشاء و مدعا تھا جس کی تکمیل کے لئے چاونسٹ فرانس میدان جنگ میں کودا تھا اور اسی غرض کے حصول کے لئے وہ اپنی تمام قوم کو بین الاقوامی یہودیوں کے ہاتھوں فروخت کرکے ان کا غلام بنا رہا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ نومبر ۱۹۱۸ء میں جرمنی کی طاقت و قوت کا اچانک ہی خاتمہ ہوگیا۔ لیکن جس وقت ملک پر یہ مصیبت نازل ہو رہی تھی ہماری فوجیں اس وقت بھی اپنے دشمنوں کے گھروں میں گھسی ہوئی داد شجاعت دے رہی تھیں اس وقت فرانس کو یہ فکر نہ تھی کہ جرمنی کے اس طرح حصے بخرے کر ڈالے جائیں بلکہ وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح جرمنی کو جلد سے جلد فرانس اور بلجیم کی حدود سے نکال باہر کرے۔ اس طرح پریس کے لیڈروں نے جنگ ختم ہونے کے بعد پہلا کام یہ کیا۔ کہ انہوں نے جرمن افواج کو غیر مسلح کرکے جتنی بھی جلد ممکن ہوا۔ جرمنی واپس چلے جانے کے لئے مجبور کردیا۔ اور جب تک ان کی یہ دلی منشاء پورا نہ ہوا۔ تب تک وہ اپنی توجہ اس مقصد کی طرف نہ دے سکے جس کے پیش نظر وہ جنگ میں کودے تھے۔

انگلستان نے بھی صرف اسی وقت جنگ میں اپنی فتح مکمل سمجھی۔ جبکہ ایک نوآبادیوں پر قابض تجارتی و کاروباری حکومت کی چیت سے جرمنی کا خاتمہ ہوگیا۔ اور وہ ایک دوسرے درجے کی کمزور سی حکومت بن گئی۔ جرمنی کو بہ چیت ایک حکومت کے صفحہ ہستی سے مٹا دینا انگلستان کو ہرگز منظور نہ تھا۔ نہ یہ اس کے مفید طلب ہی ہوسکتا تھا کیونکہ وہ یورپ

www.freepdfpost.blogspot.com

میں فرانس کے لئے ایک زبردست رقیب کی موجودگی کا ہمیشہ سے دل و جان خواہاں ہے۔ اس طرح فرانس اپنے اصلی کام کو شروع کرنے سے پہلے جس کے لئے اس نے جنگ کی بنیاد دھری تھی۔ یہ ضروری خیال کرتا تھا کہ صلح نامے پر دستخط ہوجائیں۔ اور اسی لئے وہ اس کا منتظر تھا ورنہ کلیمنشو نے تو یہ اعلان پہلے ہی کردیا تھا کہ فرانس کے لئے تو صلح و امن کے معنی صرف یہی ہوسکتے ہیں کہ جنگ برابر جاری رہے غرضیکہ اس طرح ۲۳ - ۱۹۲۲ء کی سردیوں تک فرانس کی یہ نیت سب پر ہی ظاہر ہوگئی اور کسی سے بھی چھپی نہیں رہی۔

دسمبر ۱۹۲۲ء میں جرمنی اور فرانس کے باہمی تعلقات پھر بہت خطرناک ہوگئے فرانس جرمنی پر وسیع جبرو تشدد کے نئے طریقے سوچ رہا تھا اور ان کے لئے منظوری حاصل کرنے کے لئے کوشاں تھا۔ یہ امید کی جاتی تھی کہ روہر کے علاقے پر قبضہ کرکے وہ جرمنی کی ریڑھ کی ہڈی ہی توڑ ڈالے گا۔ اور ہماری اقتصادی حالت کو بے حد بگاڑ دے گا مگر روہر پر فرانس کے قبضہ ک بعد بدقسمت نے ایک مرتبہ پھر جرمنی کو یہ موقع دیا کہ وہ دنیا پر اپنی ہستی کا اظہار کرسکے۔ اگرچہ یہ واقعہ بظاہر تو ایک بڑی بھاری بدقسمتی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن بغور دیکھنے پر اس میں ایسے شاندار امکان نظر آتے تھے۔ جن سے جرمن کی تمام مصیبتوں کا خاتمہ ہوسکتا تھا۔ کیونکہ اس طرح پہلی مرتبہ فرانس اور انگلستان کو نہ صرف ان مدبروں کے ہی جنہوں نے پہلے سمجھوتہ کیا تھا بلکہ عوام کے باہمی تعلقات میں بھی سخت کشیدگی پیدا ہوگئی تھی۔ اور خصوصاً" کاروباری لوگوں نے تو براعظم فرانس کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کو اپنی دل ہی دل میں بہت بری طرح محسوس کیا۔ نیز روہر میں جو کوئلہ کی کانیں ہیں ان پر فرانس کا قبضہ ہوجانے سے انگلستان ان تمام فوائد سے محروم ہوگیا۔ جو گزشتہ جنگ سے حاصل ہوئے تھے اور اس طرح اب انگلستان کے محنتی و جفاکش مدبروں کے باشندوں نے نمائندہ مارشل فوش کو ہی نہایت فتح حاصل ہوگئی۔

لیکن ۱۹۲۴ء کی موسم بہار میں پیشتر اس روہر میں فرانس کا قبضہ ہونے پر جرمن قوم کے دل میں اپنی جنگی طاقت کو از سر نو مضبوط کرنے کی سپرٹ پیدا ہوتی اور وہ ان کی قوت ارادی کو مضبوط کرسکتی۔ یہ نہایت ضروری تھا کہ ان لوگوں کا مناسب طور پر قلع قمع کردیا جاتا جو کہ اندر ہی اندر قوم کی سب سے بڑی طاقت یعنی قوم پرستی کے جذبے کو کمزور کرتے جا رہے تھے جس طرح کہ ہمارا ۱۹۱۸ء کا کشت و خون ہماری ۱۹۱۴ء و ۱۹۱۵ء کی اس غفلت کا نتیجہ تھا جو ہم نے مارکسٹ سانپوں کو اپنی ایڑیوں سے کچلنے میں ظاہر کی تھی اس طرح یہ بھی

www.freepdfpost.blogspot.com

ضروری تھا کہ ۱۹۲۳ء کے موسم بہار میں ہمیں ان مارکسٹ غداروں اور قوم کے قاتلوں کو تباہ کرنے کا جو موقع نصیب ہوا تھا اسے بھی ہاتھ سے کھونے کی ہمیں کوئی ویسی سخت ہی سزا ملتی

صرف غلطی میں پھنسے ہوئے بورژوا درمیانہ طبقہ (رعایا) کے دماغ ہی اس ناقابل قیاس حماقت کا شکار ہوسکتے تھے کہ ۱۹۱۸ء میں جن مارکسٹ درندوں نے بغیر کسی رنج و افسوس کے بتیس لاکھ فدایان وطن کی لاشوں کو زینے کے طور پر استعمال کرکے تخت حکومت تک رسائی حاصل کی تھی۔ وہ آج اتنے بدل جائیں گے کہ از خود صحیح و مناسب طریق پر قومی خدمات سرانجام دینے لگیں گے کیونکہ یہ امید کرنا در حقیقت ایک ناقابل اعتبار بیوقوفی تھی کہ وہ غداران وطن جرمنی جنگ آزادی لڑنے کے لئے اس طرح اچانک ہی سرکٹ سورما ثابت ہوں گے حالانکہ وہ کبھی خواب میں بھی یہ خیال اپنے دل میں نہیں آنے دیتے تھے کیونکہ مارکسٹ کے لئے قومی غداری سے اس طرح روگرداں ہونا ویسا ہی مشکل ہے= جیسے کہ ایک گدھ کے لئے کسی سڑی گلی لاش سے۔

غرضیکہ ۱۹۲۳ء میں بھی ایک ایسی صورت حال پیدا ہوگئی جیسی کہ ۱۹۱۶ء میں ہوئی تھی اس لئے حالات کا موجودہ مقابلہ کرنے کے لئے جس پروگرام کا بھی فیصلہ کیا جاتا۔ اس کی پہلی اور سب سے ضروری شرط یہی ہوسکتی تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو قوم کے جسم سے اس مارکسٹ خون کو یکدم خارج کردیا جائے اور میرا تو عقیدہ ہی یہ تھا کہ کسی بھی سچی قوم پرست حکومت کا پہلا فرض یہ ہوگا کہ وہ مارکسزم کے خلاف اعلان جنگ کرنے کے لئے مناسب طاقت و قوت حاصل کرنے کے ذرائع تلاش کرے اور جب تک مادر وطن کے خارجہ دشمن اس پر مہلک وار کرنے کے لئے آمادہ و کمربستہ ہیں۔ نیز گھر میں آستیں کے ہر گلی کوچے کے گوشے گوشے میں چھپ ہوئے ہیں تب تک کبھی ایک منٹ کے لئے بھی امن و امان کی بیوقوفانہ حماقت آمیز خواہش کو اپنے دل میں جگہ دے۔ کیونکہ سچی قومی حکومت کبھی کسی ایسی بد امنی کو ناپسند نہیں سمجھ سکتی جس کا نتیجہ یہ ہو کہ مارکسوں جیسے خونخوار قومی دشمنوں کا ہمیشہ کے لئے کچھ فیصلہ ہوسکے۔

میں نے بارہا نام نہاد قوم پرست پارٹیوں سے یہ درخواست کی کہ وہ ہماری تحریک کو مارکسزم سے دو دو ہاتھ کرنے کی اجازت دے کر قسمت آزمائی کرلینے دیں مگر میری آواز ان کے بہرے کانوں پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ وہ سب جن میں ملک کی مدافعی فوج کا افسر اعلیٰ

www.freepdfpost.blogspot.com

بھی شامل تھا۔ یہی خیال کرتے رہے کہ وہ ہماری نسبت صورت حال سے زیادہ اچھی طرح واقف ہیں حتیٰ کہ ایک نہایت مصیبت خیز حالت سے روبرو ہوکر ان کی بھی آنکھیں کھل گئیں۔ اور انہیں بھی اپنی غلطی کا پتہ لگ گیا۔ اس وقت میں نے اپنے دل کی گہرائیوں میں یہ محسوس یا۔ کہ اب جرمن بورژوا (درمیانہ طبقہ رعایا) کا مشن کا بھی خاتمہ ہوچکا ہے۔ اس لئے انہیں اور کسی غلطی کا مرتکب ہونے کی ہرگز اجازت نہیں دے جاسکتی۔ میں کھلے دل سے یہ بھی اعتراف کرتا ہوں کہ اس وقت میرے دل میں اس عظیم الشان شخصیت کے لئے ایک سچی عزت کا جذبہ بیدار ہوگیا جوکہ کوہ الپس کے جنوب میں قیام پذیر ہے اور جس کی قومی الفت و ملکی محبت نے اسے کبھی اپنے ملک و قوم کے دشمنوں کے ساتھ سودا طے کرنے کی اجازت نہیں دی اورجو ہر ذریعے سے انہیں تباہ کرنے کے لئے جنگ و جدل میں مصروف رہا ہے کیونکہ جس صفت نے مسولینی کو دنیا کے بڑے بڑے آدمیوں کی صف میں جگہ دلوائی ہے وہ اس کا اٹلی کی کمیت میں مارکسسزم کے ساتھ شرکت نہ کرنے کا اٹل ارادہ ہی تو ہے جس کی طاقت سے وہ اپنے ملک و قوم کی قومیت کے لئے جانی دشمنوں سے حفاظت کر رہا ہے اس کے مقابلے میں جرمن مدبر کتنے ہیچ اور کیسے ناچیز معلوم ہوتے ہیں۔

برخلاف اس کے جو روش ہماری بورژوا جماعت نے اختیار کی۔ اور جو سلوک انہوں نے ملوکسسزم کے ساتھ روا رکھا۔ اس نے شروع سے ان تمام کوششوں کی قسمت کا فیصلہ کردیا جو روہر کو دشمنوں کے قبضے میں آنے سے بچانے کے لئے کی گئیں۔ ان آستین کے سانپوں کو اپنے پہلو میں رکھتے ہوئے فرانس سے کسی مخالفت کا خیال تک بھی اپنے دل میں لانا ایک ایسی فاش غلطی تھی جس کے نتیجے کے طور پر ۱۹۲۳ء کے سرما میں ہی اس امر کی بہ آسانی پیشین گوئی کی جاسکتی تھی کہ مستقبل قریب میں کیا ہونے والا ہے۔

فرانس کے خلاف ہماری کشمکش کا انجام کیا ہوسکتا تھا ابھی اس سوال پر ہمارا بحث کرنا ہی فضول ہے۔ کیونکہ جب تک روہر کے قبضہ کی کوئی مخالفت جرمنی میں ملوکسسزم کا خاتمہ کرنے میں کامیاب نہ ہوتی تب تک ہم کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہوسکتے تھے۔ ایک اپنے اس جانی دشمن کے پنجوں سے آزادی حاصل کرکے ہی ہم میں وہ طاقت پیدا ہوسکتی تھی۔ جس کا دنیا میں کوئی بھی طاقت گلا گھونٹنے میں کامیاب نہیں ہوتی۔ جس روز بھی جرمنی کو ملوکسسزم کی غلامی کی زنجیروں سے آزادی نصیب ہوگئی۔ اسی روز سے در حقیقت وہ صحیح معنوں میں آزاد ہوگیا۔ کیونکہ تاریخ عالم میں ہمارے دشمنوں کی فوجیں ہمیں

www.freepdfpost.blogspot.com

کبھی بھی فتح کرنے میں کامیاب نہیں ہوئیں۔ اور ہمیں جب بھی شکست نصیب ہوگئی اپنے گھر کے بھیدی دشمنوں اور اپنے ہم وطنوں کی نالائقیوں و غداروں کی بدولت ہی نصیب ہوئی ہے۔

لیکن ہماری خوش قسمتی سے عین موقع اور موزوں ترین وقت پر قدرت نے جرمنی میں بھی ایک مہا پرش پیدا کردیا۔ اس کا نام نامی ہیرکونو تھا۔ جس نے اپنی دلائل اس طرح پیش کیں۔

فرانس روہر پر قابض کیوں ہونا چاہتا ہے۔ ؟ وہاں کیا دھرا ہے ؟ کوئلہ تو کیا فرانس صرف کوئلے کی خاطر روہر کا قبضہ مانگتا ہے ہرکونو کو اس خیال کے سوا اور کون سی بات ایسی آسانی سے سوجھ سکتی تھی کہ روہر میں ہڑتال کرا دینے سے فرانس وہاں کے کوئلے سے محروم رہ سکتا ہے۔ اس لئے اس طرح جلد یا بہ دیر اسے روہر کے قبضے سے سبکدوش ہونا پڑے گا۔ کیونکہ اس صورت میں یہ سودا اس کے لئے کسی طرح بھی فائدہ مند ثابت نہیں ہوسکتا۔

لیکن وہاں سٹرائک یا ہڑتال کرانے کے لئے قدرتاً" **مارکسسٹوں** کی ضرورت تھی۔ کیونکہ یہ کام مزدور کارکن ہی سرانجام دے سکتے تھے۔ اور کونو جیسے بورجیو مدبر کی نظر میں مزدور اور مارکسسٹ مترادف الفاظ تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ وہ ایک متحد محاذ قائم کرنے کے لئے مزدوروں کو بھی دوسرے جرمنوں کا ہم خیال بناتا چنانچہ **مارکسسٹوں** نے بھی بظاہر بہت جلد منظور کرلیا۔ کیونکہ ان کی نظر تو کونو کے روپیہ پر تھی اور کونو کی نظر ایک متحدہ محاذ قائم کرنے کی ضرورت پر لیکن اگر ہیرکونو اس وقت روہر کے زور سے عام ہڑتال کے لئے یہ متحدہ محاذ قائم نہ کرتا۔ اور اس مقصد کے لئے ہر ایک جرمن سے معمول سے دو گھنٹہ زائد کام کرنے کا مطالبہ کرتا تو اسے تین دن میں ہی اپنا مقصد حاصل ہوجاتا۔ کیونکہ بغیر قربانی کے کب کوئی قوم آزادی حاصل کرسکتی ہے۔

مگر یہ نام نہاد خاموش مقابلہ PASSIVER RESIS TANCE زیادہ عرصہ تک جاری نہیں رہ سکتا تھا۔ جس شخص کو جنگ کے متعلق کچھ بھی علم نہ ہو اس کے سوا کوئی بھی دوسرا شخص ایسے فضول طریقوں سے کسی قابض فوج کو ملک سے نکال باہر کرنے کا خیال تک بھی اپنے دل میں نہیں لاسکتا۔ اگر روہر کے ویسٹ فلین لوگوں کو یہ احساس ہوتا کہ اسی یا سوڈویزنوں کی ایک فوج ذخار بھی ان کی مدد کے لئے کمربستہ ہے تو فرانسیسیوں کو

www.freepdfpost.blogspot.com

ان کے علاقہ پر قبضہ رکھنا کانٹوں کی سیج کی مانند تکلیف دہ ہوجاتا لیکن اب اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب مارکسسٹ ٹریڈ یونینیوں نے کونو کے روپیوں سے اپنی تھیلیوں کو خوب بھر لیا اور تقریباً" یہ فیصلہ ہو گیا کہ مقابلہ اس کی اس سست اور دھیمی رفتار کو ایک تیز حملے کی صورت دی جائے تو یہ سب قوم پرست بھیڑیں سرخ بھیڑیوں کی شکل اختیار کرکے اپنے اسی اصلی رنگ و روپ میں ظاہر ہوگئیں۔ جیسا ہمیشہ سے ان کا وطیرہ رہا ہے۔ یہ صورت حال دیکھ کر بے چارے ہیرکونو کے لئے اپنے جہازوں میں جاکر گوشہ نشین ہوجانے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا اور اس طرح جرمنی کے بہت سے گذشتہ تجربات میں ایک تجربہ کا اور اضافہ ہوکر۔ اس کی ایک اور امید خاک میں مل گئی۔

لیکن جب یہ تباہی خیز انقلاب شروع ہوا۔ اور کروڑ رہا روپیہ اور لکھو کھہا نوجوان جرمنوں کو (جو اتنے اعتقاد پسند اور سادہ لوں تھے کہ اپنی رائخ کے ارباب حل و عقد کی باتوں پر فوراً" ایمان لے آتے تھے) بیش بہا جانوں کی قربانی کے بعد بھی یہ شرمناک سمجھوتہ ہوگیا۔ تو اس بدنصیب ملک سے یہ افسوس ناک عیاری اور دھوکا کئے جانے پر عوام کے غم و غصے کی آگ ایک دم بھڑک اٹھی تھی۔ اور جرمن کے کروڑوں آدمیوں کو یہ یقین ہوگیا تھا کہ یہاں کے موجودہ طریق حکومت کی تمام و کمال کایاپلٹ کئے بغیر موجودہ ذلت و رسوائی سے ہماری نجات کسی صورت میں بھی ممکن نہیں مگر اس کے لئے وہ مناسب موقع کے منتظر تھے۔

چنانچہ ۱۹۲۴ء کے عظیم الشان مقدمہ کے موقع پر جو تقریریں میں نے کی تھیں۔ اس کے آخری فقرے میں میں نے یہ کہا تھا کہ اس ملک کے جج صاحبان اپنے فیصلہ میں خواہ ہمارے اعمال و افعال کی مذمت کرکے خوشی و مسرت حاصل کرلیں۔ مگر پھر بھی تاریخ جو کہ اعلیٰ صداقتوں اور بہترین قوانین کی ایک پوجیہ دیوی ہے اپنی خوبصورت آنکھوں میں آنسو بھر کر آپ کو اس فیصلہ پر زہر خندہ کرتی ہوئی یہ اعلان ضرور کرے گی کہ ہم میں سے ہر ایک شخص اس الزام سے قطعاً" بے گناہ و معصوم تھا۔ جو ہمارے اوپر لگایا گیا ہے اور ہم نے کوئی بھی پاپ ایسا نہیں کیا جس کے لئے کچھ بھی پرا شچت کرنے یا کفارہ دینے کے کوئی فرض ہمارے اوپر عائد ہوتا ہو۔

میں یہاں ان واقعات کو بیان کرنے کی بالکل کوشش نہیں کروں گا جن کے نتیجے کے طور پر ۱۹۲۳ء کے واقعات رونما ہوئے تھے یا ان کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ کیونکہ میں یہ خیال نہیں

www.freepdfpost.blogspot.com

کرتا کہ دہرانے سے مستقبل کو کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اور پھر چونکہ ان زخموں کو جو ابھی تک اچھی طرح مندمل بھی نہیں ہوئے پائے ہیں پھر چھیڑنا اور ان سب لوگوں کے جرائم کا ذکر کرنا بالکل بے سود ہے جنہوں نے کہ یہ زخم لگائے ہیں اور جو شائد اب بھی اپنے دلوں کی گہرائیوں میں اپنے قوم و ملک سے بالکل ایسی ہی سچی محبت کرتے ہیں جیسی کہ ہم لیکن اس وقت وہ راہ راست سے بھٹک اور بہک گئے تھے اور اسی لئے ہمارے طریق عمل کو پسند نہیں کرتے تھے یا اس راستے پر چل نہیں سکتے تھے جس پر کہ چل رہے ہیں اور اس وقت بھی چلنا چاہتے ہیں۔

www.freepdfpost.blogspot.com

تتمہ

زراعت پیشہ آبادی کاشتکاری کے متعلق نیشنل سوشلسٹ ڈیموکریٹک ایسوسی ایشن پارٹی کی پوزیشن اس کے بارے میں پارٹی کا اعلان

میونخ چھ مارچ ۱۹۳۰ء

۱۔ جرمنی میں کاشتکاری پیشہ جماعت اور پیشہ زراعت کی اہمیت:۔

جرمن قوم اپنی خوراک کا ایک بہت بڑا حصہ غیر ممالک سے حاصل کرتی ہے۔ عالمگیر جنگ سے پہلے ہم ان اشیاء کی قیمت اپنی مصنوعات کی تجارت اور اس سرمایہ کی آمدنی سے ادا کرتے رہے ہیں۔ جو غیر ممالک میں ہمارا جمع تھا لیکن جنگ کے نتائج نے اب اس امکان کا خاتمہ کردیا ہے۔ اس لئے آج کل ہمیں ان غیر ملک سے آنے والی اشیاء خوراک کی قیمت زیادہ غیر ممالک سے حاصل کردہ قرضے کی مدد سے ادا کرنی پڑتی ہے جس کی بدولت جرمن قوم ان بین الاقوامی سرمایہ داروں کے قرض تلے حد سے زیادہ دبتی جا رہی ہے جو کہ اسے قرضے دے رہے ہیں اور یہ صورت حال جب تک بھی جاری رہے گی۔ جرمن قوم کا افلاس و غربت برابر بڑھتے ہی جائیں گے اور اسے کبھی خوشحالی نصیب نہ ہوگی۔

اس غلامی سے نجات پانے کا امکان صرف اسی حقیقت میں پوشیدہ ہے کہ جرمنی اپنی خوراک کے تمام ضروری اشیاء خود تیار کرنے لگے۔ اس لئے اب جرمن قوم کے لئے اپنی زراعتی پیداوار کو بڑھانا ایک زندگی کا موت کا سوال بن گیا ہے۔ مزید براں ہماری صنعت و حرفت کے لئے بھی یہ نہایت ضروری ہے کہ ہماری دیہاتی آبادی کی اقتصادی حالت نہایت مضبوط ہو۔ اور وہ خوب روپیہ پیدا کرنے والی ہو۔ کیونکہ آئندہ ہماری مصنوعات کو بھی روز بروز اپنے ملکی بازاروں پر زیادہ انحصار رکھنا پڑے گا۔ نیز ہم دیہاتی آبادی کو ملکی صحت و

www.freepdfpost.blogspot.com

تندرستی کی وراثت کے محافظ قومی نوجوانوں بہم رسانی کا ذخیرہ اور اپنی مسلح طاقت کی ریڑھ کی ہڈی سمجھتے ہیں۔ اسلئے ایک ہوشیار اور ماہرین زراعتی جماعت کی روز افزوں تعداد کو عام آبادی کے طور پر برقرار رکھنا ہماری نیشنل شوشلسٹ پلیٹ فارم سب سے اہم اور مضبوط پایہ ہے۔ کیونکہ ہماری تحریک آئندہ تمام نسلوں میں عوام کی بہتی و بہبودی کو ہمیشہ پیش نظر رکھتی ہے۔

۲ ۔ کاشتکاری پیشہ جماعت :۔ اور زراعت کی طرف سے موجودہ حکومت کی لاپرواہی حالانکہ زراعتی پیداوار میں از خود ترقی و نشوونما کی بے حد گنجائش ہے لیکن پھر بھی اس کی راہ میں بے شمار رکاوٹیں پڑی ہوئی ہیں۔ اور ان کی سب سے بڑی وجہ ہمارے کسانوں کی روز افزوں قرض داری ہے جو اپنی زراعتی ضروریات کے لئے بھی ضروری ساز و سامان بروقت حاصل نہیں ہونے دیتی۔ اس طرح چونکہ زراعت کاشتکاروں کے لئے کچھ بہت منفعت بخش ثابت نہیں ہوتی۔ اس لئے انہیں بھی اس طرف زیادہ توجہ دے کر پیداوار بڑھانے کے لئے کوشش اور محنت کرنے کی کوئی خاص ترغیب نہیں ہوتی۔ اگر اس صورت حال کی مناسب غور وخوض سے تحقیقات کی جائے کہ زراعت سے کاشتکاری کو اپنی محنت و مشقت کا پورا پورا معاوضہ کیوں حاصل نہیں ہوتا؟ تو اس کی وجوہات مندرجہ معلوم ہوں گی۔

(۱) موجودہ حکومت کی پالیسی زراعت کے اوپر نامناسب بار ڈال رہی ہے۔ اس کا باعث پارٹی بازی کی سپرٹ اور دنیا بھر کے بازار میں سرمایہ میں یہودیت کے رسوخ کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ وہی درحقیقت آج کل جرمنی کی پارلیمنٹری جمہوریت پر قابض ہورہی ہے۔ اور وہ اس لئے جرمن زراعت کو تباہ کرنا چاہتی ہے کہ ایک روز تمام قوم مزدوری پیشہ ہوکر ان کی دست نگر ہوجائے۔ اور ان کے رحم پر زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور رہے۔

(۲) غیر ملکی کاشتکاروں کا مقابلہ جو بہتر حالت میں زراعت کرتے ہیں۔ اور جرمنی میں تحفظ کی پالیسی نہ ہونے کے باعث جنہیں ہم اپنے مزدوروں کا مقابلہ کرنے سے کسی طرح بھی نہیں روک سکتے۔

(۳) تھوک فروش آڑھتی اور دکان دار جو کاشتکاروں اور خریداروں کے درمیان بیٹھے ہیں۔ اس خرید و فروخت سے بے حد دلالی اور نفع کماتے ہیں۔

www.freepdfpost.blogspot.com

(۴) کسانوں کو برقی طاقت ۔ مصنوعی کھاد اور اپنی دیگر ضروریات کے لئے جن کی تجارت زیادہ تر یہودیوں کے ہاتھوں میں ہے بہت زیادہ قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

اس طرح کاشتکاری سے کسانوں کو جو محدود سا منافع اپنی محنت کے معاوضے میں حاصل ہوتا ہے وہ بڑھے ہوئے سرکاری محصولات کا بوجھ برداشت نہیں کرسکتا اس لئے انہیں بہت بھاری شرح سود پر قرض لینے کے لئے مجبور ہونا پڑتا ہے۔ اور وہ اس ظلم سے دبا ہوا روز بروز گہرے سے گہرا نیچے ہی نیچے چلا جاتا ہے اور آخر جو کچھ بھی اس کے پاس ہوتا ہے۔ اسے اپنے قرض خواہ یہودی کے حوالے کرکے خود تباہ و برباد ہوجاتا ہے۔ غرضیکہ اس طرح جرمن کاشتکار کو اس کے مالی و جائداد سے بے قبضہ کیا جا رہا ہے۔

۳۔ ہماری یہ خواہش ہے کہ رائخ میں حقوق اراضی کا احترام کیا جائے اور جرمنی میں ایک خاص زراعتی پالیسی کو مدنظر رکھا جائے!

رعایا و ملک کے افلاس و ناداری کی اس حالت میں عالمگیر ترقی یا زراعت پیشہ جماعت کی کسی بہتری و بہبودی کی اس وقت تک کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔ جب تک کہ جرمنی کی حکومت پر بین الاقوامی سرمایہ داروں کا قبضہ ہے۔ اورموجودہ پارلیمنٹری جمہوری طریق حکومت اس کی امداد پر ہے۔ کیونکہ ان کی دلی خواہش تو یہ ہے تو جرمنی کی اس طاقت و قوت کو بالکل برباد کردیا جائے۔ جو اراضیات پر انحصار رکھتی ہے۔

لیکن اس نئی اور بالکل مختلف جرمن حکومت جس کی قائمی کی ہم خواہش رکھتے ہیں۔ کانوں اور مزارعوں کے ساتھ وہ رعائیتیں مدنظر رکھی جائیں جو کہ ان کا حق ہیں۔ کیونکہ وہی در حقیقت قومی جرمن حکومت کا سب سے بڑا سہارا ہوسکتے ہیں۔

۱۔ جرمنی کی تمام زمین جو جرمن قوم کی حاصل کردہ اور حفاظت کردہ ہے بطور ان کی جائے رہائش اور ذریعہ روزی کے جرمن قوم کی خدمت کے لئے ہی مخصوص ہوگی۔ اور جن لوگوں کا اس زمین پر قبضہ ہوگا وہی اس نقطہ خیال سے خود اس کا انتظام بھی کریں گے۔

۲۔ صرف جرمن قوم کے افراد ہی اس زمین کا حق ملکیت حاصل کرسکیں گے۔

۳۔ جس زمین کو وہ جائز طور پر حاصل کریں گے وہی ان کی جائیداد سمجھی جائے گی۔ لیکن اس حق ملکیت کے ساتھ یہ پابندی بھی ضروری ہوگی کہ اس کا استعمال قومی مفاد

www.freepdfpost.blogspot.com

کو مدنظر رکھ کر کیا جائے اور خاص عدالتیں اس امر کی نگراں رہیں گی کہ ان شرائط پر ٹھیک طور سے عملدرآمد بھی ہوتا ہے یا نہیں ان عدالتوں میں ان ہی سب لوگوں کے نمائندے شامل ہوں گے جن کا کہ تمام ارضی جماعتوں اور صیغوں سے تعلق ہوگااور حکومت کا بھی ایک نمائندہ انکے ساتھ شریک رہے گا۔

۴ ۔ جرمن اراضیات مالی خرید و فروخت کا ذریعہ بن سکیں گی (سب سے اہم نکتہ دیکھو۔ قومی پروگرام پیرا نمبر۱۷۱) اور نہ اپنے مالکان کے لئے کسی ناپید کردہ آمدنی کا باعث ہوں گی۔ انہیں صرف وہی حاصل کرسکیں گے۔ جو خود کہ انہیں کاشت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اسی لئے حکومت کو ہر اراضی کی فروخت میں حق شفع حاصل ہوگا۔

نجی طور پر پیشہ ور ساہوکاروں کے پاس زمین گرو رکھنے کا اختیار کسی شخص کو نہ ہوگا۔ زراعتی ضروریات کے لئے کسانوں کو قرضہ دینے یا دلانے کا انتظام یاتو حکومت کرے گی یا اپنی مصدقہ انجمنوں کے ذریعہ کرائے گی۔

۵ ۔ تمام اراضیات کے استعمال کے لئے ان کی وسعت اور خاص اوصاف کے لحاظ سے مقرر شدہ سرکاری محاصل قابل ادائیگی ہوں گے۔ اس محصول کے سوا اراضیات پر اور کوئی محصول نہ لگ سکے گا۔

۶ ۔ زراعتی پیداوار کی مقدار کے متعلق کسی سخت اور خاص قانون نہیں بنائے جاسکتے۔ آبادی کاری کے متعلق ہماری پالیسی یہی ہے کہ ہمیں چھوٹے اور درمیانہ درجے کے کھیتوں کی ایک تعداد کثیر درکار ہے جنہیں ایک وسیع پیمانے پر کاشت کرایا جائے گا۔ کیونکہ زراعت کو قومی ترقی اور نشونما میں ایک نہایت ضروری حصہ لینا چاہئے۔ اور یہ تبھی حق بجانب ہوسکے گا جبکہ یہ چھوٹے چھوٹے کاروبار کے ساتھ اپنے صحت مند تعلقات قائم رکھ سکیں گے۔

۷ ۔ حکومت کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ مناسب معاوضہ ادا کرکے ہر ایک اراضی یا زمین پر مندرجہ ذیل حالات میں قبضہ حاصل کرسکے۔

(الف) جب کہ وہ قوم کے کسی فرد کے قبضے میں نہ ہو۔

(ب) جب کسی عدالت کے فیصلے سے یہ قرار دیا جائے کہ اس کا مالک ٹھیک طور پر کاشت نہ کرنے یا اس زمین کے استعمال میں قومی مفاد کو مدنظر نہ رکھنے سے اپنے حق ملکیت کوزائل کرچکا ہے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

(ج) کسی اراضی پر آزاد کاشتکاروں کو آباد کرنے کی غرض سے جبکہ اس اراضی کا مالک خود اسے کاشت نہ کرتا ہو۔

(د) جب کسی قومی مفاد کے پیش نظر (مثلاً" سڑک وغیرہ نکالنے یا قومی مدافعت وغیرہ کی غرض سے) حکومت خود اس کا استعمال ضروری خیال کرے۔

جو اراضیات (جرمن قانون کی رو سے) ناجائز طور پر حاصل کی گئی۔ وہ بلا معاوضہ بھی ضبط کی جاسکیں گی۔

۸ ۔ حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ آباد کاری کی پالیسی کے اعلیٰ خیال کو ہمیشہ پیش نظر رکھ کر ان اراضیات کو جو اسے حاصل ہوسکیں۔ آباد کرنے کی تجویزوں پر عمل درآمد کرتی رہے۔ اور آباد کاروں کو ایسی شرائط کے ماتحت جو ان کی بسر زندگی کے لئے ضروری ہوں۔ مختلف قطعات اراضی پر قبضہ دے کر ان کے حق وراثت کو قائم کرے۔ آباد کاروں کا انتخاب ان کی شہری اور پیشہ ورانہ قابلیت کا امتحان لینے کے بعد ہونا چاہئے۔ کسانوں کے ان بچوں کا خاص خیال رکھا جائے جنہیں اپنے بزرگو کی اراضیات میں قانوناً" کوئی حصہ نہ مل سکتا ہو (دیکھو صفحہ ۷)

مشرقی سرحدوں کی آباد کاری نہایت ضروری ہے۔ وہاں صرف کھیت بنا دیئے جانا ہی کافی نہ ہوگا۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہوگا کہ نئی صنعتوں اور حرفتوں کے خیال سے وہاں نئے شہر آباد کئے جائیں اور بازار و منڈیاں وغیرہ بھی قائم کی جائیں۔ کیونکہ صرف اسی طرح دور دراز علاقوں میں چھوٹے چھوٹے کھیتوں اور کاروباروں کو منفعت بخش بنایا جاسکتا ہے۔

حکومت کی خارجہ پالیسی کا یہ فرض ہوگا کہ وہ جرمنی کی روز افزوں آبادی کی پرورش اور بسر زندگی کے لئے نئے وسیع قطعات زمین حاصل کرکے انہیں آباد کرنے کی کوشش کرے۔

۴ ۔ زراعت پیشہ لوگوں کی اقتصادی و تعلیمی حالت کو بہتر بنایا جائے :۔

۱ ۔ محصولات معاف کرکے اور دیگر ضروری ذرائع استعمال کرکے زراعت پیشہ جماعتوں کی موجودہ مفلسی و ناداری کا خاتمہ کردیا جائے۔ قرضہ جات پر کم شرح سود مقرر کرکے اور جبراً" وصولی کے خلاف پابندیاں لگا کر قرض کو روکا جائے۔

۲ ۔ حکومت کی یہ پالیسی ہونی چاہئے کہ وہ زراعت کو بطور ایک پیشے کے منفعت بخش

www.freepdfpost.blogspot.com

بنائے اور جرمنی کی زراعتی پیداوار کو محصولات و خرچ بار برداری کے بار گراں سے تحفظ بخشے۔ اور قومی تعلیم کو مفید سکیمیں جاری کرکے نیز تجارت کے درآمد کے متعلق مناسب قوانین نافذ کرکے کسانوں کی حالت کو بہتر بنائے۔

زراعتی پیداوار کی قیمت مقرر کرکے بازاری اتار چڑھاؤ کو قابو میں کرے اور بڑے بڑے سرمایہ دار' دلال' آڑھتی وغیرہ نے جو لوٹ کھسوٹ مچا رکھی ہے۔ اس کا تدارک کرے۔ اور اس امر کی حوصلہ افزائی کرے کہ یہ سب کاروبار آہستہ آہستہ زراعت پیشہ لوگوں کی اپنی انجمنوں کے ہاتھ میں آجائے اور ایسی پیشہ ور انجمنوں کا یہ فرض ہو۔ کہ وہ اخراجات کاشتکاری اور پیداوار کو حتی الواسع کم کرنے کی کوشش کریں۔ اور اس غرض کے لئے کسانوں کو برائے نام معاوضے پر آسان شرائط پر آلات زراعت' کھاد' بیج مویشی و دیگر جاندار پرورش و افزائش نسل بہم پہنچائیں اور ان کی مزید ترقی و بہتری' نقصان دہ کیڑوں مکوروں کے دفعیہ کے متعلق انہیں مفت ہدایت و تعلیم دیں۔ اور کیمیائی تحقیقات وغیرہ کے کام کو روز افزوں نشوونما دینے کی کوشش کریں۔اور عوام میں ان کے نتائج کا مناسب پرچار کرتی رہیں وغیرہ وغیرہ۔ حکومت ان انجمنوں کو یہ خدمات سرانجام دینے میں ہر طرح پوری پوری امداد و سہولت عطا کرے۔ اور خصوصاً" مصنوعی کھاد اور بجلی کی طاقت کو جتنے بھی سستے داموں پر کسانوں کو بہم پہنچا سکے۔ اس میں کسی طرح دریغ نہ کرے۔

۳۔ مجلسی نقطہ خیال سے یہ ہر طرح حق بجانب ہوگا کہ یہ انجمنیں زراعتی مزدوروں کو بھی تنظیم دے کر انہیں ایک ایسی زراعت پیشہ جماعت کے طور پر منظم کریں۔ تاکہ وہ لوگوں کو ان کے کھیتی کیاری کے کاموں میں ٹھیکے پر مدد دے سکیں۔ حکومت کو ان انجمنوں کے طریق عمل کی نگرانی کرنی چاہئے۔ نیز ان کے باہمی جھگڑوں کو بہ سہولت ارزاں طریق پر نبٹانے کی صورت پیدا کرنی چاہئے ساتھ ہی یہ بھی کوشش کرنی چاہئے کہ یہ زراعتی مزدور آہستہ آہستہ خود اراضیات حاصل کرکے چھوٹے چھوٹے کسان بن جائیں۔ اس طرح زراعت کی حالت سدھرنے اور ان زراعت پیشہ مزدوروں کے منظم ہونے سے ان کی اجرتیں بھی خود بخود بڑھتی جائیں گی۔ اور اس سے معیار زندگی روز بروز بہتر ہوتا جائے گا۔ جب یہ صورت حال ہوجائے گی تو پھر کسی اور سے کھیت کیاری میں کام لینے کی کچھ بھی ضرورت نہ رہے گی۔ اور آئندہ حکماً" و قانوناً" بھی اس کی ممانعت کی جاسکے گی۔

۴۔ زراعت پیشہ جماعت کی قومی اہمیت اس امر کا مطالبہ کرتی ہے۔ کہ حکومت کی

www.freepdfpost.blogspot.com

طرف سے زراعت کی فنی تعلیم کو بھی ترقی دی جائے اور اس غرض سے نوجوانوں کے لئے زراعتی سکول اور کالج جاری کئے جائیں۔ جن میں انہیں زراعت سے تعلق رکھنے والے ہر صیغہ کی نہایت آسان و پر کفایت طریقوں پر تعلیم دی جائے۔

۵ ۔ پیشہ ورانہ سنستھانوں سے ہی زراعت پیشہ جماعتوں کی تمام ضروریات پوری نہیں کی جاسکتیں۔ بلکہ آزادی کے لئے نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کی سیاسی سرگرمیاں ہی ان ضرورتوں کو پورا کرسکتی ہیں:۔

زراعت پیشہ جماعتوں کے غربت وافلاس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ تمام جرمن قوم ہی مفلس و نادار ہے۔ یہ خیال کرنا بالکل غلطی ہے کہ مزدوروں کی کوئی ایک جماعت جرمن قوم کی مجموعی حالت میں اپنا حصہ لینے سے کس طرح بچ سکتی ہے۔ اس لئے شہری اور دیہاتی عوام میں مغائرت و منافرت پیدا کرنے کا خیال تک بھی دل میں لانا ایک قومی جرم ہے۔ کیونکہ وہ کسی صورت میں بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوسکتے بلکہ نیکی بدی میں ہر طرح اور ہر وقت ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ اور اسی میں سب کی بہتری ہے۔

موجودہ سیاسی حالات میں اقتصادی امداد سے کبھی کوئی مستقل ترقی رونما نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ سیاسی غلامی ہی عوام کے افلاس کا اصلی باعث ہے۔ اس لئے سیاسیات کی بدولت ہی ان سب خرابیوں کا مستقل علاج ہوسکتا ہے۔ یہ یورانی سیاسی تقسیم و تفریق یعنی پارٹی بازی ہی قوم کی موجودہ و گذشتہ سیاسی غلامی کا موجب بن رہی ہے۔ اور یہ کبھی آزادی کی منزل کی طرف قوم کی رہنمائی نہیں کرسکتی۔

ہماری آئندہ قومی حکومت میں پیشہ ورانہ سنستھانوں کی بھی نہایت ہی اہم اقتصادی خدمات کی تکمیل کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ جو گویا اس کا انتظار کر رہی ہیں صرف یہی نہیں بلکہ اب بھی وہ اس پہلو میں بہت کچھ ابتدائی خدمات سر انجام دے سکتی ہے۔ بشرطیکہ حصول آزادی کی اس سیاسی جدوجہد سے عوام کو کچھ کم و بیش آرام نصیب ہوسکے۔ کیونکہ در حقیقت یہی ہمارے اس نئے اقتصادی نظام کی بنیاد رکھے گی۔ جس کے لئے یہ موجودہ حالات

www.freepdfpost.blogspot.com

کسی طرح بھی موزوں و مناسب نہیں کہے جاسکتے۔ کیونکہ آزادی کی یہ جنگ کسی ایک پیشے کی بہتری و بہبودی کے لئے ہرگز نہیں لڑی جاسکے گی۔ بلکہ اس میں تمام قوم کو مجموعی بہتری کو ہی ہمیشہ مدنظر رکھنا پڑے گا۔ اور جو تحریک حصول آزادی کے اس جنگ کو کامیابی کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچا سکتی ہے۔ وہ یہ ہماری نیشنل سوشلسٹ ڈیماکریٹک ایسوسی ایشن پارٹی کی تحریک ہے اس کے سوا کوئی دوسری تحریک یہ معجزہ پورا کرکے نہیں دکھا سکتی۔ دستخط

ایڈولف ہٹلر

www.freepdfpost.blogspot.com

ہمارے پروگرام کے پچیّس اہم نکات

۲۵ فروری ۱۹۲۰ء کو نیشنل سوشلسٹ جرمن ورکز پارٹی نے میونخ کے ہاف برا ہوس فیسٹ آل میں عظیم الشان عام جلسہ کرکے اپنا مندرجہ ذیل پروگرام دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ اور ہماری پارٹی کے قانون ساخت (کنسٹی ٹیوشن) کی دفعہ ۲ میں اسے ناقابل تبدیل قرار دے دیا گیا ہے۔

پروگرام

رہنمایان پارٹی کا یہ ارادہ ہرگز نہیں کہ جن مقاصد کا اس پروگرام میں اعلان کیا جاتا ہے ایک مرتبہ ان کے حاصل ہوجانے پر پھر ملک و قوم کے سامنے کوئی اور مقاصد پیش کرکے مصنوعی طور پر عوام کے اندر کوئی نئی بے چینی و اضطراب پیدا کیا جائے۔ اور اس طرح اس پارٹی کی ہستی کو حق بجانب قرار دے کر اس کی موجودگی کے لئے کوئی یقینی صورت حال پیدا کی جائے۔

۱۔ ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ فیصلہ ذاتی کے حق کی بنیاد پر جس سے کہ دنیا بھر کی تمام قومیں بہرہ اندوز ہیں۔ جرمن قوم کے تمام افراد کو بھی متحد کرکے ایک عظیم الشان جرمن قوم کی بنیاد رکھی جائے۔

۲۔ ہم دنیا کی دوسر قوموں کے ساتھ اپنے تعلقات میں جرمن قوم کے لئے بھی برابرنہ حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس لئے یہ چاہتے ہیں کہ ورسیلز اور سینٹ جرمین کے معاہدہ جات امن کو بالکل منسوخ قرار دیا جائے۔

۳۔ ہم اپنے عوام کی پرورش اور اپنی فالتو آبادی کاری کے لئے علاقیہ جات نو

www.freepdfpost.blogspot.com

آبادیوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔

۴ ۔ سوائے ہماری قوم کے افراد کے اور کوئی بھی ہماری حکومت کا شہری نہ ہوگا۔ جرمن خون اور نسل کے افراد کے سواہ خواہ ان کا عقیدہ کچھ کیوں نہ ہو۔ کسی اور کو جرمن قوم کا فرد نہیں سمجھے جائے گا۔ اس لئے کوئی یہودی کسی صورت میں جرمن نہیں ہوسکے گا۔

۵ ۔ ملک کی حکومت اور قانون میں صرف ملک کے شہریوں کو ہی حق رائے دہی حاصل ہوگا۔ اس لئے ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہر طرح کی تمام سرکاری ملازمتیں خواہ وہ رائخ کے ماتحت ہوں۔ یا ملک کی چھوٹی چھوٹی مقامی انجمنوں میونسپلٹیوں وغیرہ کے صرف ملک کے شہریوں کو ہی دی جائیں گی۔

۶ ۔ ہم پارلیمنٹ کے خرابی پھیلانے طریق کے مخالف ہیں۔ جس کے ماتحت قابلیت اور چال چلن کے کچھ بھی پرواہ نہ کرکے صرف پارٹی بازی کے سپرٹ کی ملازمتوں کو پر کیا جاتا ہے۔

۷ ۔ ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ حکومت کو اپنا یہ فرض اولین خیال کرنا چاہئے کہ وہ صنعت و حرفت کو ترقی دے کر حکومت کے شہریوں کے لئے ذریعہ روزگار پیدا کرے اگر ملک کی تمام قومی آبادی کی پرورش اس طرح ناممکن ہو تو تمام پردیسیوں کو یعنی ملک کے شہری نہیں۔ رائخ کے ماتحت علاقہ جات سے باہر نکال دے۔

۸ ۔ حکومت کے تمام شہری اپنے حقوق و فرائض کے لحاظ سے یکساں درجہ رکھیں گے۔

۹ ۔ ہر ایک شہری کا یہ فرض اولین ہوگا۔ کہ وہ اپنے جسم و دماغ سے کچھ نہ کچھ کام کیا کرے اور اس کا کوئی فعل مجموعی قومی مفاد کے کسی طرح خلاف نہ ہو۔ بلکہ لازمی طور پر عوام کی بہتری و بہبودی کی خواہش کی حدود میں آسکے۔

اس لئے ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ :۔

۱۰ ۔ تمام ایسی آمدنیوں کے صیغہ جات کو مسدود و منسوخ کردیا جائے۔ جو بغیر کسی جائز کارکردگی کے حاصل ہوں۔

مفادات کی ماتحتی کو منسوخ کیا جائے

۱۱ ۔ ہر ایک جنگ کے موقع پر قوم کو جان و جائیداد کی جو عظیم الشان قربانی طلب کرنی

www.freepdfpost.blogspot.com

پڑتی ہے۔ اسے پیش نظر رکھ کر دوران جنگ میں وفاقی دولت و سرمایہ جمع کرنے کی ہر کوشش کو قوم کے خلاف ایک جرم قرار دیا جائے۔ اس لئے ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ دوران جنگ جن لوگوں نے کسی طرح دولت جمع کی ہے۔ وہ سب بغیر کسی رحم و ہمدردی کے ضبط کرلی جائے۔

۱۲ ۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اب تک تھوک تجارت سے جو منافع جات حاصل ہوئے ہیں۔ وہ سب قوم میں تقسیم کردیئے جائیں۔

۱۳ ۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ عمر رسیدہ بوڑھے لوگوں کی گزر بسر کے لئے مناسب انتظامات کو نشوونما دی جائے۔

۱۵ ۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک صحت مند درمیانہ طبقہ قائم کرکے اسے برقرار رکھا جائے اور تمام تھوک تجارت کے کاروبار کو فوراً قومی ملکیت قرار دے کر ان کا مال ارزاں و آسان شرائط پر چھوٹے چھوٹے سوداگروں کا پٹہ پر دے دیا جائے۔ اور ملک کے تمام چھوٹے چھوٹے مقامات پر افسران ضلع و حکومت ملک کے تمام چھوٹے چھوٹے رسد رسانوں کا حد درجہ خیال رکھیں۔

۱۶ ۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ملک میں ایسی اصلاحات نافذ کی جائیں جو ہماری ضروریات کے مطابق ہوں قومی ضروریات کے لئے بغیر کسی معاوضے کے اراضیات کی ضبطی کے لئے قوانین نافذ کئے جائیں اراضیات پر سودی قرضے دیئے جانے یا ان کی خرید و فروخت سے نفع کمائے جانے کی ممانعت کی جائے۔

۱۷ ۔ ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ان لوگوں پر بغیر کسی ہمدردی و رحم کے مقدمات چلائے جائیں جن کی سرگرمیاں قومی مفاد کے خلاف ہیں۔ جو قوم کے سنگ دل مجرم ہیں۔ سود خور ہیں۔ منافع خور ہیں۔ وغیرہ وغیرہ ایسے لوگوں کو خواہ کسی بھی مذہب یا نسل سے تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں سزائے موت دی جانی چاہئے۔

۱۸ ۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ رومن قانون کی بجائے جو دنیا داروں کی مادہ پرستی کا خامی ہے۔ تمام جرمنی میں ایک دوسرا موزوں قانون نافذ کیا جائے۔

۱۹ ۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر ہر ایک قابل اور محنتی جرمن کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم ملے۔ تاکہ اس طرح وہ تا حد امکان ترقی کرسکے۔ حکومت کو ہماری قومی تعلیم کے موجودہ طریق کار کی پورے طور پر "کایا پلٹ" کردینی چاہئے۔ تمام درسگاہوں کے نصاب تعلیم کو

www.freepdfpost.blogspot.com

قومی ضروریات اور عملی زندگی کے مطابق بنانا چاہئے۔ جس میں ساخت حکومت (سٹیٹ سوشیالوجی یعنی حکومت مجلسی) کا بھی پورا پورا تخیل ہو۔ اور سکولوں میں نوجوانوں کی معمولی سی سوجھ بوجھ شروع ہوتے ہی درجہ بدرجہ حکومت مجلسی کے اصولوں کی ترقی کن تعلیم دی جائے۔ ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ غریب والدین کے ہونہار ذہین اور محنتی لڑکوں کو خواہ وہ کسی پیشہ یا طبقہ سے تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں۔ سرکاری اخراجات پر تعلیم دی جائے اور ہر طرح ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

۲۰ ۔ حکومت کو ماؤں اور ان شیر خوار بچوں کی حفاظت کرکے اور بچوں کو محنت مزدوری کے خلاف قانون دے کر قومی صحت کے معیار کو بلند کرنا چاہئے۔ نیز لازمی کسرت و ورزش کو قانونی طور پر لازمی قرار دیتے ہوئے کھیلوں کے کلبوں کو خوب وسیع پیمانے پر سرکاری امداد لے کر قوم کے نوجوانوں اور مردوں اور عورتوں کی جسمانی صحت کو بہتر بنانے کی توجہ دینی چاہئے۔

۲۱ ۔ ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ تنخواہ دار افواج کو توڑ کر ان کی بجائے قومی افواج کی تیاری کی جائیں۔

۲۲ ۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ جو اخبارات جان بوجھ کر غلط بیانیاں کرتے ہیں اور غلط فہمیاں پھیلاتے ہیں۔ ان کے خلاف قانونی جنگ کی جائے اور ایک قومی جرمن پریس کی قائمی کے لئے سہولت پیدا کرنے کی غرض سے طریق عمل اختیار کیا جائے۔

(الف) جرمن زبان کے تمام اخبارات اور ان کے ماتحت و نائب ایڈیٹرز جرمن قوم کے ہوں۔

(ب) غیر جرمن اخبارات کی اشاعت کے لئے حکومت سے خاص اجازت حاصل کی جائے۔ خواہ غیر جرمن زبانوں میں کیوں نہ شائع ہوں۔

(ج) غیر جرمنوں کو قانوناً" اس امر کی ممانعت ہو۔ کہ وہ جرمن اخبارات کی کسی طرح مالی سرپرستی کریں۔ یا ان پر کسی طرح سے رسوخ انداز ہوں۔ اور ان احکام کی خلاف ورزی کی سزا یہ ہو کہ اس اخبار کو فوراً" بند کرکے ایسے اشخاص یا شخص کو ملک بدر کردیا جائے۔

ایسے اخبارات کی اشاعت ممنوع قرار دی جائے جو قومی مفاد کے خلاف ہوں۔ ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جو صاحب فن یا ادیب ہماری قومی زندگی میں انتشار پیدا کرنے کی ذرا

www.freepdfpost.blogspot.com

بھی رغبت کاا ظہار کرے۔ اسی کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے۔ اور جو سنستھائیں ایسے دگوں کی حمایتی ہوں انہیں فوراً دبا دیا جائے۔

۲۳ ۔ ہم ملک میں تمام مذہبی فرقوں کے لئے آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن صرف اسی حد تک کہ وہ ہمارے ملک کے لئے خطرناک نہ ہوں اور جرمن نسل کے اخلاقی احساس کے خلاف نہ ہوجائیں۔

اس پہلو میں ہماری پارٹی اثباتی عیسائیت Positive Christianisation کی حمایت کرتی ہے۔ لیکن عیسائیت کے کسی خاص فرقے کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ نہیں کرتی۔ یہ یہودیوں کی سی مادہ پرستی کی سپرٹ کے خلاف برسرجنگ ہے جو ہمارے اندر یا باہر پھیل رہی ہے اور یہ عقیدہ ظاہر کرتی ہے کہ ہماری قوم صرف اس اصول پر عمل کرکے ہی مستقل صحت حاصل کرسکتی ہے کہ

ہر شخص مفاد قومی کو اپنے ذاتی مفاد پر ترجیح دے

۲۴ ۔ تمام متذکرہ بالا مطالبات کو حاصل کرنے کے لئے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ ایک مضبوط مرکزی حکومت قائم کی جائے جسے ریش اور اس کے تمام نظام پر مرکزی سیاسی پارلیمنٹ کی حیثیت سے ناقابل اعتراض طاقت حاصل ہو۔ اور مختلف مشترکہ حکومتوں (States of canfederaion) کی ریش جو عام قوانین وضع کرے۔ ان پر عملدرآمد کرانے کے لئے مختلف جماعتوں اور پیشیوں کے ایوانات (CHAMBERS) قائم کئے جائیں۔

پارٹی ہذا کے لیڈر تمام لیڈر و رہنما یہ حلف لیتے ہیں کہ وہ ان متذکرہ بالا مقاصد کی تعمیل و تکمیل کے لئے اپنی جانیں تک قربان کردیں گے۔

مینونخ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۲۰ء